حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور تصنیف

انفاس العارفین

مترجم

علامہ حکیم محمد اصغر اطہر فاروقی

نوری بک ڈپو داتا دربار لاہور

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

انفاس العارفین

نوری بک ڈپو لاہور

انفاس العارفین

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

تقدیم
راجہ رشید محمود ایم اے ماہر مضمون اردو
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ

ترتیب و ترجمہ
حضرت علامہ حکیم محمد اصغر اطہر فاروقی مد ظلہ العالی

نوری بک ڈپو۔ لاہور

ناشر و تاجر
نوری بک ڈپو لاہور
آر۔ آر۔ پرنٹرز لاہور

مرکزی دفتر: معصوم منزل۔ اسلام گنج۔ لاہور
مرکز فروخت: بازار داتا صاحب۔ لاہور

تقدیم

اسلام اس صداقت کا نام ہے جو ازل سے ابد تک رہے گی اس سچائی کی تبلیغ کے لیے حضرت آدم کی خلقت ہوئی اسی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لاتے ۔یہی وہ منزل ہے جس کی نشان دہی تمام انبیائے کرام نے کی اور یہی معتقدات ہیں جن کو بنی نوعِ انسان کے دلوں میں راسخ کرنے کے لیے سرکارِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے حضور خاتم النبیین ہیں آپؐ کے بعد رشد وہدایت کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اب دنیا کی رہنمائی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں اور خداوند کریم کے دوستوں کیطرف منتقل ہو گئی ۔ مجددین ملت اولیاء اللہؒ اور علماء کرام نے اس فرض کو نبھایا اور عالمِ انسانیت کو حقیقت و معرفت کی راہ دکھانے کی سعی میں عمریں گزار دیں لیکن چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی ازل سے ستیزہ کار رہا ہے سچائی کے ساتھ دروغ و کذب کی مبارزت پرانی ہے نیکی اور بدی کا سمجھوتہ آج تک نہیں ہو سکا انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کے کام میں شیطان اپنے راندے جانے کے دن سے سرگرم عمل ہے چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا جادو سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کی امت کے کمزور لوگوں پر چلتا رہا اور وہ کچھ ایسوں کو بھی راہ راست سے بھٹکانے میں کامیاب ہوتا رہا جو ملت اسلامیہ کے افراد کہلاتے تھے ایسے لوگ سوادِ اعظم سے کٹتے رہے ، معتقدات اسلام میں ایسے لوگوں کی اصلاح کا ڈول ڈالا ، جو محبوب کبریاؐ کی تعلیمات کا خاصہ تھے ۔ پھر امتداد وقت

کے ساتھ یہ "مصلحین اسلام" ذرائع ابلاغ پر قابض ہوتے گئے انہوں نے دنیوی برتری کے زور سے، سیدھی راہ سے نہ بھٹکنے والوں پر کفر و شرک کی گلوخ اندازی شروع کر دی اور ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ عملی طور پر قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں تک پھیل گیا لیکن ابھی ان کے لئے صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دیگر بزرگانِ دین کو کھلم کھلا ان فتووں کی زد میں لانا ممکن نہ تھا۔ اس کام کے لئے وقت درکار تھا اب تو خیر ان میں سے ایک صاحب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (کراچی) حضور غوثِ اعظم جیلانیؒ خواجہ معین الدینؒ چشتی، حضور داتا گنج بخشؒ، مولانا جلال الدینؒ رومی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بزرگوں کو کافر و مشرک قرار دے کر ان کے خلاف فتاویٰ چھاپ رہے ہیں، اس لئے ان لوگوں نے ایک مجددِ دین و ملت، اعلیحضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کو ہدف بنایا اور اسلام کے شعائر و عقائد پر سختی سے عامل مسلمانوں کو "بریلوی" کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔

"بریلویت" کو دشنام طرازی قرآن و احادیث کے ارشادات اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے چونکہ مشکل تھی اس لئے ان حضرات نے قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویؐ کو اپنی تاویلات اور ترجموں کی بوقلمونی سے مجروح کرنے کی کوشش کی اور بزرگوں کی تعلیمات کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے مختلف حربے استعمال کئے گئے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ اسلافِ کرام کی راہ سے ہٹے ہوئے معتقدات کو بزرگوں ہی کے ملفوظات اور ان کی تحریروں کے نام سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ان بزرگوں کی اصلی تحریریں عامۃ الناس کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دی جائیں۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ خاندانِ ولی اللّٰہی نے اسلامیانِ ہند بلکہ پورے عالمِ اسلام پر اپنی عظمت،

فقاہت اور حکمت کے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز جیّد عالمِ دین، والا مرتبت فقیہہ و محدث، عظیم نبّاضِ قوم اور حکیم امتِ اسلامیہ تھے۔ انہوں نے دین کی روح کو اپنی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کی ارواح و قلوب میں راسخ کر دیا اور مسلمانوں کو سچّائی کی راہ پہ چلانے کی کوشش میں عمرِ عزیز گزار دی لیکن دین کو سمجھنے والوں کی تعلیمات سے لوگوں کو محروم رکھنے کے خواہش مندوں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی کئی تصانیف کو منظرِ عام پہ آنے سے روکا اور ان کے نام سے کئی کتابیں خود لکھ کر چھاپ دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ گمراہ ہو سکیں۔ قارئین کرام انفاس العارفین کے مطالعہ سے جان لیں گے کہ حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے خیالات ان معتقدات کے بارے میں کیا ہیں۔ جن پہ کفر و شرک کی خودکار مشینیں حرکت میں ہیں۔ توسّل، استمداد، تصرفات، کشف پہ اعتقاد رکھنے سے آپ کو کچھ لوگ سارا دن منع کرتے ہیں۔ آپ یہ دیکھیے کہ ان معاملات میں اسلام کے بطلِ جلیل شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آپ کی کیا رہنمائی کی ہے۔

دین کی اصل کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کر دینے کے خواہش مندوں نے انفاس العارفین کبھی نہیں چھاپی۔ اس کی جلدیں بازار سے غائب کرنے کی کوششیں کی گئیں تاکہ لوگ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ارشادات سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس کے برعکس توسّل استمداد، تصرفات اور کشف کو ماننے والوں کے خلاف کفر و شرک کے فتوے لکھ کر ان پہ شاہ ولی اللہؒ کا نام چھاپ دیا گیا تاکہ عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیا جا سکے۔ محققین نے ان "موضوع تصانیف" کی نشاندہی کر دی ہے لیکن جب دل میں خوفِ خدا نہ رہے تو آدمی کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ جھوٹ تو کوئی چیز ہی نہیں۔

اربابِ تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ مندرجہ ذیل کتابیں شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نہیں ہیں۔ بوجوہ لوگوں نے اُن کے نام لگا دی ہیں۔

۱۔ تحفۃ الموحدین ۔ ۲۔ البلاغ المبین ۔ ۳۔ قولِ سدید ۔ ۴۔ اشارہ مستمرہ ۔ ۵۔ قرۃ العینین فی ابطالِ شہادۃ الحسینؓ ۔ ۶۔ جنت العالیہ فی مناقب المعاویہؓ ۔ ۷۔ رسالہ اوائل ۔ ۸۔ فیما یجب حفظ للناظر

مؤخر الذکر دونوں رسالے ناشرین کی عدم توجہ سے شاہ صاحب کی فہرستِ تصانیف میں شامل ہو گئے حالانکہ پروفیسر محمد ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق پہلا رسالہ شیخ محمد سعید کا ہے اور دوسرا شاہ صاحب کے کسی شاگرد کا۔

مذکورہ بالا کتابوں کو دیگر تاریخی شواہد و دلائل کے علاوہ ان کی زبان و بیان اور اعتقادات کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کی تحریر سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ قرۃ العینین اور جنت العالیہ کو تذکرۂ گلشنِ ہند میں مرزا علی لطف نے شاہ ولی اللہؒ سے منسوب کیا ہے لیکن مولانا شبلی نعمانی۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اور دوسرے محققین نے اس کی تردید کی ہے۔ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ پہلی کتاب "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" ہے جس میں شہادت امامِ حسین علیہ السلام کے ابطال کا سوال ہی نہیں اور دوسری کتاب بالکل فرضی ہے حضرت معاویہؓ کے مناقب میں شاہ صاحب نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مولوی محبوب علی دہلوی "تنبیہ الضالین" میں لکھتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہؒ پر رافضیوں نے تہمت اور بہتان کیا کہ انہوں نے شہادتِ حسینؓ کا رد کیا ہے"۔

شاہ صاحبؒ کے خاندان کے ایک فرد اور ان کی تصانیف کے مشہور ناشر ظہیر الدین نواسۂ شاہ رفیع الدینؒ دہلوی نے شاہ صاحب کی کتاب "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء" کے آخر میں بھی قارئین کی اطلاع کے لئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض تصانیف شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نام منسوب کر دی ہیں ظہیر الدین صاحب "انفاس العارفین" مطبوعہ مطبع احمدی دہلی کے آخر میں ان جعلی اور مصنوعی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے تحفۃ الموحدین اور ابلاغ المبین کے ساتھ مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے نام منسوب تفسیر موضح القرآن مطبوعہ مطبع خادم الاسلام دہلی اور مولانا شاہ

عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے نام منسوب ملفوظات مطبوعہ میرٹھ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

جعلی رسائل شاہ صاحب قدس سرہٗ کے اسمِ نامی سے منسوب کرنے کا ظلم زیادہ تر اس لئے کیا گیا کہ بعض لوگ اہل سنت وجماعت کے عقیدوں کو ختم کرکے دین کو کمزور کردینا چاہتے تھے۔ شاہ صاحب کی شہرت اور عظمت کو اپنے مقاصدِ مذمومہ کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کتنی مکروہ ہے اہلِ علم و دانش اس کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔ تحفۃ الموحدین سب سے پہلے ایک اہلِ حدیث حاجی عبدالغفار دہلوی علی جان والے نے شائع کی (حیاتِ ولی مطبوعہ المکمل المطابع بحوالہ شاہ صاحب (ولی اللہؒ) اور ان کا خاندان از حکیم محمود احمد برکاتی)۔ قیام پاکستان کے بعد مرکزی جمعیتِ اہلِ حدیث مغربی پاکستان نے اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس طرح اس طبقے نے اس جعلی کتاب کے متعدد ایڈیشن نکال کر عامۃ النّاس کو گمراہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے مجموعۂ وصایا اربعہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے صفحہ ۲۷-۲۸-۲۹ پر دلائل و براہین کے ساتھ اس کتاب کو جعلی ثابت کیا ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندرپوری نے بھی اپنی کتاب "وسیلۂ جلیلہ" میں اس کتاب کے شاہ صاحب سے انتساب کو غلط بتایا ہے۔

البلاغ المبین پہلی بار مطبع محمدی سے ایک اہلِ حدیث عالم فقیر اللہ نے شائع کیا۔ اس میں اکثر غیر مستند اور وضعی احادیث کا سہارا لے کر سوادِ اعظم کے عقائد کو مطعون کیا گیا ہے اس کتاب کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی فرمایا ہے کہ "یہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی تصنیف ہے ہی نہیں بلکہ کسی نے لکھ کر ان کی طرف منسوب کردی ہے تاکہ شاہ صاحبؒ کو ماننے والے ان عقائد کو مان لیں۔" (تذکرہ سلیمان از غلام محمد بی اے عثمانیہ بحوالہ مجموعہ وصایا اربعہ) مولانا وکیل احمد سکندرپوری لکھتے ہیں۔ "یہ کتاب کسی وہابی کی تصنیف ہے جسے کافی لیاقت نہ تھی مگر اعتبار و اسناد کے لئے مولانا شاہ ولی اللہؒ کی طرف منسوب کی گئی۔" (وسیلۂ جلیلہ) مشہور اہلِ حدیث محقق و مؤرخ غلام رسول مہر کو بھی کہنا پڑا۔ "البلاغ المبین تو یقیناً شاہ

ولی اللہؒ کی کتاب نہیں۔ اس کا اسلوب تحریر و طریق ترتیب مطالب شاہ صاحبؒ کی تمام تصانیف سے متفاوت ہے۔" (بحوالہ مجموعہ وصایا اربعہ مترجمہ پروفیسر ایوب قادری)۔

"قول سدید" کو بھی انہی لوگوں نے لکھا اور شاہ صاحبؒ کا نام استعمال کر ڈالا۔ "شاہ ولی اللہ اور تقلید" میں مولانا محمد علی کاندھلوی خواہر زادہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کہتے ہیں "میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں، جب میں سنتا ہوں کہ لوگ غیر مقلدیت کو پروان چڑھانے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں سے ادھوری اور تراشیدہ عبارتیں نقل کر کے بیچارے عوام کو دھوکا دیتے ہیں یہی نہیں بلکہ "قول سدید" کے نام پر ایک من گھڑت کتاب کو شاہ صاحبؒ سے منسوب کرتے ہیں"۔ اس طبقے کی اس علمی بددیانتی کے بارے میں حکیم محمود احمد برکاتی نے فاران کراچی کے جون ۱۹۶۵ء کے شمارے میں لکھا ہے۔" ایک گروہ ـــ اہل حدیث نے شاہ صاحبؒ اور ان کے اخلاف کی طرف ایسی تحریروں کو منسوب کر دیا، جو حقیقتاً ان کی نہیں تھیں اس سلسلے کا آغاز ۱۸۵۷ء سے قبل ہی ہو گیا تھا چنانچہ قاری عبدالرحمن پانی پتی اور نواب قطب الدین خان نے اس زمانے میں اس کی تردید کر دی پھر موجودہ صدی کے آغاز میں سید ظہیر الدین احمد، ولی اللہی نے بار بار اس کی تردید کی لیکن البلاغ المبین اور تحفۃ الموحدین جیسے رسائل آج تک شاہ صاحبؒ کے نام سے چھپ رہے ہیں۔" (بحوالہ پیش لفظ الطاف القدس از حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

محمد شمس الدین جالندھری نے مختلف مسائل میں علمائے کرام کے فتاویٰ حاصل کر کے ۱۳۱۰ھ میں "فتاویٰ علمائے حنفیہ" کے نام سے قیصری پریس جالندھری سے شائع کئے ان میں عالم محقق حضرت مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی لدھیانوی کا "البلاغ المبین" کے بارے میں تحقیق فتویٰ شامل ہے اس فتویٰ کے آخر میں بہت سے تائیدی فتاویٰ بھی شامل ہیں۔ یہ تحریر محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۹۳ تا ۱۰۸ پر مشتمل ہے۔ اس طویل اقتباس کے لئے معذرت خواہ ہوں مگر مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اس کو من وعن نقل کرنا افادہ عام کے لئے ضروری ہے اس تحریر میں مولانا مرحوم و مغفور نے شاہ صاحبؒ کی دوسری اہم

کتابوں کے حوالے سے "البلاغ المبین" کا رد کیا ہے۔ فرماتے ہیں "رسالہ البلاغ المبین" کو احقر نے بنظرِ غور دیکھا اور جہاں تک تامل و فکر کیا یہ رسالہ تصنیفات حضرت شیخ المحدثین مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رح سے معلوم نہیں ہوا ہر چند اس میں ان عوام کالانعام کو جو شب و روز بدعات سیئہ میں مستغرق رہتے ہیں اور قیدِ شرع شریف سے آزاد ہو کر ملقب بلقب قبر پرست بن گئے ہیں مسب طور پر تہدید و توبیخ کی گئی ہے لیکن بہت جگہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر کے اور صلحاء کو بھی ان عوام ہی کے ہمراہ ملا کر ایک ہی قسم کے کلمات ناشائستہ سے یاد کیا ہے اور اصل مسئلہ مسلمہ کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۷ میں کہتے ہیں "دریں صورت نفع زیارت قبور اہل اسلام و غیر ایشان برابر است۔" صفحہ ۲۸ میں صوفیہ کرام کو "ایں گروہ شقاوت پژوہ" کے لفظ سے یاد کیا ہے اور تمثیلاً "شقاوت" کی سند میں صوفیہ کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

علمِ حق در علمِ صوفی گم شود　　ایں سخن کے باور مردم شود

حالانکہ حضرت شاہ صاحب رح نے نکاتِ تصوف اپنے رسائل ہوامع، الطاف القدس، سطعات وغیرہا میں ایسے لکھتے ہیں جو علمائے ظواہر کی سمجھ سے باہر ہیں اور خاص اس شعر کا ذکر بھی حضرت کے مکتوبات مطبوعہ کے صفحہ ۱۲ میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں چند قرائن دیگر موجود ہیں جو اس مطلب کے مؤید ہیں۔

اول یہ کہ بعد حمد و صلوٰۃ اس "رسالہ البلاغ المبین" میں حسبِ قاعدہ مصنفین شاہ صاحب رح کا نام نامی نہیں ہے اور یہ امر شاہ صاحب رح کی عادت کے بالکل خلاف ہے۔ شاہ صاحب رح اپنے ہر رسالہ میں حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنا نام نامی ضرور لکھتے ہیں۔ ۲۲ تصانیف خورد و کلاں حدیث و تفسیر و تصوف وغیرہ جو احقر کے پاس موجود ہیں ہر ایک میں شاہ صاحب نے اپنا نام ظاہر فرمایا ہے حتیٰ کہ رسالہ تراجم بخاری میں بھی جو صرف ایک ورق کا رسالہ ہے نام لکھا ہے ان ۲۲ کے علاوہ چند تصانیف دیگر دوستوں کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسی طرح ان میں نام ہے!! مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے صفحہ ۲۶ میں شاہ صاحب

کی اکثر تصانیف کو نام بنام لکھا ہے وہاں بھی "البلاغ المبین" کا نام نہیں لکھا۔

دوم یہ کہ البلاغ المبین میں چند جگہ ترجمہ مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ترجمہ مشکوٰۃ شیخ کے معتبر ہونے میں کسی کو شک نہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اگر کہیں اپنی تصانیف میں حدیث بھی نقل کرتے ہیں تو صحاح ستہ وغیرہ سے لیتے ہیں مشکوٰۃ شریف سے بھی نہیں لیتے اور ترجمہ مشکوٰۃ کا حوالہ دینا تو ان سے بمنزلہ محال عادی کے پہلے کا حوالہ دیا ہے (صفحہ ۹۔ ۲۷۔) اور بعض جگہ اخبار الاخیار کی عبارت نقل کی ہے (صفحہ ۲۵۔ ۲۶۔ ۴۶) اور کسی جگہ تفسیر حسینی سے بھی لیا ہے (صفحہ ۶۴) یہ تمام امور شاہ صاحب کی مصنفات کے خلاف ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس رسالہ میں حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ کو سنداً نقل کیا ہے (صفحہ ۲۹) اور یہ حدیث بایں الفاظ بے اصل ہے صَرَّحَ بِہٖ الْمُحَدِّثُوْنَ کَمَا فِیْ فَوَائِدِ مَجْمُوْعَۃٍ (صفحہ ۹۴) و موضوعات کبیر مُلّا علی قاری (صفحہ ۵۷) پس ایک بے اصل حدیث کا لانا ہرگز شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا نام نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ اس رسالہ میں اوّل سے آخر تک اسی امر پہ زور دیا ہے کہ بنظر حصول فیضان (جیسا کہ صوفیہ کہتے ہیں) قبور اولیاء بلکہ انبیاء پہ جانا درست نہیں ہے اور نہ ارواح سے کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ امر شاہ صاحبؒ کے مسلک کے خلاف اور ان کی دیگر مشہور تصانیف کے معارض ہے۔ شاہ صاحبؒ نے رسالہ فیوض الحرمین اور رسالہ دُرِّ ثمین فی مبشرات النبی الامین میں صرف انہی فیوضات اور برکات کا ذکر کیا ہے جو ارواحِ طیبہ انبیاء و اولیاء سیما امام الانبیاء خواجہ ہر دوسرا علیہ من الصلوٰۃ اکملہا و من التحیات اتمہا سے ان کو یا ان کے والد صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو حاصل ہوئے ہیں۔ رسالہ جزء اللطیف میں فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے والد کی قبر پر بیٹھنے سے علمِ توحید اور سلوک کا راستہ کھلا۔ عبارت بلفظہٖ یہ ہے۔

بعد از وفات حضرت ایشاں دوازدہ سال کم وبیش بہ درس کتب دینیہ و عقلیہ

مواظبت نمود و در علم خود منِ واقع شد و توجہ بر قبر مبارکش بیش گرفت و در آں ایام فتح توحید و کشا در راہ جذب وجانبِ عظیم از سلوک میسر آمد۔

فیوض الحرمین میں قبورِ آئمہ اہل بیت پہ حاضر ہونے اور فیض اٹھانے کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

تَوَجَّهْتُ اِلٰی قُبُوْرِ آئِمَّۃِ اَهْلِ الْبَیْتِ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ فَوَجَدْتُ لَهُمْ طَرِیْقَۃً خَاصَّۃً هِیَ اَصْلُ طَرَقِ الْاَشْیَاءِ اِلٰی آخِرِ الْعِبَادَۃِ (صفحہ ۶۳)

اور مکتوبات کے صفحہ ۲۰ پر حضرت تاج الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر تحریر فرما کر لکھتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ کے قیقعان پہاڑ میں ان کی قبر کی زیارت کی ہے۔ عبارت بلفظہٖ یہ ہے۔

"شیخ تاج الدین بعد وفات خواجہ محمد باقی قدس سرہ بمکہ رفت و متوطن شد و اہل مکہ از وے اخذ کردند کرامات بسیار دیدند سلطان روم غائبانہ اعتقاد بہم رساند و من فصلے از کرامات سیخ از ثقات اہل مکہ شنیدم و در اربعین بعد الالف برحمت حق پیوست و در قیقعان کہ جلیے ست بمکہ مدفون شد و فقیر زیارت قبر شریف وے کردہ انتہیٰ"

غرض یہ کس طرح قیاس میں آسکتا ہے کہ جس مضمون فیضان ارواح طیبہ کو حضرت شاہ صاحب فخریہ اپنے رسائل مشہورہ میں ظاہر کریں اور حسب ارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ شُکْرًا لِنِعْمَۃِ اللّٰہِ اسے جتاویں۔ پھر اس کی تردید اور تضحیک "رسالہ البلاغ المبین" میں لکھیں۔

احقر کے نزدیک زیادہ رکیک اور خسیس تر رسالۂ البلاغ المبین میں وہ مضمون ہے جو صفحہ ۔ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم سے وفات کے بعد توسّل پکڑنا درست نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت استسقا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وسیلہ پکڑنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک کو بوجہ غائب ہونے اور گذر جانے کے وسیلہ نہیں بنایا۔ عبارت بلفظہٖ یہ ہے۔

در عہد خلافت امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ امساکِ باران شدہ بود خلیفہ

علیہ السلام با جمِ غفیر برائے استسقا در مدینہ منورہ رفت و بعباس رضی اللہ عنہ
کہ عمِ آں سرورِ صلی اللہ علیہ وسلّم بود توسّل نمود و گفت اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِیِّکَ
وَنَحْنُ اَلْاٰنَ نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِیِّکَ۔ یعنی اے بارِ خدایا بودیم کہ می کردیم توسّل بہ پیغمبرِ
تو والحال توسّل می نمائیم بعمّ پیغمبرِ تو۔ ازینجا ثابت شد کہ توسّل بگزشتگان و غائبان
جائز نداشتہ اندر وگرنہ عبّاس رضی اللہ عنہ از سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم بہتر نہ بود۔
چرا نہ گفت کہ توسّل می کردیم بہ پیغمبرِ تو والحال توسّل می کنم بروحِ پیغمبرِ تو..... الخ

ایہا النّاظرین! ہرگز امید نہیں ایسا رکیک استنباط خلافِ جمہور حضرت شاہ صاحبؒ کے قلمِ جواہر رقم سے لکھا جاوے کیونکہ بالاتفاق ذاتِ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وسیلہ ہے اور جملہ انبیاء گزشتگان و تمامی عالمیان کا پیدائش عالم سے پہلے عالمِ ارواح میں اور پھر دنیا اور عالمِ برزخ پھر قیامت میں چنانچہ فرمایا حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے جذب القلوب میں۔

اما توسّل واستشفاع بحضرت سیدِ رُسل واستغاثہ واستمداد بجاہِ جنابِ او صلی اللہ علیہ وسلّم
فعلِ انبیاء و مرسلین و سیرتِ سلف و خلف صالحین ست چہ پیش ازاں وقت کہ روح پاکش
لباسِ جسمانیت پوشید وچہ بعد ازاں وقت ہم در حیاتِ دنیویہ وہم در عالمِ برزخ وہم در
عرصۂ قیامت کہ انبیائے مرسل را مجال نطق و تابِ دم زدن نہ باشد۔ وے صلی اللہ علیہ وسلّم
فتح بابِ شفاعت کند۔ اوّلین وآخرین را مستغرق بحارِ نعمت و مشمول انوارِ رحمت گرداند
و در استمداد از جنابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دریں ہر چہار موطن اخبار و آثار
بورود پیوستہ الیٰ آخر العبارۃ۔

اور اس استنباط کے رکیک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں نام حضرت عباسؓ سے وسیلہ نہیں پکڑا بلکہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ ایزدی میں قرابتِ نبوی کو جتلایا اور ان الفاظ سے عرض کیا وَنَحْنُ اَلْاٰنَ نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِیِّکَ اب ہم وسیلہ پکڑتے ہیں تیرے نبیؐ کے چچا کو۔ یہ فی الواقع حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی سے وسیلہ پکڑا ہے۔

دوسرے یہ کہ صحابہؓ ہی کے زمانہ فیض نشانہ میں قحط شدید مدینہ منورہ میں پڑا۔ سب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت کی۔ حضرت ممدوح نے مزار مقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آسمان کے مابین روزن کھلوا دیا پھر یہاں تک بارش ہوئی کہ گھاس اُگی اُونٹ تازہ موٹے ہو گئے۔ اس سال کا نام عام الفتق رکھا گیا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:۔

قَالَ قُحِطَ اَھْلُ الْمَدِیْنَةِ قَحْطاً شَدِیْدًا فَشَکَوْا اِلٰی عَائِشَةَ فَقَالَتِ انْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْہُ کُوًّا اِلَی السَّمَآءِ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ السَّمَآءِ سَقْفٌ قَالَ فَفَعَلُوْا فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتّٰی نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰی تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّیَ عَامَ الْفَتْقِ (داری شریف نظامی صفحہ ۲۵)

جذب القلوب میں بعد نقل ترجمہ اس حدیث کے فرماتے ہیں۔

وامر وے رضی اللہ عنہا بکشادن دریچہ امرے واضح است بانکہ موجب فتح باب مطلوب مطلوب دعا وسوال آنحضرت ست صلی اللہ علیہ وسلم از درگاہ رب العالمین جل جلالہ، انتہی۔

تیسرے یہ کہ جذب القلوب میں بحوالہ روایت صحیح ایک قصہ استسقا زمانہ حضرت امیر المومنین عمرؓ کا بھی لکھا ہے جس میں قبر شریف کی طرف رجوع کیا گیا ہے عبارت یہ ہے:۔

وابن ابی شیبہ بسند صحیح آوردہ است کہ در زمان عمر رضی اللہ عنہ، قحط افتاد وشخصے بقبر شریف نبوی آمد وگفت یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا آنحضرت در خواب او آمد و فرمود برو و بعمر بشارت دہ کہ باران خواہد شُد۔

چوتھے یہ کہ خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف معتبرہ مشہورہ میں جن الفاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں استغاثہ کیا اور وسیلہ پکڑا ہے وہ بذاتہ دلالت کر رہا ہے کہ رسالۃ البلاغ المبین حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کے مصنفات سے نہیں۔

قصیدہ بائیہ کے صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں:

وَصَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا خَیْرَ خَلْقِہٖ

اے بہترین خلائق تم پہ خدا کی رحمت نازل ہو۔

وَيَا خَيْرَ مَا مُوْلٍ وَ يَا خَيْرِ وَاهِبٍ

(اور اے بہترین امید کئے گئے اور اے بہترین بخشش فرمانے والے)

وَ يَا خَيْرَ مَنْ يُّرْجٰى لِكَشْفِ رَذِيَّةٍ

(اور اے بہترین اس ذات کے جس سے مصیبت کے دُور ہونیکی امید کی جاتی ہے)

وَ مَنْ جُوْدُهٗ قَدْ فَاقَ جُوْدَ السَّحَائِبِ

(اور جن کی بخشش وسخاوت بادلوں کی بخشش پہ غالب ہے)

وَ اَنْتَ مُجِيْرِىْ مِنْ هُجُوْمِ مُلِمَّةٍ

(اور آپ ہی پناہ ہیں نازل ہونے والے غموں سے)

اِذَا نُشَبَّتُ فِى الْقَلْبِ شَرَّ الْمَخَالِبِ

(جبکہ دِل میں بری چنگل چبھو دے)

فَاِنِّىْ مِنْكُمْ فِىْ قِلَاعٍ حَصِيْنَةٍ

(میں آپ کے سبب سے مضبوط قلعوں میں ہوں)

وَحَدٍّ حَدِيْدٍ مِنْ سُيُوْفِ الْمَحَارِبِ

(اور لوہے کی دیوار میں ہوں لڑائی کی تلواروں سے)

قصیدہ ہمزیہ صفحہ ۱۴۱ میں ہے۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا !

اے اللہ کے رسول اور مخلوق سے بہتر

لَوَالَكَ اَبْتَغِىْ يَوْمَ الْقَضَايَا

میں فیصلے کے دن آپ کی بخشش طلب کرتا ہوں

اِذَا مَا حَلَّ خَطْبٌ مُدْلَهِمٌّ

جس وقت نہایت تاریک حادثہ پہنچے

فَاَنْتَ الْحِصْنُ مِنْ كُلِّ الْبَلَايَا

پس آپ ہر ایک بلا سے پناہ ہیں۔

اِلَيْكَ تَوَجُّهِىْ وَبِكَ اسْتِنَادِىْ

آپ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور پناہ پکڑتا ہوں

وَ فِيْكَ مَطَامِعِىْ وَبِكَ ارْتِجَائِىْ

اور آپ ہی سے امید کرتا ہوں اور رجا رکھتا ہوں

الحاصل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے وسیلہ پکڑنے سے انکار کرنا اور اس قصہ مذکورہ استسقا زمانہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے انکار کا استنباط کرنا یقینی قرینہ اس امر کا ہے کہ یہ رسالہ البلاغ المبین شیخ مشائخنا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصانیف میں سے نہیں۔ وفی کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم" حررہ العبد العاصی مشتاق احمد انبیٹھوی مدرس لدھیانہ۔

اس فتویٰ کی تائید مولانا ابوالخیر محمد ظہیر احسن عظیم آبادی۔ مولانا محمود (دیوبند) مولانا عزیز الرحمن دیوبندی مولانا خلیل احمد۔ مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا عبد الرحمن پانی پتی۔ مولانا محمد گوہر علی۔ مولانا ریاست علیخاں مولانا محمد عبد الرحمن۔ مولانا محمد ارشاد حسین احمدی۔ مولانا محمد حبیب اللہ۔ مولانا محمد ریاست۔ مولانا محمد عبد الغفار۔ مولانا محمد عبد اللہ۔ مولانا ابو محمد عبد الحق اور مولانا محمد لطف اللہ نے فرمائی ہے۔

فتاوٰی علمائے حنفیہ کے صفحہ ۱۲۳-۱۲۴ پر اعلیحضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ درج ہے۔

رسالہ البلاغ المبین فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کی نظر سے نہ گزرا۔ نہ کبھی اس کا نام مصنفات شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں سنا اور اس کے مضامین کہ مولانا حبیب سلمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائے ہیں قطعاً رد یہ طائفہ نجدیہ ہیں۔ صراحتہً باطل۔ صدق سے عاطل۔ حق کے معارض تصانیف متواترہ شاہ صاحبؒ کے مناقض۔ ظاہر یہی ہے کہ اب کسی نے مدتوں سے خاندان شاہ صاحبؒ کا چراغ گل دیکھ کر یہ بلاغ المبین کی بلا ان کے سر باندھی چلو چال تو اچھی ہے۔ اگر جہاں پہ چال چل بھی جائے۔ رہا آخرت کا وبال۔ وہ کس نے دیکھی ہے۔ اب تو آرام سے گزرتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

بے حیا باش و آنچہ خواہی کن

عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ اور ان کے خاندان کے ساتھ جہاں ان ظالموں نے یہ سلوک روا سمجھا کہ کتابیں لکھ کر ان کے نام سے چھاپ دی جائیں وہاں ان کی کتابوں میں اپنی مرضی کی عبارتیں بھی داخل کر دیں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تصانیف پر علمی و تحقیقی کام کرنے والوں نے جگہ جگہ اس ظلم کی نشاندہی کی ہے۔ حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی تصنیفِ لطیف "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" میں نے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور تاویل الاحادیث۔ ہمعات۔ عقد الجید کے علاوہ شاہ عبدالعزیزؒ کے تحفہ اثنا عشریہ اور تفسیر فتح العزیز وغیرہ میں الحاقات اور اضافوں کو ثابت کیا ہے اور کتب خانہ رام پور سے ملنے والے مخطوطے "سانگیت شاستر" کو عضد الدین خاں کے علی الرغم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تصنیف تسلیم نہیں کیا۔ عبدالرحیم ضیا۔ شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ قرآن کو نا تمام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی (مقالاتِ طریقت) حکیم محمود احمد برکاتی نے مولانا عبدالحلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالے کے حوالے سے شاہ رفیع الدینؒ کے رسالہ "تنبیہ الغافلین" کے ترجمے میں اضافوں کی نشاندہی کی ہے۔ عاشق الٰہی میرٹھی نے مولانا رشید احمد گنگوہی کی سوانح "تذکرۃ الرشید" کے صفحہ ۱۴۳ (حصہ اوّل) پر شاہ اسحاق کے فتوے پر شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی مہر کا تذکرہ کیا ہے۔

جس شخص نے بھی ارشاداتِ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا ہے اُسے "تفہیماتِ الٰہیہ" کی بہت سی عبارتوں کے الحاق اور محرّف ہونے کے بارے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے میں، جب شاہ صاحبؒ کی تحریروں میں تحریفات کی گئی ہوں جعلی کتابیں ان کے نام منسوب کی گئی ہوں۔ ضرورت ہے کہ ان کے اصلی خیالات کو عوام و خواص تک پہنچایا جائے اس مقصد کے لئے "انفاسُ العارفین" کی اشاعت ایک قابلِ تحسین فعل ہے۔ اللہ کریم ناشر کو جزائے خیر دے۔

راجا رشید محمود۔ ایم اے
دو۔ پنجاب ٹیکسٹ بُک بورڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اہلِ بصیرت پر پوشیدہ نہیں کہ "حکایات المشائخ جنود من جنود اللہ" (اللہ کے لشکروں میں سے لشکر ہے) کے قول کے مطابق صوفیہ مشائخ کے اقوال و احوال جو کرامت و استقامت کو حاوی ہیں اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہیں، مبتدیوں کو شوق و رغبت دلاتے ہیں۔ پختہ کاروں کے لئے دستور و میزان ہوتے ہیں خصوصاً اولاد و اخلاف کے لئے آباؤ اجداد کے حالات سننے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات صاحب صلاحیت کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے اور اسے کسی مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ اور انصاف پسند شخص کو اپنی غلطی سے آگاہ کرتی اور توبہ کا دروازہ اس پر کھول دیتی ہے۔ ان امور کا لحاظ کرتے ہوئے فقیر حقیر ولی اللہ (اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرمائے اور سلف صالحین کے ساتھ ملائے) نے ارادہ کیا کہ اپنے والد بزرگوار قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، صاحب کرامات جزیلہ اور مقاماتِ جلیلہ سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم (اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے) کے عجیب واقعات و حکایات اور نادر کرامات و تصرفات میں سے کچھ فوائد جو کہ آپ اور آپ کے مشائخ کرام سے ظہور پذیر ہوئے نیز طریقت و حقیقت کے رموز و نکات جو ان بزرگوں کے سینوں کی زمین نے الہام کے بادلوں سے قبول کئے اور سالکانِ طریقت کی ہدایت کے لئے مجالس صحبت اور گوشہ ہائے خلوت میں جو اقوال اور ملفوظات ان کی زبان گوہر فشاں سے ہوئے اور راقم الحروف کے حافظے نے کماحقہ محفوظ کیا۔ حیطۂ تحریر میں لائے۔

علاوہ ازیں اہلِ ذوق و وجد کے پیشوا، اربابِ معرفت و شہود کے امام حلقۂ عارفین کاملین کی آنکھ کی پتلی خدائے بے نیاز کے ساتھ وابستہ اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار سیدنا و مولانا ابو رضا محمد قدس سرہٗ الامجد کے معارف سے اس احقر کے نزدیک نقل صحیح سے ثابت ہوتی ہیں کی تحریر میں مشغول ہوں ان دو اہم مقاصد سے فراغت کے بعد ان بزرگوں کے مختصر حالات بھی بیان کروں جن کے ساتھ اس فقیر کو قرابت یا شاگردی

کا کچھ تعلق رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اہلِ زمانہ عموماً اور اس خاندان کے لوگ خصوصاً ان سے مستفیض ہوں اور راقم الحروف کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میں نے کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام "انفاس العارفین" رکھا ہے۔ میں نے پہلے دو مقاصد میں سے ہر ایک علیٰحدہ رسالہ کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ ایک کا نام "بوارق الولایہ" اور دوسرے رسالہ کا نام "شوارق المعرفۃ" رکھا ہے۔ تیسرا حصہ پانچ مقامات پر مشتمل ہے۔ **الامداد فی مآثر الاجداد** ۔ مصنف کے خاندان کے حالات (۲) عطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ (شیخ محمد پھلتی کے حالات) (۳) النبذۃ الابریزیہ فی لطیفۃ العزیزیہ (مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات) (۴) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۵) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ۔ خاکسار خدا سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مقامات کو نیک بندوں کے لئے باعثِ تسکین بنائے۔ بے شک وہ قریب ترین اور سمیع ہے۔ وہی میرے لئے کافی اور بہترین ساتھی ہے۔

حصّہ اوّل

جناب کرامت مآب قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین سیّدنا و مولانا شیخ عبد الرحیم رضی اللہ عنہ کے عمدہ اور عجیب تصرفات و واقعات اور واردات قلبی کے بیان میں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی نور قلوب العارفین بلطائف الواردات والتجلیات و ملاء صدورھم بذوارف العوارف وشرائف المعارف من دقائق الاسماء والصفات واعطاھم مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب احد سوی اولئک الاحرار الثقات فاحاطت بھم من بین ایدیھم ومن خلفھم ومن فوقھم ومن تحتھم انواع الانواع وصنوف البرکات ونطقت السنتھم بما اضاھم علی العامین طریق السلوک والوصول من غوامض الحکم والاسواء ونوادر الانفاس والکلمات فظھر علی ایدیھم ما میزھم من سائر البشر من قوارع الخوارق ونفائس الایات والکرامات فسبحان من یھب مایشاء لمن یشاء لامانع الحکمہ ولارادلقضائہ لہ المحامد ولہ التحیات واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ شھادۃ من علیھا محیا والممات صلی اللہ وعلی الہ واصحابہ نجوم الھدیٰ وقادۃ التقی مادامت الارض والسمٰوات۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر ولی اللہ عفی عنہ یہ چند کلمات قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین، صاحب کرامات جزیلہ و مقامات جلیلہ سیدنا و مولانا حضرت والد بزرگوار شیخ عبد الرحیم قدس سرہ العزیز کے اقوال و احوال و واقعات و تصرفات پر مشتمل نے اس کا نام بوارق الولایۃ رکھا ہے۔ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وہی بدی سے باز رکھتا اور نیکی کی توفیق دیتا ہے۔

والد بزرگوار کی ابتدائی حالت۔ فرماتے تھے مجھے آغاز کار میں شیخ رفیع الدین کے مزار سے الفت پیدا ہو گئی۔ میں وہاں جاتا تھا اور ان کی قبر کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ بسا اوقات مجھ پر بے خودی طاری ہو جاتی کہ سردی وگرمی کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

تقسیم وراثت فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدین نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے گھر کا سامان جمع کیا اور اپنے وارثوں میں تقسیم کر دیا اپنی اولاد میں سے ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق دیا۔ جب ان کی سب سے چھوٹی اولاد شیخ عبد الرحیم کی والدہ کی نوبت آئی تو انہیں مشائخ کرام کا شجرہ، اوراد اور فوائد طریقت پر مشتمل ایک رسالہ عنایت فرمایا۔ شیخ کی بیوی نے کہا یہ بچی شادی شدہ نہیں ہے۔ اسے ان رسائل تصوف کی بجائے جہیز دینا چاہیئے، فرمایا یہ رسائل ہمیں بزرگوں سے وراثت میں ملے ہیں۔ اس بچی کا ایک فرزند ہوگا جو ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ہوگا۔ یہ روحانی میراث اس کو دیں گے۔ لیکن اسباب تزویج تو وہ خدا تعالیٰ خود مہیا فرما دیں گے ہمیں اس کا کوئی غم نہیں۔ ایک مدت کے بعد جب میں (شاہ عبد الرحیم) پیدا ہوا اور سمجھ دار ہو گیا تو خدا تعالیٰ نے ہماری جدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ انہوں نے وہ رسائل مجھے دے دیئے۔ میں ان رسائل سے مستفیض ہوا۔ پھر وہ گم ہو گئے۔ اگرچہ بشارت کا لفظ مشترک تھا لیکن ان رسائل سے نفع اندوزی نے اس بشارت کی تفسیر کو متعین کر دیا۔ کیونکہ مخدومی شیخ ابو الرضا ان دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے اور برادرم عبد الحلیم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات فرماتے تھے کہ میرے ماموں شیخ عبد الحی نیک مرد تھے۔ دنیا سے روگرداں اور اپنے بزرگوں کے راستہ پر گامزن تھے اور اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں تھے لیکن وہ ان سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اس چیز کو دیکھ کر وہ مغموم رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز انہوں نے مجھے دیکھا کہ باوجود صغر سنی کے میں نے اپنی دستار اُتار کر زانو پر رکھی ہوئی تھی اور سنن و مستحبات کی پوری اطاعت سے اچھی طرح وضو کر رہا تھا وہ بہت زیادہ خوش ہوئے خدا تعالیٰ کی حمد کہی اور کہا جب میں نے اپنی اولاد میں تربیت کا کوئی اثر نہ دیکھا تو میں ڈرا

کہ ہمارے بعد اسلاف کا راستہ ہمارے خاندان سے منقطع ہوجائیگا۔ اب معلوم ہوا کہ اس کا پیروکار ہمارے خاندان میں ہے۔ اگر وہ اولاد میں سے نہیں ہے تو کوئی غم نہیں۔ ہماری لڑکی سے تو ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ پیروی اسلاف یہ ہے کہ ہر صدی کے بعد طریقۂ چشتیہ کا حامل چلا آتا تھا اور اکثر اوقات پہلے آنے والا بزرگ بعد میں آنے والے کی بشارت دیتا تھا۔ یہ طویل قصہ ہے۔

بلند ہمتی

فرماتے تھے میری عمر نو یا دس سال کی تھی سلسلہ نقش بندیہ کے ایک بزرگ خواجہ ہاشم نامی بخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلہ میں قیام فرمایا اور مجھ پر بہت نظر کرم رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا مجھے ایک ایسا درود شریف معلوم ہے کہ جو شخص اسے پڑھے دولتمند ہوجاتا ہے۔ میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے منقطع تھا۔ میں نے کہا مجھے خداتعالیٰ میرے والد بزرگوار کے توسط سے ضرورت کی چیزیں پہنچا دیتا ہے۔ مجھے زیادہ کی ضرورت نہیں، خاموش ہوگئے۔ چند روز کے بعد پھر فرمایا ہمارے پاس بزرگوں سے ایک ایسی دعا پہنچی ہے کہ اگر ہم مجذوم پر دم کریں تو وہ صحت یاب ہوجاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ خداتعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے محفوظ رکھا ہے، اور اگر مجھے کوئی جذام والا ملا تو میں اسے آپ کی طرف راہنمائی کروں گا۔ انہوں نے سکوت فرمایا۔ چند روز کے بعد فرمایا درود اور دعا سے ہمارا مقصد تمہیں شکار کرنا تھا کیونکہ تم بلند استعداد رکھتے ہو، معلوم ہوا کہ تم بہت ہی بلند ہمت ہو۔ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ صوفیہ کے اشغال میں سے کوئی شغل اختیار کرو۔ میں نے عرض کیا دل و جان سے حاضر ہوں مجھے انہوں نے شغل انتساب تلقین کیا یعنی اسم ذات ہمیشہ کاغذ یا تختی پر لکھنا چاہیئے تاکہ کثرت ملابست کی وجہ سے قوت متخیلہ میں مستحکم ہوجائے میں نے یہ شغل اختیار کیا تو یہ مجھ پر غالب آیا۔ ان دنوں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھا کرتا تھا۔ میں نے حاشیہ ملا عبدالحکیم لکھنا چاہا۔ ایک جز کے مقدار اسم لکھتا رہا لیکن مجھے اس کا کوئی شعور نہیں تھا۔

فیض رسالت کی اثرانگیزی

فرماتے تھے میں بارہ یا تیرہ سال کا تھا کہ میں نے حضرت زکریا علی نبینا و علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ مجھے آپ نے اسم ذات کی تلقین

فرائی۔ قوت نبوی سے اس قدر تاثیر ہوئی کہ اس عمر میں با وجود تحصیل علم میں مشغولیت اور ذکر کی طرف کم توجہ ہونے کے اس طرح ظہور پذیر ہوتا تھا کہ قوی الطلب لوگوں سے مشاہدہ نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ کو میں نے خواب میں دیکھا فرمایا بیٹا! کسی کے ہاتھ میں دست ارادت نہ دینا یہانتک کہ حضرت خواجہ تمہیں قبول فرمائیں پھر تمہیں اختیار ہے۔ میں نے اس خواب کو خواجہ خرد کی خدمت میں بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی اور عرض کیا کہ آپ کے سوا اس شہر کے مشاہیر میں سے کوئی خواجہ کے لقب سے ملقب نہیں فرمایا تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات کی بیعت میسر آئے گی کیونکہ اس فقیر کا مرتبہ اس سے بہت فروتر ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز خواجہ کے لقب سے تعبیر کریں۔ فقیر کو اسی طرح یاد ہے اور بعض دوست عبدالعزیز کی بجائے خواجہ نقشبند کا ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے اس کے بعد میں اس حقیقت کا منتظر تھا اور درود شریف پڑھنے میں بہت زیادہ مصروف رہتا تھا۔ ایک رات میں درود شریف پڑھ رہا تھا کہ چاند کے نور کی مانند ایک نور ظاہر ہوا۔ حالانکہ چاند کی رات نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے زمین پر پھیلنا شروع کیا پھر میری چارپائی اور میرے جسم پر آیا۔ جب تک وہ میرے سر سے نیچے تھا مجھ میں پورا ذوق و شوق تھا۔ جب وہ میرے سر پر آیا میں بے ہوش ہوگیا۔ بظاہر میرا وجود مفقود ہوگیا۔ واللہ اعلم کہ میرے والد نے مجھے تلاش کیا میں انہیں نہ ملا۔ اس وجہ سے وہ بہت بےچین و بے قرار ہوئے۔ میں اسی غیبوبت کے دوران یکے بعد دیگرے آسمان طے کرتا ہوا ان کے اوپر پہنچا۔ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حضوری حاصل ہوئی اور آپ نے میری بیعت قبول فرمائی اور مجھے نفی و اثبات کی تلقین فرمائی اس کے بعد افاقہ ہوگیا۔ چند دنوں کے بعد میں نے خواجہ خرد کی خدمت میں عرض کیا جو مقصد تھا وہ حاصل ہوگیا۔ اب میری اصلاح کی کیا صورت ہے۔ فرمایا۔ ظاہر میں بھی کسی سے بیعت ہونا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا میں تمہیں بہت دوست رکھتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری بیعت میرے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ دوستی، بیعت نہ کرنے کا

سبب کیوں ہے۔ فرمایا وجہ یہ ہے کہ بعض ممنوعہ امور کا مرتکب ہوتا ہوں اور اتباع سنت میں سستی کر جاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ ربط کی وجہ سے شرع کے راستے سے تمہارے قدم ڈگمگا جائیں لیکن مجلس میں فیض کیسے کسی قسم کا دریغ نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا جس سے آپ فرمائیں بیعت ہو جاؤں۔ فرمایا اگر شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے کوئی ہو تو بہت مناسب ہے کیونکہ وہ شریعت کی پابندی، ترکِ دنیا اور تہذیب نفس میں اونچا مقام رکھتے ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں ہیں میں نے عرض کیا ہمارے پڑوس میں آپ کے خلفاء میں سے عبداللہ قیام پذیر ہیں، فرمایا، غنیمت ہیں ان سے تعلق کر لینا چاہیئے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجودیکہ ان پر علیحدگی اور تنہائی کا غلبہ تھا، پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے بیعت قبول فرمالی۔ اس کے بعد خواجہ خرد اور سید عبداللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور فیض صحبت حاصل کرتا رہا۔

قانونِ فطرت فرماتے تھے کہ شغل اسم ذات جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا۔ کا مجھ پر غلبہ تھا اور اس سے مجھے بڑی لذت حاصل ہوتی اور میں نفی و اثبات نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کرتا تو لذت حاصل نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے میں بہت شرمندہ تھا۔ میں نے سید عبداللہ سے اس کے علاج کی درخواست کی۔ آپ نے چند مرتبہ توجہ فرمائی۔ کوئی فائدہ نہ ہوا۔ فرمایا وہ چیز جو انبیاء کے انفاس طیبہ سے مستحکم ہوئی ہو ہم اسے تبدیل نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف متوجہ ہو اس کا علاج وہاں سے ہوگا۔ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی تو مجھ پر نفی و اثبات کا شغل جاری ہو گیا اور میرے لئے بہت آسان ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس عمر میں ایک سانس میں دو سو بار کہتا اور کسی طالب میں میں نے ایسا جذب و کشش باوجود تحصیل علم اور دوسرے موانع کے نہیں دیکھا۔

ذکر حضرت حافظ سید عبداللہ قدس سرہٗ۔

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہ دراصل قصبہ کھڑی کے رہنے والے

تھے جو بارہہ کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیڑی کو وطن بنا لیا تھا کم عمری میں ہی ان کے والدین فوت ہو گئے تھے۔ ان کے دل میں اسی وقت سے خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جگہ جگہ اولیاء اللہ کی تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے جو علم قرأت میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اور صحرا کی ایک مسجد میں اپنا وقت گذار رہا تھا۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے فارغ انتہائی متوکل تھا۔ سید صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہ حق طلب کرنے لگے۔ انھوں نے سید صاحب سے فرمایا۔ تمہاری تلقین و ہدایت ایک دوسرے بزرگ سے وابستہ ہے۔ جہاں تم انشاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ حفظ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجئے۔ چنانچہ سید صاحب اسی جنگل میں مدت تک ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا۔ ان کے فیض صحبت سے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کے آداب سیکھے اور نفس و شیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی کے انداز سیکھے۔

سماعت قرآن کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

فرماتے تھے ایک روز وہ بزرگ اور حضرت سید عبداللہ صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے۔ کہ کچھ لوگ عرب صورت سبز پوش گروہ در گروہ ظاہر ہوئے۔ ان کے سردار نے مسجد کے قریب کھڑے ہو کر ان قاریوں کی قرأت کو سنا اور کہا۔ "بارک اللہ ادیت حق القرآن"۔ اور مراجعت فرمائی ان عزیزوں کی عادت تھی کہ قرآن مجید پڑھتے وقت آنکھیں بند کر لیتے تھے اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے جب سورہ ختم کر لی تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ تھے ان کی ہیبت سے میرا دل کانپ اٹھا لیکن قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے میں کھڑا نہیں ہوا۔ سید عبداللہ نے کہا کہ اس اس قسم کے لوگ تھے جب ان کا سردار پہنچا تو میں بیٹھا نہ رہ سکا۔ میں نے اٹھ کر ان کی تعظیم کی۔ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور آدمی اسی وضع کا آیا اور کہا۔ گذشتہ رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اور اس حافظ کی جو اس جنگل میں ٹھہرا ہوا ہے تعریف فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ علی الصبح میں اس سے ملوں گا اور اس کی قرأت سنوں گا۔ آپ تشریف لائے تھے یا نہیں اور اگر تشریف لائے تھے تو

کہاں گئے۔ ان دونوں نے جب یہ بات سُنی تو دائیں بائیں بھاگے لیکن کوئی نشان نہ ملا۔ راقم الحروف کا گمان ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد مدت دراز تک اس جنگل سے خوشبو آتی تھی۔

مجاہدۂ نفس فرماتے تھے جب میں حفظ قرآن سے فارغ ہوگیا۔ انھوں نے اجازت دے دی کہ جہاں کہیں صاحب ولایت ہو اس کی خدمت میں چلے جاؤ اور پوری کوشش سے اس کی خدمت کرو۔ وہ پھرتے پھراتے سامانہ میں شیخ ادریس سامانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور وہ متوکل تھے۔ آمد و رفت کا دروازہ بند کئے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے گزارہ کرتے تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے درخواست کی گئی تو انھوں نے فرمایا فقراء بہت ہیں کسی کے پاس چلے جاؤ۔ میرے پاس تو صرف وہی شخص ٹھہر سکتا ہے جو خورد و نوش اور خلق کی آمیزش سے پورے طور پر منقطع ہو چکا ہو۔ اور حاجت ضروریہ کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔ حضرت حافظ نے یہ تمام شرائط قبول کرلیں اور ان کی خدمت میں راہ سلوک طے کرنے لگے۔ اور مردوں کے آئین کے مطابق اس اختیاری موت پر صابر بلکہ خوش تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شیخ کی توجہ ان کی طرف بہت ہوگئی۔ اسی اثناء میں شیخ کا لڑکا ان سے قرآن مجید حفظ کرنے لگا۔ اس اعتبار سے شیخ کی توجہ اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور وہ بھی شیخ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ حضرت حافظ فرماتے تھے ان دنوں میری عادت تھی کہ استنجا کے ڈھیلے فقراء کے لئے پتھر سے صاف کرتا تھا۔ ایک روز اس چیز کو دیکھتے ہوئے مجھ میں عجب اور سرور پیدا ہوا۔ شیخ کو اس بات کا علم ہوگیا۔ فرمایا میرے چہرہ اور جسم پر تم تبدیلی دیکھتے ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ انہوں نے فرمایا۔ ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا۔ استنجا کے ڈھیلوں کو اپنے چہرہ اور جسم پر رگڑ کر صاف کرتا تھا جس سے مجھے بڑا مزہ آتا یہ ان ہی زخموں کے نشان ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ میں شیخ اور انکے گھر والوں کے کپڑے پنجشنبہ کے روز نہر پر لے جاتا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تاکہ جمعہ کی نماز میں دھلے ہوئے سفید کپڑے زیب تن کریں۔ ایک پنجشنبہ کے روز میں فاقہ سے تھا حسب دستور کپڑے

نہر پر لے گیا اور لوگوں سے الگ ایک جگہ کپڑے دھونے میں مصروف ہوا۔ جب دھوپ تیز ہو گئی بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا تو میں بے ہوش ہو گیا۔ اس وقت ایک برقع پوش آدمی میرے پاس پہنچا۔ اس نے مجھے اٹھایا اور برقعہ کے نیچے سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور فرمایا۔ کیا تو نے نہیں پڑھا۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔ میں ڈرا کر شیطان نہ ہو جو مجھے دھوکا دے رہا ہو۔ میں نے اس کے ہاتھ سے روٹی نہ لی۔ اسے میرے اس خیال کا علم ہو گیا۔ اس نے کہا یہ خیال مت کرو۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا اندیشہ جاتا رہا۔ میں نے روٹی لے کر پیٹ بھر کر کھائی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نہر کا پانی گرم ہے۔ کاش ٹھنڈا پانی یہاں ہوتا جسے میں پیتا۔ وہ میرے اس خیال سے بھی مطلع ہوا۔ برقعہ کے نیچے سے ٹھنڈے پانی کا پیالہ نکالا۔ اور مجھے دیا میں نے ٹھنڈا پانی سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں لایا مجھے دیکھتے ہی فرمایا سید خضر کے ہاتھ سے تم نے روٹی لے لی۔ محمدیوں کو خضر کا احسان نہیں اٹھانا چاہیئے۔

بے خودی

فرماتے تھے ایک مرتبہ خواجہ ادریس اپنے حجرہ میں خدا تعالیٰ کی یاد میں مستغرق تھے۔ گھر والوں کی عادت تھی کہ ہر سال اس مکان میں جانوروں کے لئے گھاس پھوس وغیرہ ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً اس وقت بھوسہ وغیرہ ڈالنا شروع کیا۔ انہیں شیخ کی مصروفیت کا علم نہیں تھا۔ شیخ بھی انتہائی عالم استغراق میں تھے انہیں بھی کوئی احساس نہ ہوا۔ انہوں نے اس حجرہ کو بھر کر اس کا دروازہ بند کر دیا جب زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے شیخ کو تلاش کیا مسجد میں تلاش کیا۔ نہ ملے۔ آنے جانے والے سے پوچھا کوئی خبر نہ ملی۔ وہ مایوس ہو کر تلاش چھوڑ بیٹھے۔ چھ ماہ بعد جانوروں کے چارہ کی انہیں ضرورت ہوئی حجرہ کا دروازہ کھول کر گھاس وغیرہ کو باہر نکالا۔ آخر کار نکالنے والے کا ہاتھ شیخ پر پڑا۔ وہ چوکنا ہوا کہ یہاں کوئی آدمی ہے۔ جب انہوں نے اچھی طرح دیکھا تو شیخ کو پہچان لیا۔ لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ اس وقت شیخ کو بھی افاقہ ہوا۔ ان کو نہ تو دراز سی مدت کی کوئی خبر تھی اور نہ ہی ان کے جسم پر نہ کھانے کا کوئی اثر تھا اور یہ عجیب واقعات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

راستہ کی الجھن

سننے میں آیا ہے کہ شیخ بزرگوار حضرت احمد سرہندی کے کمالات مشہور ہوئے۔ شیخ ادریس نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ میں

اگر زمین کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو وہ مجھے دکھائی نہیں دیتی اور اگر آسمان کی طرف دیکھتا ہوں۔ تو وہ بھی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح عرش، کرسی، بہشت اور دوزخ کا وجود بھی مجھے نہیں ملتا۔ اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ اور اپنا وجود بھی نہیں پاتا اور حق تعالےٰ کا وجود بے پایاں ہے۔ اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا۔ بزرگوں نے بھی یہاں تک بیان کیا ہے اور اس جگہ پہنچ کر سیر سے عاجز آگئے ہیں۔ اگر آپ بھی اس کو کمال سمجھتے ہیں تو فبہا اور اگر کوئی دوسرا کمال اس کے علاوہ ہے تو مجھے اطلاع دیں تاکہ ہم دوسرے ملک میں جہاں زیادہ طلب ہو وہاں جائیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رح نے لکھا۔

جواب مجدد۔ مخدوما۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے حالات "تلون قلب" کا نتیجہ ہیں مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا ابھی اسے تین حصے اور طے کرنے چاہئیں۔ تاکہ معاملہ قلب کو مکمل طور پر طے کر کے سمجھ سکے۔ مقام قلب سے گزرنے کے بعد مقام روح آتا ہے۔ مقام روح سے آگے مقام سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقام سر کو طے کرنے کے بعد مقام خفی تک پہنچتا ہے تب اس پر مقام اخفی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ان چار حصوں کے علاوہ دل پر کچھ اور اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں جن کے احوال و کیفیات جدا جدا ہیں ان تمام کو فرداً فرداً طے کرنا چاہیئے۔ (آخر مکتوب تک)

اس کے بعد شیخ ادریس کو شیخ احمد سرہندی کی ملاقات کا شوق ہوا اور ان کی مجلس میں حاضری کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن بعض موانعات کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور شیخ احمد سرہندی کا زمانہ ارشاد ختم ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے دوست سے مراد سید عبداللہ شاہ ہوں۔ میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ حضرت والد صاحب اس قصہ کو آدم بنوری کے متعلق بیان کرتے تھے فرماتے تھے کہ شیخ ادریس نے شیخ بنوری کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ مجھے ہر چیز میں خدا دکھائی دیتا ہے۔ اور اس نور پاک سے در و دیوار بھر پور پاتا ہوں۔ شیخ آدم نے جواب دیا کہ عمدہ اور عجیب حالت ہے لیکن کاملین کے مقابلہ میں کوچہ تنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ شاہراہ عظیم ابھی درپیش ہے۔ اس کے بعد ان پر شیخ آدم کی ملاقات کا شوق غالب آیا لیکن انہی دنوں بیمار ہو گئے اور رحمت خداوندی کے سایہ میں چلے گئے۔ سید عبداللہ اسی واقعہ کی بنا پر ان کی

وفات کے بعد حضرت شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معلوم نہیں کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو غلطی سے ذرا تبدیل ہو گیا ہے یا یہ کوئی دوسرا قصہ ہے

حاصل کلام سیّد عبداللہ شیخ آدم قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے، سید صاحب نے انہیں شیخ عالی مقام، متشرع عظیم عارف اور قوی التاثیر پایا۔ ان کے طریقہ کو پسند کرتے ہوئے اِدھر اُدھر کی آمد و رفت کو چھوڑ کر مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔

واضح رہے کہ سید عبداللہ کے چچا یا چچازاد بھائی جن کا نام سید عبدالرحمٰن تھا بہت خوشحال تھے۔ اور وہ بڑے امراء میں شمار ہوتے تھے اور انتہائی دیندار تھے۔ حضرت والد ماجد ان کی دینداری کا بہت ذکر فرمایا کرتے تھے۔ وہ بھی شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ اسی لئے شیخ کے انتقال کے بعد سید عبداللہ ہمیشہ سید عبدالرحمٰن کے ساتھ رہتے تھے اور آپس میں بہت محبت رکھتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ عفیف و پاک دامن تھے۔ زندگی بھر شادی نہیں کی تھی محلہ کشک نرور میں سید عبداللہ کے قیام کا سبب سید عبدالرحمٰن کی رفاقت تھی۔ شیخ آدم کے تمام مکتوبات جو سید عبداللہ کے نام لکھے گئے۔ سید عبدالرحمٰن کا نام بھی ساتھ ملتا ہے۔ شہادت کے طور پر شیخ آدم کے دو مکتوب بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ اجمعین الاکرمین۔ اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی کاموں میں اپنی رضا کے مطابق خالص مخلص جمعیت عطا فرمائے۔

زاں یار دلنوازم شکر یست نے شکایت — گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو ایں شکایت

یہ فقیرانہ سلام نامہ برادران معنوی کی خدمت میں بطریقِ انتباہ مطالعہ سے گزرے کیونکہ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہو گا۔ اللہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور اس سے راہ راست اور رشد و ہدایت کی توفیق اس کے حبیب، آل اطہار، اصحاب کبار اور تابعین ذی وقار کے طفیل حاصل ہوتی ہے۔ ان سب پر صلوٰۃ و سلام ہو۔ یہاں کے تمام احباب کی طرف سے برادرانہ تعلیمات قبول فرمائیے۔ سیادت پناہ سید عماد حافظ

عبداللہ اور حافظ عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہ اجمعین الاکرمین۔ برادرانِ طریقت سیادت پناہ توفیق آثار سید عماد و حافظ عبدالرحمٰن سلام فقیرانہ کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے حالات لائقِ حمد ہیں اور آپ بھائیوں کی سلامتی اور استقامت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ علاوہ ازیں آنجناب کا ایک گرامی نامہ جو اخلاق سے پُر تھا۔ بارہہ سے اور دوسرا حافظین (حافظ عبداللہ و حافظ عبدالرحمٰن) کی طرف سے اکبر آباد سے پہنچا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آپ لوگ صحت و سلامتی سے ہیں۔ اور فقیروں کی یاد سے بھی غافل نہیں۔ بہر حال مجھے توقع ہے کہ یہ اخلاص دونوں جہان کی سعادت کا باعث ہوگا۔ اللہ کے فضل و احسان سے۔ اے بھائی! وقت گزرتا جا رہا ہے۔ صدق دل سے گریہ وزاری اور دعا ضروری ہے۔ تاکہ حق تعالیٰ باقی عمر اس دارِ فانی میں ضائع ہونے سے بچائے۔

فرماتے تھے کہ سید عبداللہ فرماتے تھے کہ آغاز میں جب میں شیخ آدم کی خدمت میں پہنچا میرا دل روحانی نسبت سے بالکل خالی ہو گیا اور جمعیت میں مکمل فتور مشاہدے میں آیا میں پریشان ہو گیا۔ میں نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا پہلی نسبت سرکہ کا حکم رکھتی تھی اور وہ جمعیت جو ہماری صحبت سے حاصل ہوگی گلاب کی مانند ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب بوتل میں سرکہ ہو اور اس میں گلاب ڈالنا چاہئیں تو پہلے اس بوتل کو سرکہ سے خالی کیا جاتا ہے اور اسے دھو کر سرکہ کا اثر اور وجود ختم کرایا جاتا ہے تب وہ گلاب ڈالنے کے قابل ہوتی ہے۔

حضرت والد ماجد شیخ آدم بنوری کی اولاد میں سے کسی سے نقل فرماتے تھے کہ سید عبداللہ شیخ آدم کی صحبت کے زمانہ میں ایک روز درخت کے نیچے آنکھیں بند کئے پوری جمعیت سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ اس درخت سے بہت سی چڑیاں مر کر گر پڑیں اور بعض ماوراء النہر کے لوگ جو حضرت شیخ کی بیعت کے لئے آئے ہوئے تھے تمام ذوقِ سماع سے وجد میں تھے

کسی شخص نے شیخ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے آکر کہا، حافظ بس کر، انہوں نے آنکھیں کھولیں اور احتراماً کھڑے ہوئے اور پڑھنا بند کر دیا۔

قرآن کی اثر آفرینی

حضرت والد ماجد فرماتے تھے جب سید عبداللہ قرآن مجید پڑھتے تھے تو مسجد میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ذوقِ سماع سے سر جھکائے ہوئے نہ ہو۔ ایک مرتبہ دارا شکوہ کے نو قاری ان کے لئے آئے ہر ایک نے ایک قاعدہ جیسے وقف، مد، تفخیم، ترقیق اور برملوں وغیرہ منتخب کر لیا اور ان نے قرآن پڑھنے کی درخواست کی۔ فرمایا ایک دور کو ع کہو تو ابھی پڑھ دوں اور اگر توقف کرو تو دو پارے نمازِ ضحیٰ کے بعد پڑھونگا، توقف کیا۔ ان دو سیپاروں میں انہیں ہرگز بحث و اعتراض کی گنجائش نہ ملی۔ قرأت سے فراغت کے بعد حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ لوگ قرأت سبعہ اس طرز پر پڑھتے ہیں کہ ہر لفظ کو چند انداز سے پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ایک بار بطریق عاصم تلاوت کی جائے کہ دوسرے کا طریقہ اس میں بالکل نہ ہو اور دوسری بار ابو عمرو کے طریق پر تلاوت کرے اور دوسرے کو اس میں نہ ملائے علیٰ ہذا القیاس تمام قاری عاجز آگئے۔

مفہوم کرامت

فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب سے یہ نکتہ میں نے کئی بار سُنا کہ کمغش۔ بر سر کشف، یعنی استقامت کا اعتبار ہے۔

کرامت کا نہیں، فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ اخفاء اور خمول تھا۔ اور لوگوں میں عام لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ کسی سے ہرگز کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یتیموں اور بیواؤں کے دروازوں پر جاتے اور ان کی خدمات مثل پانی لانا غلہ خریدنا وغیرہ کیا کرتے تھے۔ اور اکثر ہوتا ہوتا تھا کہ بوڑھی عورتیں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب یہ کام اپنے ذمہ لے لیتے اور فرماتے کہ اپنے آقا کو یہ بات مت بتانا وہ تمہیں تکلیف دیں گے۔

باوجود اس گمنامی کے شیخ آدم بنوریؒ کے فیض یافتگان جیسے عبداللہ کہاتی جن کا لقب حاجی بہادر تھا، شیخ بایزید اور اس قسم کے دوسرے لوگ حضرت سید کی انتہائی تعظیم

کرتے تھے۔

والد صاحب فرماتے تھے، سید عبداللہ فرماتے تھے کہ آغاز سلوک میں میں ایک مجذوب کے پاس گیا جو ہمیشہ بازاروں میں برہنہ پھرتا تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا میں اس کے پیچھے چلا جب ہم بستی سے باہر نکل آئے وہاں ایک بوڑھی عورت لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ اس مجذوب نے اس کی اوڑھنی لے کر ازار باندھا اور میری طرف متوجہ ہو کر اسلام علیکم کہا، پھر کہا میں برہنہ تھا مجھے آپ سے شرم آئی تھی۔ آپ نے میرا پیچھا کیوں کیا۔ میں نے کہا میں جانتا تھا کہ تمہاری عادت ہی ایسی ہے۔ اس نے کہا بستی کے لوگ چوپائے ہیں۔ اولئك كالانعام بل هم اضل سبيلا۔ میں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ جب کوئی صاحب دل آجاتا ہے تو لباس پہن لیتا ہوں۔

والد بزرگوار فرماتے تھے کہ سید فرماتے تھے کہ جب شیخ آدم قدس سرہٗ نے حج کا پختہ ارادہ کر لیا میں نے بھی ساتھ جانے کے عزم کا اظہار کیا۔ آپ نے اجازت نہ فرمائی اور مجھے رخصت کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ مالدار رفاقت کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں فقیر جو کہ شادی شدہ نہیں ہے اور کسی کے خرچ کا ذمہ دار نہیں کیوں محروم رہ گیا۔ فرمایا، تمہارا بانا حکمت کی وجہ سے ہے جو تمہیں معلوم ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری تربیت تھی۔

والد صاحب فرماتے تھے، سید فرماتے تھے کہ تم بچہ تھا اور بچوں میں کھیلتا تھا ہماری طبیعت تمہاری طرف مائل ہوتی تھی۔ میں دعا کرتا تھا کہ خداوندا! اس بچہ کو ولی بنا دے اور میرے ہاتھ سے کمال ظاہر کر۔ الحمد للہ اس کا نتیجہ برآمد ہو گیا۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ سید کبھی بھی مجھ سے خدمت طلب نہیں کرتے تھے اگر میں خدمت کرنا چاہتا تو کسی بہانے سے روک دیتے تھے۔ ایک رات اس عمل سے میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس خیال کے اظہار کے لئے میں ان کے حجرے میں چلا گیا گرمی کا وقت تھا۔ کپڑے بدن سے اتار رکھے تھے مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور فرمایا میرے جسم سے میل اتار دو۔ میں انتہائی خوشی سے جسم کی میل اتارنے لگا۔ اسی اثنا میں فرمایا،

تمام ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کام دو انگلیوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے دو انگلیوں پر اکتفا کی۔ پھر فرمایا راہِ طریقت میں خدمت لینے کی جو شرط تھی وہ پوری ہو گئی، آئندہ ایسے اندیشہ کو دل میں راہ نہ دینا کیونکہ میں نے اپنی طرف سے صحبت ظاہر و باطنی کے تمام حقوق تمہیں معاف کر دیتے ہیں۔

سید صاحب ایک بزرگ سے جو شیخ آدم بنوری کے صحبت یافتہ تھے (مصنف کے گمان میں یہ بزرگ سید صاحب کے عم محترم یا ان کے کوئی چچا زاد بھائی تھے۔) سے روایت کرتے تھے کہ سید علم اللہ مجھ سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی دوران انہیں طریقت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ آدم بنوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ اکثر اوقات حصولِ علم میں حرج ہونے لگا۔ میں نے انہیں اس بات پر بہت ڈانٹا۔ اسی اثنا میں میری زبان سے نکلا علم سے بے بہرہ عاصی فقیروں سے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ سُن کر سید علم اللہ کی حالت تبدیل ہو گئی اور کہنے لگے کہ تم اور تم جیسے لوگ اور ان کی صحبت میں آئیں تو اپنے آپ کو گونگے اور جاہلِ مطلق سمجھنے لگیں۔ میں بہت ناراض ہوا اور جوش سے بھر گیا اور علم کلام کا ایک انتہائی مشکل مسئلہ تلاش کر کے انہیں عاجز کرنے کی نیت سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ عزت و تکریم سے پیش آئے میں نے اپنا اشکال پیش کیا۔ پہلے تو فرمایا یہ خالص علمی مسئلہ ہے اور فقیر عاصی ہے۔ ہاں البتہ تم عالم ہو۔ مجھے کیا معلوم۔ یہ تو تم ہی سے حل کرانا چاہیئے۔ اسی طرح ٹال مٹول کرتے رہے۔ میں نے یقین کر لیا کہ علم لدنی کے دعوٰی کی تو اصلیت نہیں ہے اور اس اشکال میں ان کی عاجزی ظاہر ہو گئی یکدم ان کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور بلند آواز سے فرمانے لگے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر مشرق و مغرب کے علماء جمع ہوں تو بھی اسے حل نہ کر سکیں لیکن ہم اسے حل کریں گے پھر ایسی واضح تقریر کی کہ اشکال رفع ہو گیا۔ وہ اس قدر بلند معارف بیان فرما رہے تھے کہ میں ان کے سمجھنے سے قاصر رہ گیا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا میں نے خود کو طفل مکتب محسوس کیا جب میں وہاں سے اُٹھا تو میرے دل میں آیا کہ ان کی حقانیت واضح ہو گئی توبہ کرنی چاہیئے لیکن ہوائے نفسانی نے نہ چھوڑا ایک اور مسئلہ علم تفسیر میں پہلے مسئلہ سے بھی زیادہ دشوار اپنے ساتھ لے گیا اور ان کے سامنے پیش کیا۔ پہلے دن کی طرح انہوں نے تعظیم کی اور بے انتہا

معذرت کی۔ جب میرے دل میں ان کا عجز مستحکم ہوگیا تو یکدم ان کے چہرہ کا رنگ تبدیل ہوگیا۔ اور واضح تقریر کی تیسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا میں نے اپنے آپ سے کہا انہیں خدا کی تائید حاصل ہے۔ وہ منصف ہیں اور مجھ میں کج روی ہے۔ میں نے توبہ کی قصور کا اعتراف کرتے ہوئے انکساری سے ان کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس دفعہ انہوں نے کوئی توجہ نہ کی، جوتیوں میں بیٹھا توبہ وانکساری کا اظہار کرتا رہا، فرمایا تم تو عالم ہو، سر کے بال کنپٹیوں سے نیچے کیوں چھوڑ رکھے ہیں اور تہ بند ٹخنوں سے نیچے کیوں لٹک رہا ہے۔ حجام کو بلوایا سر منڈوا دیا اور تہ بند ٹخنوں سے اوپر کرایا اور بیعت میں قبول فرمالیا۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابراہیم طریقہ چشتیہ کے ایک بڑے بزرگ تھے وہ کہتے تھے کہ آغاز طلب میں میں شیخ آدم بنوری کی خدمت میں پہنچا۔ ان کے دوستوں میں سے ایک بزرگ نے میری سفارش کی کہ یہ شخص طالب خدا ہے۔ اسی وقت مجھ پر ایک ایسی نگاہ ڈالی جس سے مجھ میں کیفیت پیدا ہوگئی جو اب تک باقی ہے چند روز قیام کے بعد وہاں سے سفر کیا اور شیخ محمد صادق قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگیا، وہاں سے بھی بہت فوائد حاصل کئے لیکن تصفیہ اور ریاضت کے بعد معلوم ہوا کہ میری جمعیت کا اصل سرمایہ شیخ کی وہی نگاہِ کرم تھی اور ریاضات نے رونق وصفائی کے سوا کچھ اضافہ نہیں کیا۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ بایزید گو جو ایک بے نفس اور سخی مرد تھا، خلق خدا پر بے انتہا شفقت کیا کرتا تھا۔

نگاہِ شیخ

فرماتے تھے کہ ابتدا میں جب میں شیخ آدم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ تمام ارادت مندوں نے گھر کی تمام خدمات کو اپنے اوپر تقسیم کر رکھا ہے اور کوئی کام باقی نہیں۔ ایک مدت تک میں انتظار کرتا رہا پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص جس کے ذمہ جنگل سے لکڑیاں لانا ہے۔ کمزور اور ناتواں ہے۔ وہ صحیح طور پر اس خدمت کو ادا نہیں کر سکتا میں طاقتور جوان تھا میں نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔ روزانہ دو گٹھے لکڑیاں لاتا تھا لیکن شیخ کی مجلس میں بیٹھنے کا مرتبہ مجھے حاصل نہیں تھا۔ ایک عرصہ کے بعد شیخ نہر پر جاکر غسل کر رہے تھے اور ارادت مند میل اُتارنے اور آپ کی مالش وغیرہ میں مشغول تھے میں بھی اس وقت ان میں شامل ہوگیا میں نے تمام دوستوں سے عمدہ طریق پر

خدمت کی شیخ اسی اثنا میں میری طرف متوجہ ہوئے اور ایک ہی نگاہ سے مجھ میں تصرف کیا کہ اسی ندی میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوستوں نے مجھے مردے کی طرح اُٹھا کر گھر پہنچایا۔ چھ ماہ کے بعد پھر اسی ندی پر ان کے جسم کی مالش میں مصروف تھا کہ آپ نے پھر میرے حالات دریافت فرمائے اور نظر کرم ڈالی۔ میں پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میرے پاس جو کچھ ہے یہ اسی نگاہ لطف کے سبب ہے۔

والد صاحب فرماتے تھے ایک شخص شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے توجہ کی درخواست کی۔ فرمایا جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور میرے پاس آؤ۔ اس شخص نے منہ بنا کر کہا کہ وضو نماز نص حدیث سے گناہوں کا کفارہ ہے۔ آپ کی توجہ کی کیا ضرورت ہے۔ شیخ نے اس کی یہ گستاخی دیکھ کر اعراض فرمایا تو وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ ہم نے آپ کو لوگوں میں اس لئے رکھا ہوا ہے کہ تا کہ ان کو ہدایت کریں۔ اور ان کی بے ادبی سے درگزر کریں۔ ویدرؤن بالحسنة السیئه پر آپ نے کیوں عمل نہیں کیا۔ انہوں نے کسی شخص کو بھیجا کہ اسے واپس لے آئے تا کہ اس گستاخی کا لحاظ کئے بغیر اس پر توجہ ڈالیں اس شخص نے جا کر واپس لانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے قبول نہ کیا اور کہا میں واپس نہیں جاتا۔ شیخ نے اس شخص کو کہا کہ اس کے کان میں اللہ کا نام پڑھو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ یہ نام سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا اور مُردہ کی طرح اُٹھا کر اسے لائے۔

والد صاحب شیخ کے ایک رفیق سے نقل کرتے ہیں کہ جب شیخ کے کمالات کی شہرت ہوئی شاہ جہان کو بھی اس کی خبر پہنچی اس نے سعد اللہ خاں اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ دونوں ان کے گھر آئے۔ شیخ اس وقت مراقبہ میں تھے۔ کافی دیر تک دروازہ پر بیٹھے رہے۔ جب انہیں افاقہ ہوا تو ان کے خلوت خانہ میں داخل ہوئے انہوں نے ان کی کوئی تعظیم نہ کی۔ یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا۔ سعد اللہ خاں نے کہا میں دنیا دار ہوں اور تعظیم کا مستحق نہیں ہوں لیکن مولانا عبد الحکیم عالم ہیں ان کی تعظیم ضروری تھی۔ فرمایا حدیث شریف میں وارد ہے کہ۔ العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الملوک فاذا خالطوھم فھم اللصوص (جب تک بادشاہوں سے دُور

رہیں علماء محافظِ دین ہیں، لیکن جب بادشاہوں کے دربار میں پہنچ جائیں تو وہ علماء نہیں۔ بلکہ چور ہیں) پھر انہوں نے پوچھا۔ آپ کا نسب کیا ہے۔ میں نے کہا سید ہوں۔ لیکن چونکہ ہماری امہات افغان قبائل سے ہیں اس لئے عوام میں افغان مشہور ہیں۔ پھر پوچھا ہم نے سُنا ہے کہ آپ کے پاس علمِ لدنی ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور اس نعمت پر خدا کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں۔ یہ سُن کر دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور شاہ جہان سے جاکر کہا کہ یہ ایک عامی متکبر فقیر ہے جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے۔ افغان ہے مگر خود کو سید کہلاتا ہے۔ باوجود اس کے افاغنہ اس کے بہت معتقد ہیں۔ اسے کچھ کہنے سے فتنہ و فساد کا خوف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بگڑ گیا کہلا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں۔ شیخ انتہائی عجلت سے عازم مکہ ہو گئے۔ جب سورت پہنچے تو حاکم سورت ان کا معتقد تھا۔ آپ نے اسے فرمایا۔ تیری خدمت یہ ہے کہ جلد سے جلد جہاز جہاز پر سوار کردے۔ جب سوار ہو گئے تو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اس فقیر کو جلد واپس لاؤ۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تیری سلطنت کے زوال کا سبب ان کا تیرے ملک سے نکل جانا ہے۔ حاکم نے معذرت لکھ بھیجی کہ حکم پہنچنے سے پہلے وہ جہاز میں سوار ہوکر روانہ ہو گئے ہیں۔ کہ ان کے بعد جلد ہی بادشاہ گرفتار ہو گیا۔ شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں قبۂ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدفون ہوئے۔

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ طالب نامی درویش حضرت سید عبداللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ رونا اور ہائے ہائے کے نعرے لگاتا تھا حضرت سید نے اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا۔ اس نے میری طرف اشارہ کرکے کہا یہ عزیز تحصیل علم میں مشغول رہتا ہے۔ اور میں فارغ اور یکسو ہوں۔ اس کے باوجود اس پر روحانی عقدے زیادہ کھلتے ہیں۔ فرمایا اس خیال میں مت پڑو یہ حق تعالیٰ کی عطا ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ و ہمت دی گئی ہے لیکن وہ اسی طرح روتا رہا۔ حضرت سید نے فرمایا تیری اصلاح اسی میں ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔ چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا۔ کبھی کبھی مجھے ملنے کے لئے آتا تھا کہتا تھا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے جو بات نکلی اس کا اثر ہے کہ سفر میں مجھے ہمیشہ جمعیت خاطر اور انبساط حاصل رہتا۔ لیکن ایک جگہ قیام میں تنگی اور غم حاصل ہوتا ہے

کبھی کبھی وہ مغلوب الحال ہو جاتا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں کسی کے گھر گیا۔ اس نے اسے تکلیف دی اور قید کر دیا جس قدر اس کی تکلیف بڑھتی اس کا نقصان اسے پہنچتا۔ اس کا کمکام مر گیا گھوڑا لنگڑا ہو گیا، اس کا دوسرا لڑکا بیمار ہو گیا ان امور کے مشاہدہ کے بعد وہ شرمندہ ہوا، استغفار کیا اور نیاز مندانہ سلوک کیا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے جن دنوں اورنگ زیب اکبر آباد میں تھا میں مرزا ہروی محتسب کے پاس پڑھا کرتا تھا، اسی تقریب کے بہانے اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد چلا گیا اور سید عبداللہ سید عبدالرحمٰن کی رفاقت کی وجہ سے اسی جگہ تھے۔ اسی جگہ وہ بیمار ہو کر رحمتِ حق سے واصل ہوئے۔ اور وصیت فرمائی کہ مجھے غرباء کے قبرستان میں دفن کریں تاکہ کوئی پہچان نہ سکے چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی ان دنوں سخت بیمار تھا جنازہ کے ساتھ جانے کی ہمت نہ تھی۔ جب میں تندرست ہوا اور جسم میں طاقت آئی۔ ایک دوست جو دفن کرتے وقت موجود تھا ساتھ لیا اور ان کی قبر کی زیارت کے لئے گیا۔ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ اس عزیز نے ہر چند غور و فکر کیا مگر ان کی قبر کو نہ پہچان سکا۔ آخر اندازہ سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں وہاں بیٹھ گیا اور قرآن پڑھنے لگا۔ حضرت سید نے میری پشت کی طرف سے آواز دی کہ فقیر کی قبر یہ ہے لیکن جو کچھ تم نے شروع کیا ہے اسے مکمل کرو۔ اور اس کا ثواب اس قبر والے کو بخش دو اور جلدی نہ کرو۔ میں نے جو کچھ شروع کیا تھا اسے اختتام تک پہنچایا اور اس عزیز سے کہا اچھی طرح غور کرو کہ سید کی قبر یہی ہے جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے یا میری پشت کے پیچھے ہے۔ اس نے غور کیا اور کہا مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ ان کی قبر تمہاری پشت کے پیچھے ہے۔ میں اس طرف بیٹھ گیا۔ اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اسی اثنا میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کی وجہ سے اکثر مقامات پر قواعد قرأت کی رعایت نہ کر سکا۔ انہوں نے قبر میں سے آواز دی کہ تم نے فلاں فلاں جگہ میں سستی کی ہے۔ قرأت کے معاملہ میں حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

ذکر خواجہ خرد قدس سرہٗ فرزند خواجہ محمد باقی

ذکر والد ماجد فرماتے تھے کہ رسائل صغار شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک کتابیں۔

مخدومی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری کتب مرزا زاہد ہروی سے ایک روز شرح عقائد اور حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوا مخدومی ابوالرضا نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی کرنے لگے۔ اس مناظرے نے طول پکڑا اور اس معاملہ نے رنجیدگی پیدا کر دی۔ میں نے اس کتاب کو پڑھنا ترک کر دیا۔ اس کے بعد ایک روز ہم دونوں خواجہ خرد کی خدمت میں گئے۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا کہ تمہاری خیالی کا سبق کہاں تک پہنچ گیا ہے میں نے عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میں نے اسے چھوڑ رکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کس وجہ سے؟ میں نے عرض کیا۔ نماز روزے کے ضروری احکام معلوم کر لئے ہیں۔ اس سے زیادہ حاصل نہیں ہوتے۔ انہوں نے حقیقت معلوم کرنے میں بہت مبالغہ کیا۔ آخر کار بات کھل گئی۔ فرمایا تم میرے پاس پڑھا کرو۔ اور اس معاملہ میں بڑی تاکید کی۔ علی الصبح کتاب ان کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے درس دیا اور اس اعتراض کو بہت پسند کیا اور اعتراض کی قوت کو ظاہر کیا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی اسی طرح۔ چوتھے روز فرمایا تمہارے دادا شیخ رفیع الدین نے مجھے تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھائے۔ پھر انہوں نے قصہ بیان کیا کہ آغاز شباب میں میں حسن پرستی کا خیال رکھتا تھا شیخ رفیع الدین کا ایک خوبصورت لڑکا تھا میں اسے ملنے کے لئے گیا۔ اور شرح لمعات بھی ساتھ لیتا گیا۔ کہ لوگ سمجھیں کہ میں تصوف کے مسائل سمجھنے کے لئے آیا ہوں وہ ہمارے شہر میں مشکل مسائل حل کرنے میں معروف اور بے نظیر تھے۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہمارے خواجہ (باقی باللہ) سے توسل کے سبب مجھ پر بڑی مہربانیاں فرمائیں اور تعظیم بجالائے۔ جب میں نے سبق شروع کیا، سرسری طور پر دو تین باتیں کیں اور زیادہ تحقیق نہ کی، پھر اٹھے اور اُسی لڑکے کو بلا کر فرمایا، خواجہ کی خدمت میں رہو۔ یہ دیکھ کر میں شرمندہ اور نادم ہوا، لیکن چونکہ جوانی کا زمانہ تھا دوسرے روز اسی نیت اور ارادہ سے واپس گیا، وہی سلوک دیکھا تیسرے روز مجھ پر سخت ندامت طاری ہوئی۔ میں نے توبہ کی اور خلوصِ نیت سے حاضر ہوا وہ احسان اور نیکی سے پیش آئے اور پہلے سے بھی زیادہ توجہ فرمائی۔ آج انہوں نے تصوف کی تحقیق فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق ہے تو مجھے فرمایئے میں روزانہ تمہارے مکان پر حاضر ہوتا رہوں گا۔

لیکن میں تمہارے یہاں آنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ یہ بات ادب سے بعید ہے۔ میں نے عرض کیا، مجھے آپ آنے کی اجازت نہیں فرماتے۔ میں آپ کی تکلیف فرمائی کو کیسے گوارا کر لوں، ظاہر ہے کہ آپ اس کام کو موقوف رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا، اس کا ایک اور سبب ہے۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد فیروز شاہ میں لے آئے اور ایک جگہ متعین فرما دی کہ تمہیں یہاں بیٹھنا چاہیئے اور تصوف کی جو بھی مشکل کتاب ہو اس کا مطالعہ کرو۔ اگر پھر بھی حل نہ ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اس کے بعد مجھے جو دشواری بھی پیش آتی وہاں جا کر مطالعہ کرتا وہ حل ہو جاتی۔ اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے اِدھر اُدھر ہو جاتا تو تمام دوسرے مقامات کی طرح ہوتا۔ جب خواجہ نے بات کو یہاں تک پہنچایا، میں نے عرض کیا کہ تین اسباق پر اکتفا کرنا بھی اسی کرامت سے وابستہ تھا۔ آپ بھی اگر ایسا تصرف فرمائیں تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ فرمایا یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ اس کے بعد بھی اگر تمہیں کسی علم میں کوئی مشکل پیش آئے اور تم اسے حل نہ کر سکو تو مجھے کہنا کہ فلاں نالائق نے میرا رستہ روک رکھا ہے۔ حضرت والد ماجد فرماتے تھے الحمد للہ، اس کے بعد مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اگرچہ میں نے تکمیل علوم مرزا زاہد سے کی نگران کے پاس پڑھنا گویا تحصیل حاصل تھی۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ اول سے پڑھتا تھا اور آخر سے درس دیتا تھا۔

فرماتے تھے کہ خواجہ خرد اپنے انگوٹھے سے ہمیشہ اپنی انگلیوں پر کچھ لکھتے رہتے تھے۔ سبق پڑھانے، باتیں کرنے وغیرہ میں بھی ایسا ہی کرتے رہتے۔ ایک روز میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ فرمایا یہ ایک ایسا عمل ہے جسے میں ہمیشہ کرتا رہتا ہوں تیرے سوا آج تک مجھے کسی نے اس کے متعلق نہیں پوچھا۔ آغاز حال میں مجھے استکساب سے لگاؤ رہا ہے۔ اب بھی کبھی کبھی کر لیا کرتا ہوں۔

نسبت کا احترام

حضرت والد ماجد نے فرمایا خواجہ خرد ایک روز اپنے دوست احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ پلنگ پر اور دوسرے تمام لوگ چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس جگہ میں ان کی خدمت میں پہنچا۔ انہوں نے میری بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی۔ خود پلنگ کی پائنتی پر بیٹھے اور مجھے صدر پر بٹھایا۔ میں جس

قدر معذرت کرتا وہ نہ مانتے اس معاملہ سے تمام حاضرین کے چہرے متغیر ہوگئے۔ ان کے بیٹے خواجہ رحمت اللہ نے اٹھ کر عرض کیا کہ اس مجلس میں اس سے زیادہ معمر اور تعظیم کے زیادہ لائق موجود ہیں۔ ان کے ساتھ اس تواضع میں کیا راز ہے۔ فرمایا یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ تم سلوک کا مشاہدہ کرو اور اسی طرح ان سے پیش آؤ۔

جب میں ان کے جد مادری شیخ رفیع الدین کے گھر جاتا تو وہ میرے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے حالانکہ وہ میرے استاد تھے اور میں نے ان سے فیوض حاصل کئے تھے جب شیخ رفیع الدین ہمارے آقا خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کی خدمت میں آئے تو وہ بھی قریب قریب ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے تھے کیونکہ ابتدائے سلوک میں شیخ قطب العالم کی خدمت میں رہے تھے اور کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد حاصل کئے تھے۔ ہمیں بھی یہی سلوک کرنا چاہیے۔

طعام میں برکت

والد صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم دونوں بھائی خواجہ کی خدمت میں تھے ان پر بھوک نے غلبہ کیا جس کی وجہ سے وہ سبق نہیں پڑھا سکتے تھے۔ اپنے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ طعام ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں، ایک بچے کے لئے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے۔ فرمایا اس میں سے کچھ لاؤ۔ اس میں سے بہت ہی تھوڑا پیالی میں لائے۔ انہوں نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے فرمایا آؤ کھاؤ۔ یہ سب کے لئے کافی ہوگا۔ تمام لوگ بہت حیران ہوئے ہمیں دوسرے انداز میں پھر فرمایا۔ ہم آگے بڑھے اور تینوں نے مل کر کھایا یہاں تک کہ ہم سب سیر ہوگئے اور پیالی میں کچھ بچ رہا وہ اس بچے کے لئے بھیج دیا۔

غائبانہ امداد و اعانت

حضرت والد صاحب فرماتے تھے ایک شخص نے حضرت خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا، بادشاہ مجھے ایک مہم پر بھیج رہا ہے۔ دشمن کی تعداد اور سامان جنگ زیادہ ہے۔ اور میرے پاس اسباب جنگ نہیں ہیں میں کوئی بھی عذر نہیں کرسکتا۔ آپ توجہ فرمائیں خوش طبعی سے فرمایا۔ کچھ نقدی پیش کرو تاکہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو۔ اتفاقاً اس وقت

اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اپنے ساتھیوں سے اس نے طلب کیا۔ اسے کچھ نہ ملا۔ اس نے اپنی کمر سے خنجر نکالا اور گروی رکھ کر دس روپے خدمت میں پیش کیئے۔ آپ نے میعاد مقرر فرما دی، فرمایا کہ فلاں روز جنگ کرو اور دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف نہ کرنا اور اپنی جگہ سے متزلزل نہ ہونا۔ پھر مجھے فرمایا، جب وہ مقررہ وقت پر آئے تو مجھے اطلاع دو۔ جب وہ میعاد پہنچی میں نے یاد دلایا، حجرہ میں تنہا بیٹھ گئے اور مجھے حجرہ کے دروازہ پر بٹھا دیا تاکہ کوئی شخص اس وقت دخل اندازی نہ کرے۔ کچھ دیر بعد خوش و خرم باہر نکلے فرمایا دشمن بہت زیادہ تھے اور دوست بہت کم۔ پہلی مرتبہ احباب کو شکست ہوئی لیکن اس عزیز نے حوصلہ نہ ہارا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ اسی حالت میں میں ان کے پاس پہنچا، الحمدللہ فتح حاصل ہوئی۔ بہت سے دشمن قتل ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ ایک مدت کے بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا اس میں یہی قصہ تفصیل سے لکھا ہوا تھا۔ اور اس نے نذرانہ بھیجا جسے آپ نے قبول نہ فرمایا۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ محلہ "کوشک نو" کے ایک شخص نے حضرت خواجہ خرد کی خدمت میں درخواست کی کہ توجہ فرمایئے تاکہ علم سے جلد فراغت حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا ہم اس کا جواب دیں گے۔ جب وہ شخص اپنے گھر آگیا تو اس کے پیچھے ایک شخص کو رقعہ دے کر بھیجا، لکھا کہ کل انشاءاللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے۔ وہ یہ خوش خبری سن کر حیران ہوا۔ دوسرے روز بغیر کسی ظاہری سبب کے نیند کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ کسی شخص نے قبلہ والد صاحب سے سوال کیا کہ لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ خواجہ خرد نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تھا، اس کا کیا قصہ ہے۔ فرمایا ابتدائے حال میں انہیں ایک سخت بیماری لاحق ہو گئی۔ شہر کے اطباء نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ اس کا علاج شراب ہے اور علماء نے اس کے مطابق فتویٰ لکھا، اس کے باوجود وہ اس کے لئے راضی نہیں ہوتے تھے خواجہ حسام الدین نے آکر بہت مبالغہ اور اصرار سے انہیں شراب پلائی، شراب نوشی اس سبب سے ہوئی لیکن جاہلوں نے تہمتوں کے طومار باندھے اور ان کے اس فعل کو غلط معنی پہنائے اس کی وجہ سے وہ شریعت کے معاملہ میں سستی اور اباحت کے گرداب میں پھنس گئے۔

بزرگوں کی نکتہ سنجی

والد صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز بہمن یار خاں لباس فاخرہ پہنے خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کے گھر میں کوئی فرش نہ تھا لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص اُٹھ کر خواجہ کے کان میں کہا کہ یہ بہمن یار خاں ہے اس کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ خواجہ نے بلند آواز سے کہا اگر یار ہے تو تعظیم کا محتاج نہیں اور اگر غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں۔ یہ بات سُن کر بہمن یار خاں بہت لطف اندوز ہوا۔ یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

فرماتے تھے ان کے ایک خادم نے شراب پی تھی۔ میری اُس کے ساتھ بحث ہوئی جو انقباض خاطر کا باعث ہوئی۔ میں نے عزم کر لیا کہ آئندہ وہاں نہیں جاؤنگا۔ دو تین روز کے بعد خواجہ بذاتِ خود تشریف لائے اور میرے دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور ایک بوڑھی عورت سے میرا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا سویا ہوا ہے۔ فرمایا جب اُٹھے تو اسے کہنا کہ خرد تمہاری تلاش میں ہے اور مسجد حبوط میں سویا ہوا ہے۔ اس کی خبر لو۔ جب میں اٹھا تو اس نے مجھے بتایا۔ میں تیزی سے اس مسجد میں گیا۔ انھوں نے اپنی پگڑی سر کے نیچے رکھی ہوئی تھی اور بے تکلف سوئے تھے۔ جب ظہر کی اذان کہی گئی تو بیدار ہوئے مجھ پر مہربانیاں فرمائیں اور خیریت دریافت فرمائی۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ خواجہ خرد اور خواجہ کلاں دونوں کم سن ہی تھے کہ خواجہ محمد باقی نے وفات پائی۔ اس کے بعد جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور مدت تک وہاں رہے۔ خواجہ کلاں کی حقیقت تو معلوم نہیں لیکن خواجہ خرد نے ان سے طریق سلوک حاصل کیا اور اجازت بیعت پائی پھر واپس آئے اور خواجہ حسام الدین اور شیخ اللہ داد کہ دونوں خواجہ کے خلیفہ تھے سے استفادہ کیا اور راہنمائی حاصل کی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ خواجہ حسام الدین شروع شروع میں امرائے زمانہ سے تھے اور ان کے والد وقت کے بڑے بڑے امراء میں سے تھے۔ جب خواجہ کی صحبت میں پہنچے اور طریقہ کی کشش نے ان میں اثر کیا تو تمام تعلقات کو چھوڑ کر بڑی خوشی اور رغبت سے

سب کو خیر باد کہہ دیا چونکہ ان کے رشتہ دار فقراء کی وضع اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ دیوانے بن گئے اور مجمع عام میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو غلاظت سے آلودہ کر لیا یہ دیکھ کر رشتہ داروں نے ان سے ہاتھ اُٹھا لیا حضرت خواجہ کی اولاد ان کے مریدین ان کے طریق تصوف اور اوراد و اشتعال کے بارے میں جس قدر رعایت ان دو بزرگوں (خواجہ حسام الدین و شیخ اللہ داد) سے ظہور پذیر ہوئی اور دوسرے لوگوں سے وقوع پذیر نہیں ہوئی۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ خرد آغاز جوانی میں ایک بار دعوت اسماء میں مشغول ہوئے کہ جنات نے زحمت کی اور خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے وہ بے ہوش ہو کر مردہ کی طرح گر پڑے۔ خواجہ حسام الدین آکر تھوڑی دیر ان کی طرف متوجہ ہوئے یہاں تک کہ انہیں افاقہ ہو گیا۔

شیخ اللہ داد نے پہلے دوسرے طریقوں سے فیض حاصل کیا تھا اور ہمعصر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جب خواجہ محمد باقی کی خدمت میں پہنچے تو گذشتہ تمام دفاتر کو لپیٹ کر رکھ دیا اور کلیتہً ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور خواجہ کی خانقاہ کی تمام خدمات اپنے ذمہ لے لیں خواہ ظاہری خدمات مثلاً قیام و طعام کا انتظام خواہ باطنی خدمات یعنی طالبانِ حق کی مزاج پرسی دریافت حال اور ان پر پوری توجہ دینا ہو بے خودی و استغراق کی کیفیت جو نسبت نقش بندیہ کی حاصل ہے شیخ اللہ داد میں اس قدر تھی کہ باوجود ان تمام خدمات اور مشاغل کے وہ ہر وقت اس سے سرمست رہتے تھے۔ کہ دوسروں سے ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ والد ماجد طریقہ نقش بندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت محمد باقی رح کی شاخ کو پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہیں تھی، ان کی تمام ہدایت و ارشاد اسی شعبہ سے ہوتی۔

شیخ تاج سنبلی جو خواجہ محمد باقی باللہ کے اولین خلفاء میں سے ہیں اور آخر عمر میں مکہ معظمہ میں قیام کر لیا تھا اور وہیں دفن ہوئے۔ اس فقیر نے آخری دور کے مشائخ ہند میں سے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کے ساتھ مکہ کے لوگ شیخ سنبلی سے زیادہ عقیدت رکھتے ہوں اور شیخ تاج سے زیادہ اسکی کرامات بیان کرتے ہوں۔ انہوں نے مسئلہ نقش بندیہ کی اسی

شاخ یعنی شعبہ ما تو یہ کے اشغال کے بارے میں ایک مستقل عربی زبان میں رسالہ ہے لکھا ہے۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہے حضرت والد ماجد نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے جسے عبارات و اقوال سلف سے آراستہ کیا ہے۔ اس فقیر (ولی اللہ) نے دونوں رسالے حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ والحمد للہ۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ خرد کی طرز زندگی گمنامی اور عزلت نشینی تھی۔ ایک بزرگ عالم جن سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کرتے تھے اور ان کا اسم محمد صالح تھا۔ مسجد فیروز شاہ میں درس دیتے تھے وہ حضرت خواجہ خرد سے بیعت تھے۔ خواجہ نے انہیں تاکیداً کہا تھا کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کو کسی سے ظاہر نہیں کرنا اور مجھے خلوت میں ہی ملنا چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے تھے۔ جب یہ اپنے وطن پنجاب جانے لگے تو عرض کیا کہ اگر لوگ پوچھیں کہ تم نے طریقہ فقر کہاں سے حاصل کیا ہے۔ تو میں انہیں کیا جواب دوں۔ فرمایا اگر ضرورت پڑے تو میرا نام بتا دینا ورنہ نہیں۔ خواجہ خرد کبھی کبھار خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس آکر کہتا ہے کہ چاول میرے ذمہ دوسرا آکر کہتا ہے، گوشت میرے ذمہ تیسرا آکر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لاؤں گا۔ اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے۔ خواجہ خرد اس میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ خرد نے آخری عمر میں فرمایا مجھے خواجہ محمد باقی کے روضہ میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا اور نسبت نبوت کی رعایت سے مقبرہ کے اندر داخل نہ کرنا کیونکہ میں اسی جگہ کے لائق ہوں۔ میں نے عرض کیا یہ کام دوسروں کے سپرد ہو گا۔ مجھے اس میں کیا اختیار ہے۔ فرمایا تم میری وصیت پہنچا دینا۔ خواجہ کی وفات کے بعد میں نے ان کے وارثوں سے کہا کہ خواجہ کی وصیت یہ تھی۔ انہوں نے کان نہ دھرے

ذکر خلیفہ ابو القاسم اکبر آبادی قدس سرہ

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ سید عبداللہ جب اکبر آباد میں فوت ہو گئے تو میں

بہت رنجیدہ اور ملول ہوا۔ اور کسی ایسے بزرگ کی طلب ہوئی جس سے استفادہ کرسکوں۔ اسی اثناء میں کسی شخص نے حضرت خلیفہ ابوالقاسم کے مناقب واوصاف بیان کئے چنانچہ میں ان کی مجلس گرامی میں پہنچا۔ جب پہلی بار حاضر ہوا تو آپ اپنے گھر کی تعمیر میں مصروف تھے۔ اور معمار کو فرما رہے تھے کہ اس طرح کرو اور اس طرح کرو۔ اسی اثنا میں یہ شعر ان کی زبان مبارک سے نکلا ؎

ہر کرا ذرۂ وجود بود　　پیش ہر ذرہ در سجود بود

فقیر نے اس شعر کو اس طرح دُہرایا ؎

ہر کرا ذرہ شہود بود　　پیش ہر ذرہ در سجود بود

انہوں نے فرمایا میں نے بہت سے صحیح نسخے دیکھے ہیں۔ اس جگہ وجود کا لفظ مرقوم ہے میں نے عرض کیا۔ فقیر نے بھی صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں شہود کا لفظ ہے۔ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ علم سے بھی بہرور ہو۔ میں نے عرض کیا۔ اگر علم راہ حق میں نقصان دِہ ہو تو اس سے توبہ کروں فرمایا ہر شخص کے لئے مضر نہیں اور نہ ہی تمام لوگوں کے لئے مفید ہے اور یہ شعر پڑھا ؎

علم را بر تن زنی مارے بود　　علم را بر جاں زنی یارے بود

میں نے عرض کیا آپ کا روشن ضمیر کسوٹی ہے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں میرا علم میرے لئے نافع ہے یا مضر۔ اس وقت مجلس ختم ہوگئی اور کوئی بات نہ فرمائی۔ دوسرے روز میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ عمارت میں مصروف تھے زیادہ تحقیق نہیں فرمائی بات ادھوری رہ گئی۔ آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے جب میں وہاں پہنچا تو بڑی مہربانی اور خوشی سے ملے۔ فرمایا کل میں عمارت میں مشغول تھا۔ بات نامکمل رہ گئی۔ اب کہیئے کہ اگر شعر میں شہود کا لفظ ہو تو اس کے کیا معنی ہیں۔ میں نے عرض کیا جس شخص کو پہلے ذرات عالم میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا شہود حاصل ہوا وہ لامحالہ ہر ذرے کو سجدہ کرے گا" لیکن لفظ وجود کی صورت میں وہ مرتبہ جمع میں مستغرق ہوگا اور سجدہ سے فارغ ہوگا کیونکہ وجود کا مفہوم یہی ہے ـــــ فرمایا بعض صحیح نسخوں میں وجود کا لفظ پایا جاتا ہے۔ اس کی کیا تاویل ہوگی۔ میں نے عرض کیا ہو سکتا ہے کہ وجود بمعنی وجدان ہو اور یہ شہود کے قریب ہے۔ اس بات سے انہیں بوئے آشنائی محسوس ہوئی۔ کھل اٹھے یہ مجلس بڑی خوش گوار

رہی پھر میں مسلسل ان کی خدمت میں جاتا رہا بہ انداز مہربانی فرماتے۔ یہاں تک کہ بعض قدیم لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔

واضح ہو کہ خلیفہ ابوالقاسم ملا عمر کے داماد تھے جو اپنے زمانہ کے معتبر علما میں شمار کئے جاتے تھے۔ شرح ملا پر انہوں نے حاشیہ بھی لکھا ہے۔ اور حضرت میر ابوالعلیٰ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ اور ملا ولی محمد کے شاگرد تھے۔ یہ بھی اپنے زمانہ کے اکابرین میں سے تھے اور میر ابوالعلی کے کبار خلفاء میں سے تھے، حضرت امیر کے خلفاء میں انہیں وہی مقام حاصل تھا جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو شیخ نظام الدین دہلوی کے خلفاء میں حاصل تھا۔ ملا ولی محمد کی قبر اکبرآباد میں ہے۔

جاننا چاہیے کہ میر ابوالعلی اکبرآبادی آباء کی طرف سے حسینی سید تھے آپ کا سلسلہ نسب میر تقی الدین کرمانی سے ملتا ہے۔ امیر تقی الدین اور خواجہ عبید اللہ احرار کا قصہ رشحات میں تفصیل سے درج ہے اور ان کے جد مادری خواجہ محمد فیضی ابن خواجہ ابوالفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ احرار ہے۔ حضرت میر ابوالعلی کے والد بزرگوار ابوالوفا خواجہ ابوالفیض مذکور کے نواسے تھے اور ان کے جد محترم میر عبدالسلام خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبید اللہ احرار کے نواسے تھے۔ اسی لحاظ سے میر ابوالعلی کو دو طرف سے نسبت احراری حاصل تھی۔ میر ابوالعلی کے والد اور جد امجد علاقہ سمرقند سے سفر کر کے ہندوستان کے راستے مکہ معظمہ پہنچے اور وہیں انتقال فرمایا حضرت میر ابوالعلی اسی سفر کے دوران پیدا ہوئے اور اپنے والد اور جد امجد کی وفات کے بعد خواجہ فیضی جوان دولہا مان سنگھ صوبیدار پورب کے مصاحب تھے کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور جوان ہوئے اور جب فیضی جوان ہو گئے تو کچھ دن بعد میر ابوالعلی نے بھی ان کی روش کے مطابق مان سنگھ کے لشکر میں ملازمت کر لی۔

اسی اثنا میں ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگ آئے اور انہیں فرمایا کہ یہ کیا روش ہے جو تم نے اختیار کر رکھی ہے وضع تو یہ ہے جو ہم رکھتے ہیں، ہماری وضع قطع اختیار کریں اور اگر معاش کی طرف سے تمہیں فکر لاحق ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اللہ نور السموات والارض۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے استرہ لے کر ان کا سر مونڈھ دیا اور دوسرے نے انہیں قمیص پہنا دی، تیسرے نے دستار پہنا کر نعلین پکڑا

دی۔ اس خواب کے بعد ان میں قلق اور اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے ملازمت چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن مان سنگھ منع کرتا تھا، یہاں تک کہ اذا اراد اللہ شیئا ھیئا اسبابہ کے تحت آہستہ آہستہ اسباب پیدا ہو گئے کہ چار و ناچار ملازمت سے فارغ ہو گئے اور خدا طلبی میں یکسو ہو کر لگ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار پر انوار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور خواجہ کی بارگاہ سے عنایات اور فیوض حاصل کئے۔

سننے میں آیا ہے کہ میر ابو یعلی کے گھر والوں نے ان کے بیٹے میر نور العلی کی علالت کی وجہ سے ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز خواجہ کے مزار پر بھجوائی تھی حضرت امیر کو اسکی اطلاع نہیں تھی۔ ایک روز اس مزار کی طرف متوجہ تھے کہ قبر میں سے آواز آئی کہ تمہارے گھر سے تمہارے فرزند کی صحت کے لئے اس قدر نیاز آئی ہے اور دوسرے فرزند کی بھی درخواست کی ہے اور یہ التماس منظور ہے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس مزار سے خطاب ہوا کہ یہ نعمت جو تجھے عنایت ہوئی ہے دو سو سال یا تین سو سال بعد بندگان خاص میں سے کسی ایک کو عنایت ہوتی ہے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہمیں (شاہ عبد الرحیم) عنایت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سید تقی الدین کرمانی کے پوتے سید جعفر کی تیدسے حضرت میر ابو یعلی کے عم بزرگوار امیر عبد اللہ کی بیعت کی تحریص ہوئی وہ بظاہر نوکری پیشہ تھے مگر حقیقت میں بہت سے نشانات ولایت کے ظاہر ہوتے تھے اور طریقت میں ان کا ربط اپنے خالو خواجہ یحیٰ کے ساتھ تھا۔ خواجہ یحیٰ اور ان کو اپنے عم بزرگوار خواجہ عبد الحق سے اور ان کو اپنے بزرگوار خواجہ عبید اللہ احرار سے اجازت ملی تھی، وہ اسی طریقہ کے مطابق عمل کرتے تھے لیکن حقیقت میں ان کی تربیت اویسانہ تھی۔ آپ کے کلماتِ طیبہ سے چند یہ ہیں۔

— نسبت کی ترقی کشتی کی رفتار کی مانند ہے اس کا سوار سمجھتا ہے کہ وہ ساکن ہے، جب وہ ساحل پر پہنچتا ہے تو اچانک وہ قطع منزل سے آگاہ ہوتا ہے۔

— سماع اور بے خودی سے مقصد بشری مذموم عادات کو ختم کرنا ہے محض عقل و ہوش کو مغلوب کرنا مطلوب نہیں ہوتا۔ غوطہ زن کا مقصد موتی حاصل کرنا ہوتا ہے ناک اور منہ میں پانی ڈالنا نہیں ہوتا۔

دنیوی مشاغل کے دوران حق سبحانہٗ وتعالےٰ سے آگاہی کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایک مٹکے پر دوسرا مٹکا رکھ کر سر پر اٹھائے اور باتوں میں مشغول ہو جائے۔ اس اثناء میں مٹکے کی آواز اس کی اندرونی توجہ سے منقطع نہیں ہوتی۔

— اگر کوئی شخص مجلس میں اس طرح راحت واطمینان محسوس کرتا ہے جیسا کہ شدید گرمی میں جنگل کا سفر کرنے کے بعد کوئی شخص اچانک ٹھنڈے سایہ دار درخت کے نیچے پہنچ جائے تو ایسے شخص کے لئے ہماری صحبت مبارک ہے۔ ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے یہاں عالم لونڈی ہے، کشف وکرامت نہیں ہے۔

— میر نورالعلی حبس دم کے ساتھ نفی واثبات کا ذکر کرتے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا جو کچھ آپ نے اختیار کیا ہے خوب ہے اور سلف کا طریقہ ہے لیکن اسم ذات کی ورزش دوسرے اذکار سے زیادہ موثر ہے۔

— اگر آپ سے کوئی وصول حق کی طلب کرتا تو دریافت فرماتے کہ محنت ومشقت سے حاصل کرنا چاہیئے ہو یا مفت۔ اگر پہلی صورت اختیار کرتا تو اسے ذکر کا طریقہ لکھ کر دیتے اور اگر دوسری صورت پسند کرتا تو اسے فرماتے کہ ہماری مجلس میں آیا کرو۔

— فرماتے تھے جس شخص نے ہماری صحبت میں آکر کچھ فیوض حاصل کئے بالفرض اگر وہ دولت آباد جا کر گناہ کا مرتکب ہو تو جو کچھ اس نے حاصل کر لیا ہے وہ اس سے زائل نہیں ہوگا۔ لیکن ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا۔

نقل ہے کہ امیر کو فالج کی بیماری لاحق ہو گئی جس سے انہیں بڑی تکلیف تھی خصوصاً وضو اور طہارت کے وقت بڑی دقت پیش آتی۔ ایک روز یہ شعر پڑھنے لگے ؎

درد م از یار ست و درماں نیز ہم   دل فدائے او شد وجاں نیز ہم

اس شعر سے ان پر قوی وجد طاری ہو گیا اور اس کی حرارت سے اعضاء میں کشادگی پیدا ہو گئی۔ اور قوت بحال ہو گئی۔ ایک شخص کو آپ نے اپنی ٹوپی عنایت فرمائی تھی اس نے جنگ کے وقت اسے پہنا ہوا تھا۔ اچانک ایک تیر اس ٹوپی پر لگا۔ اس کا پھل ٹیڑا ہو گیا اور تیر گر پڑا۔ ایک رات انہوں نے دوستوں پر بہت توجہ ڈالی لیکن ان میں کوئی اثر ظاہر نہ ہوا حیران

ہوتے۔ اچانک چراغ بجھ گیا۔ اسی وقت عجیب اثرات ظاہر ہوئے۔ جب انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک سود خوار وہ چراغ لایا تھا۔

حضرت امیر میں بڑی کشش تھی جب کسی پر توجہ ڈالتے تھے تو وہ بے خود ہو جاتا اور مردوں کی طرح گر پڑتا۔ نقل ہے کہ چوپاؤں میں سے ایک جانور ان سے متاثر ہوا۔ دوسرے طالبوں کی طرح ادب سے بیٹھتا اور جب اہل طلب ان کی خدمت پہنچتے تو وہ ان کی طرف دیکھتے تو وہ مست ہو جاتے جوش میں آتے اور بیقراری کرتے تھے اس دوران میں اگر کوئی ڈھول دھپہ مار دیتا تو وہ نقصان نہیں پہنچاتا تھا اس قسم کے بہت سے قصے ان سے مروی ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ابوالعلی کا طریقہ اتباع شریعت نبوی اور پیروی جادۂ محمدی کے سوا کچھ نہیں تھا اور اس راستہ سے سرمُو انحراف نہیں کرتے تھے نہ قول میں اور نہ فعل میں ان کے پیش رو مثل ملا ولی محمد وغیرہ بھی اسی روش پر تھے اور اس کے بعد ایک قوم کہ سے

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

کی صفت کے حامل تھے خواہشات نفس کی انہوں نے پیروی کی اور عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ کو اختیار کیا۔ "ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہٖ مبین" کے مصداق بنے۔ حضرت امیر اس خس وخاشاک سے پاک اور ان کا طریقہ ان آلودگیوں سے صاف تھا۔ ملا لطف اللہ نے جو جامع مقامات حضرت امیر ہیں نے اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور کہا ہے۔ وہ وجد جو حاضرین پر ان کی مجلس میں طاری ہوتا تھا۔ اختیاری نہیں تھا۔ ان کی محفل میں کوئی شخص خلاف شریعت کسی فعل کا ارتکاب بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی مزامیر اور سرود کی آواز پر رقص کر سکتا تھا اور سرود کو بھی آپ حضرت خواجہ بزرگ کے فرمان کے مطابق کہ "ہم نہ یہ کام کرتے ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں" کبھی کبھار اتفاقاً سُن لیتے تھے ان کی عبارت ختم ہوئی۔"

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ میں نے میر ابوالعلیٰ کے خلف الصدق میر نور العلی سے زیادہ کسی شخص کو راست گو نہیں دیکھا۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلی سماع کی طرف بہت راغب تھے۔ فرمایا مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے چند بار کے سوا سماع

میں حصہ لیا ہو اور وہ بھی خاص تقریب کی بنا پر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلی جس کی طرف دیکھتے یا اپنے پان چبا کر دیتے وہ بے ہوش ہو جاتا تھا فرمایا میں نے ان کا چبایا ہوا پان بے شمار مرتبہ کھایا ہے۔ یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ حضرت والد ماجد نے میر نور العلی کے ساتھ بہت صحبت رکھی ہے اور ان سے کلاہ اور خرقہ حاصل کیا ہے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خلیفہ ابوالقاسم نے میر ابوالعلی کی صحبت بھی حاصل کی ہے لیکن حصول فیض اور بیعت کا شرف ملا ولی محمد سے حاصل تھا۔ ایک روز میر ابوالعلی نے ان سے فرمایا کہ تم نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ملا ولی محمد کی خدمت بھی آپ ہی کی مظہر ہے۔ اس عاجز نے جب علم ان سے حاصل کیا ہے۔ ان سے بے حد محبت پیدا ہو گئی ہے بیعت کا تعلق بھی ان کے ساتھ قائم کرنا بہتر سمجھا آپ مسکرائے اور تعریف کی۔

فرماتے تھے حضرت خلیفہ پر گمنامی و گوشہ نشینی کا مشرف غالب تھا کسی سے نہیں ملتے تھے ان کا مشرب ترک کاروبار اور توکل کلی تھا۔ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ؎

؎ نشان بود ولی را الخ پھر فرماتے تھے کہ چوتھا نشان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے اس کی معیشت کا کفیل ہوتا ہے۔ حضرت والد فرماتے تھے کہ یہ بات حضرت خلیفہ کے حق میں ظاہر تھی۔ ظاہری کوئی سبب نہ ہونے کے باوجود اچھی زندگی گذارتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے گھر میں گھی ختم ہو گیا اور کئی دن تک دوسرا گھی نہ مل سکا حیران ہوئے۔ اسی طرح بغیر گھی کے گذارہ کرتے رہے۔ ایک روز کسی ضرورت سے چھت پر چڑھے۔ درگاہ کے گھی کا ایک مٹکا گھر والوں میں سے کسی نے چھپا رکھا تھا فرمایا غیب سے روزی نہ ملنے کا یہی سبب تھا۔ اسے خرچ کر دیا۔ اس گھی کے بعد بہت گھی ملا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری اس کے حکم سے مدوّن ہوا تھا اب اس کی نظر ثانی ہو رہی تھی۔ اس میں سے کچھ کام شیخ حامد کے سپرد ہوا۔ جو مرزا زاہد بیگ کے درس میں میرے شریک سبق تھے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ تم بھی میرے ساتھ کام میں شریک ہو جاؤ۔ تمہارے نام اتنا روزینہ مقرر ہو جائیگا میں

اسے قبول نہ کیا۔ میری والدہ نے یہ قصہ سنا تو اسے قبول کرنے پر بے حد اصرار اور مبالغہ کیا۔ مجبوراً مجھے قبول کرنا پڑا اور اس کام میں مصروف ہوا۔ حضرت خلیفہ کو جب اس کا علم ہوا۔ فرمایا اس وظیفہ کو ترک کر دو۔ میں نے عرض کی والدہ ناراض ہوتی ہیں فرمایا۔ اذا جاء حق اللہ ذهب حق العباد۔ صحیح قول ہے۔ میں نے عرض کی دعا کرو خدا تعالیٰ اس وظیفہ کو میری کوشش کے دور کر دے تاکہ والدہ ناراض نہ ہوں، انہوں نے دعا فرمائی چند روز میں بادشاہ نے اہلِ وظیفہ کے نام طلب کئے اور انہیں عزل و نصب سے تبدیل کیا جب میرے نام پر پہنچا وظیفہ کاٹ دیا۔ اور لکھا کہ اگر وہ چاہیں تو اس قدر زمین دے دی جائے۔ مجھے پوچھا تو میں نے اسے قبول نہ کیا۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا اور حمد کہی۔

فرماتے تھے۔ ایک روز نظر ثانی کرتے ہوئے میری نظر ایک ایسی عبادت پر پڑی جو نجلک تھی اور مسئلہ مکمل طور پر کچھ کا کچھ ہو گیا تھا۔ میں نے وہ کتابیں جو اس مسئلہ کی ماخذ تھیں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں بیان ہوا ہے اور ہر ایک نے الگ عبارت سے بیان کیا ہے۔ مولف فتاویٰ نے دونوں عبارتوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس وجہ سے مسئلہ کے بیان میں خرابی واقع ہوئی ہے۔ میں نے یہ حاشیہ چڑھا دیا و من لم یتفقه فی الدین قد خلط فیه هٰذا اغلط وصوابه کذا ("یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے گڑبڑ کر دی ہے اور صحیح یوں ہے) ان دنوں عالمگیر کو اس کی ترتیب و تدوین میں بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اور ملّا نظام الدین ایک دو صفحات بادشاہ کے سامنے پڑھتا تھا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچا۔ اتفاقاً اس نے اس حاشیہ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی انداز سے پڑھا۔ بادشاہ چونکا اور کہا یہ کیسی عبارت ہے۔ ملا نظام الدین نے اس وقت تو دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا اس جگہ کا میں نے مطالعہ نہیں کیا تھا۔ کل تفصیل سے عرض کروں گا، جب وہ گھر آیا تو ملا واحد پر خفا ہوئے کہ یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا تم نے مجھے بادشاہ کے سامنے شرمندہ کیا۔ یہ تو بتائیے یہ لفظ کیا ہے؟ ملا حامد نے اس وقت کچھ نہ کہا۔ پھر اس نے میرے ساتھ اظہار ملال کیا۔ میں نے وہ کتابیں جو اس مسئلہ کا ماخذ تھیں پیش کیں اور عبارت کی خرابی کو اس طرح واضح کیا کہ سب نے تسلیم کر لیا، اس کے بعد ان میں سے بہت سے مجھ سے حسد کرتے تھے اور میری

معزولی کا سبب ان کا حسد ہی تھا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے۔ ایک روز میں ان کی خدمت میں گیا۔ مکان کی تعمیر میں مصروف تھے معمار کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا ہوا تھا اور اس کے کام میں جرح وقدح کر رہے تھے اس اثنا میں میں وہاں پہنچا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا خوش ہو گئے۔ میں نے اپنا دامن سمیٹا اور گارا بنانے کا ارادہ کیا۔ فرمایا کیا تم نے اس سے پہلے گارا بنایا ہے۔ میں نے عرض کی نہیں لیکن اندازے سے جس چیز کی ضرورت ہو گی بنا لوں گا۔ فرمایا یہ کام اٹکل پچو سے ٹھیک نہیں ہوتا میں نے تمہارے لئے ایک اور کام تجویز کیا ہے۔ کسی شخص سے چارپائی لانے اور دیوار کے سایہ کے نیچے بچھانے کا اشارہ کیا۔ مجھے فرمایا۔ یہاں سو جاؤ کیونکہ تم دور سے سفر کر کے آئے ہو۔ میں تعمیل حکم میں لیٹ گیا لیکن نیند نہ آئی۔ عبدالرسول نامی ایک شخص آیا۔ فرمایا تم وقت پر پہنچے ہو وہ کمر کس کر ان کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فرمایا میرا مقصد یہ ہے کہ تم اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دباؤ کیونکہ وہ لمبے سفر سے آیا ہے وہ اس قسم کی مہربانیاں فرماتے تھے۔ اور ہر روز کرم واحسان کا اظہار فرماتے۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ انہیں حج کا ارادہ ہوا۔ گھر سے نکلے۔ بغیر زادراہ اور اہل خانہ سے رخصت لئے بغیر حج کے لئے چل کھڑے ہوتے راستہ میں ان کے بعض مخلص ان سے ملے اگر وہ تنہا اور مجرد تھا تو اسے ساتھ لے لیا اور اگر عیال دار تھا تو اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے دور دراز سفر کا ارادہ کیا ہے۔ وہ اسی طرح چلتے رہے اور ایک مدت تک وہاں حجاز میں قیام کیا اور پھر امن وسلامتی سے لوٹے۔ اس سفر میں ان سے بڑی بڑی کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب گھر سے چلے تو ان کے پاس ایک چونی تھی۔ راستہ میں کہیں بھی اس کی ضرورت نہ پڑی یہاں تک کہ واپس گھر آ گئے اور وہ چونی ان کی جیب میں تھی۔ میں نے ان سے اس قصہ کی تفصیل پوچھی۔ فرمایا اب تک مجھ سے کسی شخص نے اس کا سوال نہیں کیا۔ جب میں گھر سے نکلا۔ ایک شخص نے نذر کے طور پر یہ چونی مجھے دی۔ میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس کی ضرورت نہ پڑی جب میں نے وہ کپڑے اتارے اور نئے کپڑے پہنے۔ دوستوں نے اسے لپیٹ کر

رکھ دیا اس کے بعد نیا لباس خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا اور اسی طرح کپڑے ملتے رہے۔ اس کے بعد نہ تو ان کپڑوں کی ضرورت پڑی اور نہ ہی اس نقدی کی جب ہم واپس آئے وہ کپڑے اور نقدی ملی اور دوستوں میں یہ بات مشہور ہوگئی اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ جہاز میں اپنے ساتھیوں کے سامنے اولیاء کے مقامات و کرامات بیان کرتے تھے' ارض اور پانی پر چلنے کی بات چل نکلی۔ ملاح نے انکار کیا اور کہا اس قسم کے جھوٹ ہم بہت سنتے ہیں۔ ان کی کوئی اصلیت نہیں' ان کو غیرت آئی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ لوگوں نے ملاح کو ملامت کی۔ وہ بھی شرمندہ ہوا کہ ایک فقیر میرے مجادلہ کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ اور ان کے دوستوں کو ان کی جدائی سے دکھ ہوا۔ انہوں نے اونچی آواز سے پکارا کہ میں خیر و عافیت سے پانی پر سیر کر رہا ہوں۔ تم پریشان نہ ہو۔ اس ملاح اور تمام لوگوں نے توبہ کی اور عجز کا اظہار کیا۔ آپ اس کے بعد جہاز میں آگئے۔ اور ان کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ حرم شریف میں ایک شخص کو حضرت غوث اعظمؒ کی طرف منسوب ٹوپی اپنے آباؤ اجداد سے ملی تھی اور وہ وہاں اس کی وجہ سے بہت محترم اور مکرم تھا۔ ایک رات خواب میں اس نے حضرت غوث الاعظم کو دیکھا فرماتے تھے کہ ٹوپی کو ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو۔ اس شخص کے دل میں خیال گزرا کہ اس شخص کی تخصیص میں کوئی حکمت ہے۔ امتحان کے طور پر ایک قیمتی جبہ اس کے ساتھ ملا دیا اور پوچھتے پچھاتے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یہ دونوں تبرک حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ ان کو ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو۔ اور ان کو آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے قبول فرمالیا اور بہت خوش ہوئے۔ اس شخص نے کہا یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے شکرانہ میں کافی طعام تیار کیجئے اور رؤسا شہر کی دعوت کیجئے۔ فرمایا کل آپ تشریف لائیں اور جس شخص کو چاہیں مدعو کریں میں کھانا کافی تیار کر دوں گا۔ علی الصباح وہ شخص تمام رؤسا شہر کے ساتھ آیا اور کافی طعام تناول کیا اور فاتحہ پڑھی۔ دعوت سے فراغت کے بعد انہوں نے پوچھا کہ آپ متوکل آدمی ہیں اور ظاہری اسباب نہیں ہیں۔ اس قدر طعام کیسے تیار ہو گیا۔ فرمایا ہم نے جبہ کو فروخت کر دیا اور ضروریات خرید لیں وہ عزیز چلایا کہ میں نے اس فقیر کو اس کا

اہل سمجھا تھا یہ تو فریبی نکلا۔ اس نے ان تبرکات کی قدر نہیں پہچانی۔ فرمایا شور مت کرو، جو تبرک تھا اسے میں نے محفوظ کر لیا ہے اور جو چیز تبرک نہیں تھی بلکہ امتحان تھی اسے فروخت کر دیا ہے اور اس کی ضیافت اور شکرانہ کا سامان خرید لیا ہے۔ وہ اس قصّہ سے آگاہ ہوا تو تمام اہلِ مجلس سے حقیقتِ حال بیان کی۔ تمام نے کہا۔ الحمد للہ تبرک اس کے حقدار کو مل گیا۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاجی نور محمد، سید عبداللہ اور حضرت اور حضرت خلیفہ کے دونوں صحبت یافتہ تھے اور ہمارے پرانے دوستوں میں سے تھے بیان کرتے تھے کہ جن دنوں آپ مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ شدید قحط پڑا قریب تھا کہ ایک دوسرے کو کھا جائیں ان دنوں بارہا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ لذیذ طعام مثل بریانی وغیرہ تناول فرماتے تھے اور مجھے بھی عنایت فرماتے تھے میں متعجب ہوتا۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا تو مسکرا کر فرمایا جو خدا اکبر آباد میں تھا یہاں بھی ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حمام جانے کی تیاری کر کے گھر سے نکلے ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو واپس آ گئے اور چھچہ، گلاب اور بتاشے لے آئے اور میرے سامنے رکھ دیئے۔ فرمایا اگر چاہو تو بتاشے کھاؤ خواہ شربت کر کے پیؤ تمہیں اختیار ہے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک درویش نے جلدی سے کہا سردی کا وقت ہے بتاشے کھانے زیادہ مناسب ہیں۔ وہ خاموش رہے اور مجھ سے پوچھا تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ میں نے عرض کیا شربت، پوچھا کس وجہ سے؟ میں نے عرض کیا اس کا مجملاً جواب تو یہ ہے کہ آپ چھچہ، بتاشے اور گلاب لائے ہیں۔ اگر ہم صرف بتاشے کھاتے ہیں تو یہ دوسری چیزیں بیکار رہ جاتی ہیں۔ حالانکہ اولیاء کے فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی تفصیلی جواب یہ ہے کہ آپ حمام میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ حمام کی بے چینی کو شربت تسکین دیتا ہے۔ خاکسار لمبا سفر کر کے آیا ہے اور خفقان کا مریض بھی ہے شربت خفقان کیلئے تسکین کا باعث ہے۔ جب آپ نے یہ باتیں سنیں تو اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا میں نے تجھ سے نہیں پوچھا تھا تو نے کیوں جواب دیا۔ بے ادب ہماری صحبت کے لائق نہیں ہیں۔ اٹھو اور یہاں سے نکل جاؤ اور اس پر بہت خفا ہوئے۔ فقیر نے عرض کی یہ درویش

مجھے بد دعا دے گا کہ میری وجہ سے وہ صحبت مبارک سے محروم ہوا۔ اس بار مہربانی فرما کر معاف فرما دیجئے اگر دوبارہ ایسا قصور کرے تو آپ کو اختیار ہے۔ آپ نے اسے معاف کر دیا۔ آپ اس طرح ادب سکھایا کرتے تھے۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ جب انہوں نے مجھے خلافت دینے کا ارادہ فرمایا تو اپنے ایک مخلص کو فرمایا کہ وہ کھانا تیار کرے لوگوں کی دعوت کی اور فقیر کو بھی بلایا۔ میرے سر پر دستار باندھی اور معذرت کی میں نے عرض کی مجھ میں اس اہم امر کی لیاقت نہیں اور اس کے حقوق کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ فرمایا تمہیں ایک اور جگہ سے بھی اجازت حاصل ہے سید عبداللہ کے ساتھ تمہارا کیسے معاملہ تھا۔ میں نے عرض کی انہوں نے اپنے تمام حقوق معاف کر دیئے تھے۔ فرمایا میں نے بھی تمام ظاہری اور باطنی حقوق معاف کئے۔ یہ گروہ سمجھ کر کام کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ عذبۂ علاقہ کو کہتے ہیں اس کو پسِ پشت ڈالنا اس بات سے کنایہ ہے کہ تمام تعلقات کو پسِ پشت ڈال دیا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ آرام کی خاطر بھی فقیر نہیں بنتے یعنی دل جب یکسو ہو گیا اور تمام خطرات جاتے رہے۔ آرام کلی حاصل ہو گیا۔ اگرچہ بظاہر تکلیف ہوتی ہے۔ فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلصین میں سے ایک معمار اس شعر کو اکثر پڑھا کرتا تھا ؎

کارِ عالم درازیئی دارد — ہر چہ گیرید مختصر گیرید

(دنیا کا کاروبار بہت دراز ہے — جس قدر ممکن ہو مختصر اختیار کرو)

فرماتے تھے سید عبدالرسول جو حضرت خلیفہ کے مخلصین میں سے تھا کی ایک بچی تھی۔ اس کی شادی کے لئے مجبور ہو کر اس نے اغنیاء سے مدد لینی چاہی۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دہلی جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ سب سے پہلے فلاں شخص سے ملو اور میرا نام لینا۔ اس کے بعد جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ۔ وہ سب سے پہلے میرے پاس آیا۔ میں نے کہا ان کی غرض تمہیں اغنیاء کے پاس جانے سے منع کرنا اور تنبیہ تھی لیکن چونکہ تجھے انہوں نے اضطراب سے بھرا ہوا دیکھا۔ انہوں نے خود منع کرنا پسند نہ

فرمایا۔ وہ بخوبی سمجھ گیا اور استعانت ترک کر دی۔ یہ بات حضرت خلیفہ کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا میری یہی غرض تھی۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ مجھے ہمیشہ فرماتے تھے کہ شہر کے فقراء کی زیارت کرو اور فقیر ٹال مٹول کرتا تھا کیونکہ میرا دل پورے طور پر ان کی طرف راغب تھا ایک روز تاکید سے فرمایا اور جب میری طرف سے ٹال مٹول دیکھا تو خادم سے کہا کہ اسے سید عظمت اللہ جو کہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے کے پاس لے جاؤ۔ ان کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرو اور گذارش کرو کہ آپ کی ملاقات کے لئے انہوں نے ایک عزیز کو بھیجا ہے جب ہم ان کے محلہ میں پہنچے وہ خادم ان کے گھر کو بھول گیا۔ اتفاقاً اس جگہ محلہ کے بچے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک بچہ پر میری نظر پڑی۔ میں نے کہا یہ بچہ بزرگ زادہ ہے۔ اس سے پوچھنا چاہیئے۔ جب اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سید عظمت اللہ کے صاحبزادے ہیں وہ ہمیں سید عظمت اللہ کے ہاں لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا انہوں نے کہلا بھیجا۔ میں صاحب فراش ہوں، حرکت نہیں کر سکتا اور گھر میں قبیلہ کی عورتیں جمع ہیں پردہ ہو نہیں سکتا۔ میں معذور ہوں۔ پھر کسی دوسرے شخص کو بھیجا کہ خلیفہ کے درویشوں کو بٹھائیں اور خدام کو فرمایا۔ انہوں نے چارپائی اٹھا کر دروازہ پر پہنچا دی۔ فرمایا میں معذور تھا۔ لیکن پھر میرے دل میں خیال آیا کہ خلیفہ کا بھیجنا حکمت کے بغیر نہیں ہوگا۔ پھر انہوں نے مجھ سے نام، نسب اور وطن پوچھنا شروع کیا اور اچھی طرح تحقیق فرمائی۔ میں نے شیخ عبدالعزیز کی نسبت کو پوشیدہ رکھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کا سلسلہ ان کے ساتھ ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ ایسے وقت میں تعظیم کریں گے اور انہیں تکلیف ہوگی لیکن انہوں نے فراست سے معلوم کر لیا پھر انہوں نے ایک اشکال بیان فرمایا اور انہیں جواب مجھ سے پوچھا میں نے عرض کی کہ میں استفادہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ افادہ کے لئے نہیں آیا۔ فرمایا ہمیں اس سوال کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت جو میری سمجھ میں آیا میں نے کہا۔ وہ خوش ہو گئے اور خود کو چارپائی سے نیچے گرا دیا اور بے حد تواضع کی۔ فرمایا مجھ سے تقصیر ہوئی۔ مجھے علم نہیں تھا پھر فرمایا ہمارے جدامجد شیخ قدس سرہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ہماری اولاد میں سے اگر کوئی تمہارے پاس

آئے اور اس سوال کا جواب اس طرح دے۔ اسے میری یہ امانت پہنچا دو اور وہ طریقہ کی اجازت اور بعض تبرکات ہیں۔ میرے دادا زندگی بھر اس کے متلاشی رہے۔ انہیں نہ ملا۔ انھوں نے میرے والد کو وصیت فرمائی۔ انہوں نے تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ پھر میری باری آئی۔ زندگی بھر میں بھی تلاش کرتا رہا مگر وہ نہ ملا۔ اب یہ آخری وقت ہے۔ کوئی فرزند جو یہ صلاحیت رکھتا ہو نہیں ہے۔ اس وجہ سے افسوس کرتا تھا۔ الحمد للہ یہ امین اب دستیاب ہوا۔ پھر انہوں نے میرے سر پر عمامہ باندھا' اجازت بیعت فرمائی' کچھ مٹھائی اور نقدی مجھے عنایت فرمائی جب میں واپس آیا حضرت خلیفہ بڑی خوشی سے ملے۔ فرمایا کامل اور بھرپور آئے ہو۔ میں نے تمام چیزیں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ انہوں نے فرمایا نقدی ظاہری جمعیت کی علامت ہے عمامہ اجازت کی نشانی ہے اور جمعیت باطن کی نشانی ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد شیرینی سے کچھ قبول فرما لیا۔ اس قصہ میں بہت سی کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ خصوصاً شیخ عبد العزیز اور حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی کرامت کاتب حروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ کتاب مفتاح العارفین جو کہ میر محمد نعمان نقشبندی کے ایک فرزند کی تالیف ہے میں نظر سے گزرا ہے کہ شاہ عظمت اللہ بن عبد اللطیف بن بدر الدین بن سید جلال قادری متوکل اکبر آبادی سادات حسینی ترمذی میں سے ہیں ان کا مولد مسکن و مدفن اکبر آباد میں ہے۔ بہت نایاب شخصیت تھے۔ فقراء ہوں یا اغنیاء کسی کے گھر نہیں جاتے تھے اور گوشہ قناعت میں زندگی گزارتے تھے۔ سلسلہ قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ اور شطاریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے ان کی عمر بہتر ۷۲ سال تھی۔ ۴۔ ربیع الاول ۱۰۸۲ھ میں وفات پائی۔ اکبر آباد میں جس محلہ میں رہتے تھے مدفون ہوئے۔

اہل اللہ اور مجاذیب وغیرہ کے ساتھ حضرت والد کی ملاقات

حضرت والد ماجد فرماتے تھے میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو خواجہ بیرنگ کا خلیفہ تھا' نورانی چہرے والا انتہائی جلیل القدر بزرگ تھا۔ شیخی کے نام سے مشہور عرص منا تا تھا۔ اس

وقت میری عمر چھ سات سال تھی اور میں عرس میں حاضر ہوتا تھا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس بزرگ کا نام شیخ نعمت اللہ تھا۔ چونکہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد سے تھا۔ اسے شیخی کہتے تھے۔ خواجہ بزرگ کی صحبت میں حاضر ہوا۔ اور بے انتہا لطف وکرم کا مورد بنا۔ ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوا۔ خواجہ شیخی کے ذکر کے بعد حضرت والد نے ایک قصہ بیان کیا ہے۔ خوش طبعی سے فرمایا۔ خواجہ شیخی ولائتی مرد تھے، بڑی پگڑی سر پہ باندھتے اور کشادہ جبہ پہنتے تھے۔ عرس کے تبرک کی روٹیاں بہت چھوٹی ہوتی تھیں۔ ایک آزاد مرد نے تمسخر کیا اور کہا۔

میاں شیخی! جبہ شما ہزار میخی، دستار شما آں و نان شما ایں (میاں شیخی تمہارا جبہ تو بہت کشادہ ہے اور دستار کی یہ حالت اور روٹیاں اس قدر چھوٹی)

حضرت والد فرمایا کرتے تھے ایک رات میں اکبر آباد میں جارہا تھا کہ ایک مجذوب سامنے آیا اور دنیا بھر کے مجذوبوں کے نام لینے شروع کر دیئے کہ شام میں فلاں مجذوب ہے اور روم میں فلاں مجذوب ہے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش ہندوستان کے مجذوبوں کے متعلق کچھ کہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ہندوستان کے مجذوبوں کو گننا شروع کیا۔ ان میں سے اس نے کہا فلاں مجذوب خوب ہے۔ راقم الحروف کا گمان ہے کہ بھیکا کہا اور فلاں نیم مجذوب ہے۔ راقم الحروف کا گمان ہے کہ پیرا کہا۔ پھر میرے دل میں گزرا کاش! ہندوستان کے سالکین کے متعلق کوئی بات کہے وہ اس خیال سے بھی آگاہ ہوگیا اور کہا تمہارے شہر اکبر آباد میں خلیفہ ابوالقاسم جیسا دوسرا کوئی شخص نہیں ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا تم کیوں کھڑے ہو جاؤ، میں وہاں سے چل دیا۔

فرماتے تھے کسی کام کے لئے میں سونی پت گیا ہوا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ منو مجذوب کو ملوں۔ میں اس کے ٹھکانے پر گیا وہ سویا ہوا تھا۔ جب اس نے آہٹ کو محسوس کیا تو اس نے گدڑی لپیٹ لی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اپنا ستر ڈھانپ لیا۔ میں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا اس نے کوئی بات نہ کی۔ میں نے بات کا آغاز کیا، میں نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر ہوشمندی سے جواب دو۔ تو پوچھوں ورنہ موقوف کر دوں۔ اس نے کہا حتی الامکان کوشش کروں گا۔ میں نے پوچھا تمہیں کونسی دولت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے عقل و تمیز جاتی رہی۔ کچھ دیر اس نے سوچا، پھر کہا ایک شخص گرمی سے جلا بھنا پسینہ سے شرابور ہو، اچانک

ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو جائے جس سے اسے مکمل راحت موصل ہو۔ اس راحت کو کس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا یہ اور اس سے بہتر سالک کے سامنے مقامات آتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی عقل زائل نہیں ہوتی۔ اس نے کہا یہ اللہ کی عطا ہے ہر شخص کو جیسا چاہتا ہے رکھتا ہے۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ میرے والد بزرگوار لمبا سفر طے کر کے آئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ شہر کے باہر سے ہی دوسرے سفر پر روانہ ہو جائیں۔ انہوں نے مجھے طلب فرمایا۔ میں ان کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں میرا گزر ایک انتہائی پُر رونق باغ پر ہوا۔ میں اس کی سیر کرنے لگا وہاں ایک درخت تھا جس کی شاخیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں ان شاخوں میں ایک مغل صورت مجذوب بیٹھا ہوا تھا جب اس نے مجھے دیکھا۔ پکارا کہ اے فلاں آؤ تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھو۔ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے سلوک اور اپنی ریاضتوں کی بات شروع کر دی ان میں سے ایک یہ تھی کہ اوائل سلوک میں ایک پہر بلکہ اس سے بھی زیادہ حبس دم کرتا تھا۔ بظاہر مولانا قاضی قدس سرہٗ سے نسبت رکھتے تھے، پھر کہا تمہارے پاس فلاں طعام ہے۔ قدرے میرے لئے اس میں سے منگواؤ۔ میں نے منگوا دیا۔ تو اس نے کھایا۔ پھر کہا تمہاری جیب میں اتنے فلوس ہیں مجھے ایک فلوس کی ضرورت ہے تاکہ حجام کو دے داڑھی اور سر کی اصلاح کراؤں میں نے فلوس اس کے آگے رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چل دیا۔

حضرت والد فرماتے تھے میر واڑہ کی طرف ایک مجذوب تھا جو مسجد میں قطعاً داخل نہیں ہوتا تھا کہتا تھا کہ ہم ناپاک ہیں ہمیں مسجد میں داخل ہونا مناسب نہیں۔ وہاں کے زمینداروں کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ ہندی الفاظ استعمال کرتا تھا جس کا مفہوم یہ کہ اس طعام میں بستگی ہے۔ جب میں اس طرف گیا تو وہ مجھے ملنے کے لئے مسجد میں آیا اور میرے ساتھ کھانا کھایا لوگوں نے اس سے پوچھا تو کہا کہ ان کی وجہ سے میں پاک ہو گیا ہوں اور تمہارے کھانے سے بستگی رفع ہو گئی ہے۔ فرماتے تھے شرح ملا میں بحث عطف میں ایک دقیق عبارت آئی ہے۔ اکثر فضلاء اور خوش طبع اس مقام کو موضوع بنائے رکھتے ہیں۔ ایک رات آغاز جوانی میں اس مقام کا مطالعہ کر رہا تھا۔ میں نے وہاں ایک اعتراض پیدا کیا اور شیخ حامد سے بیان کیا اس نے کہا یہ اعتراض میرے ذہن میں بھی پیدا ہوا ہے۔ تو وارد ہو گیا ہے۔ دوسری رات میں نے اسے حل کیا انہوں نے

اپنی شرح ملا کا نسخہ طلب کیا وہاں انہوں نے یہ اعتراض لکھا ہوا تھا۔ آخر میں لفظ فتامل لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا تامل اس عبارت کا حل ہے تیسری رات میں نے اس حل کو مخدوش کر دیا اور سوال کی تقویت کی۔ اس مباحثہ میں تین راتیں مسلسل حبوط میں آدھی رات تک مطالعہ کرتا تھا ان راتوں میں سے ایک رات میں تنہا تھا۔ ایک مجذوب داخل ہوا کشیدہ قد خوبصورت فارسی میں باتیں کرتا تھا گویا موتی جڑے تھے۔ میرے نزدیک بیٹھ گیا اور خوش طبعی سے کہا بھائی! شملہ چھوڑنا مکروہ ہے یا حرام۔ میں ان دنوں شملہ نہیں رکھتا تھا۔ میں نے پگڑی کے نیچے سے قدرے کھینچا۔ یہاں تک کہ شملہ پیدا ہو گیا پھر میں نے کہا بعض روایات میں سنت ہے اور بعض میں مستحب وہ اس بات سے ہنسا پھر کہا آج رات کسی طالبعلم کی گردن پر سوار ہو کر اسے اس مسجد میں بھگانا چاہیئے۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کیسی عمدہ بات ہے۔ میں ڈرا کہ یہ مجھ پر سوار ہوگا۔ میرے پاس خنجر تھا میں نے اسے ہاتھ میں پکڑ لیا اور کہا۔ آج کیسی عمدہ رات ہے کسی درویش کو قتل کرنا چاہیئے اور اس کے گوشت پوست کو کھانا چاہیئے۔ بہت ہنسا اور کہا۔ اے بھائی تو نے کونسی کتاب میں پڑھا ہے کہ درویش کا قتل کرنا اور اس کا گوشت کھانا حلال ہے۔ میں نے کہا تو نے کون سی کتاب میں پڑھا ہے کہ طالب علم کی گردن پر سوار ہونا اور بے ہوش کرنا مباح ہے۔ اس نے کہا میری مراد اس سے مجازی معنی تھے کہ کسی طالب علم کو اپنے تصرف میں لانا چاہیئے اور آب و گل کی زحمت سے اسے نجات دلانی چاہیئے میں نے کہا میری مراد بھی مجازی معنی ہی تھے۔ یعنی درویش کے دل کو پورے طور پر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیئے اور اس کے کمالات کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا مجاز کو حقیقی معنی کے ساتھ مربوط ہونا چاہیئے۔ میرے مجاز کا تعلق تو ظاہر ہے فرمایئے آپ کے مجاز کا ربط کیا ہے میں نے کہا منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ نے آغاز کار میں ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کو قبر سے نکال کر بعض کو بعض سے الگ کرتا ہے۔ اس خواب کی دہشت سے وہ بیدار ہو گئے اور ابن سیرین کے ایک شاگرد سے تعبیر دریافت کی اس نے کہا تمہیں مبارک ہو۔ کہ تم سنت کو اچھی طرح جانتے اور صحیح کو خراب سے جدا کرو گے۔ یہ تعبیر میرے ربط کا گواہ ہے۔ پھر کہا اگر ان تین راتوں میں خدا تعالیٰ کو یاد کرتا تو

تجھے اخروی فائدہ حاصل ہوتا اور اگر سو جاتا تو تیرے بدن کو آرام ملتا۔ اموات کے جھگڑوں سے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ میں نے کہا تم سے سچ کہا لیکن مجھے ان معاملات سے اس قدر اُلفت ہو گئی ہے۔ چھوڑنے کا امکان نہیں۔ اس نے کہا خوش رہو۔ ترک کا زمانہ نزدیک آگیا ہے پھر کہا میری طرف سے ایک شعر لکھ لو۔ میں نے کہا میرے پاس قلم دوات نہیں ہے۔ کہا یاد کر لو۔

بیت کارے نساختیم و دمیدن گرفت صبح — ادج چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

(کوئی کام نہ کر سکے اور صبح طلوع ہو گئی، افسانہ گوئی میں چراغ خانہ کی بتی جلا دی)

حضرت والد فرماتے ہیں اس کے بعد مطالعہ سے میرا دل اچاٹ ہو گیا پھر کبھی طالب علموں کی طرح مطالعہ کا اتفاق نہ ہوا۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ راستہ پر جا رہا تھا۔ ایک مجذوبہ سامنے آئی۔ تہ بند پھٹکڑوں کی گدڑی اوپر لے رکھی تھی جو تیل سے تر ہو چکی تھی۔ میرا راستہ روک کر بلند آواز سے پکاری کہ یہ شخص پورے نقش بندیہ کا حامل ہے۔ جو چاہتا ہو اسے دیکھ لے میں نے کہا اس سے زیادہ مجھے رسوا نہ کر۔ تو وہ چل دی۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کا خیال ہے کہ حضرت والد نے فرمایا اس روز مجھے الہام ہوا کہ آج جو بھی تجھے دیکھے گا بخشا جائیگا۔ اسی سبب سے میں بازار گیا تھا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ صوفیاء کے لباس میں مقید رہنا تکلف سے خالی نہیں۔ میں نے اسے اتار دیا اور سپاہیوں کی طرح عمامہ باندھا اور شمشیر حمائل کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا تھا کہ ایک مجذوب سامنے آیا۔ اور کہا کہ چاند کو کوئی شخص پیالہ سے ڈھانپ سکتا ہے۔ تجھے تیرے معبود کی قسم اس لباس کو اتار دے اور صوفیوں کا لباس پہن لے اس کے بعد سے میں نے اسی صوفیانہ لباس کو لازم قرار دے لیا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ شاہ ارزانی ایک مجذوب بزرگ تھے۔ حاکمانہ وضع سے رہتے تھے۔ ایک دعوت میں مجھ سے ان کو بہت الفت ہو گئی۔ ایک روز مسجد جھٹو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کسی جگہ چلا گیا اور گھر والوں کو ان کا خیال رکھنے کے متعلق کہنا بھول گیا میں پندرہ روز کے بعد گیا۔ مجھے وہ اس جگہ ملے۔ اس دوران میں ایک دو بار کے سوا کچھ نہیں کھایا۔ اس کے باوجود ان کے جسم پر کمزوری کے اثرات نہیں تھے۔ برادرِ گرامی (ابو الرضا محمد) ابتدا میں انتہائی

مفلس تھے۔ ان کی طرف رجوع کیا۔ مجذوب نے اکتالیس بار سورہ مزمل پڑھنے کی ہدایت کی جس سے انہیں وسعت و خوشحالی حاصل ہوگئی۔ ایک بار میں نے ایک دوست کی ان سے سفارش کی کہ فقیر عیال دار ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔ انہوں نے ایک دعا پڑھنے کے لئے کہا اور اسے چند شرائط سے مشروط کر دیا۔ ان میں سے ترک کذب اور ترک قتل حیوان بھی تھا اس دوران میں اس نے ایک جوں کو مارا اور ایک بچے کو کہا کہ آکرے جاؤ اور دیا کچھ نہیں انہوں نے اسے کہا اب تکلیف نہ اٹھاؤ نہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آخر اس نے چلہ پورا کیا اور گریہ وزاری سے ان کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے ایک کورا برتن طلب کیا اور اس میں ایک نقش لکھا اور پارہ ڈال کر آگ پر رکھا۔ اس کا کچھ حصہ جوڑا بن گیا اور کچھ ایسے ہی رہ گیا۔ پھر ان کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ شخص اس بات کے لائق تھا۔ وگرنہ میں جو کچھ چاہتا تھا بغیر کسی شرط کے ہو جاتا تھا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ شیخ لعل کے پاس عجیب قسم کی دعائیں تھیں۔ ایک روز انہوں نے مجھے کہا ذوقِ سماع رکھتے ہو، میں نے کہا ہاں۔ ایک کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہو کر سنگریزے پر کچھ لکھا اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس میں سے مزامیر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں بعض مرتبہ دعائیں پڑھتا تو ظاہر ہوتیں اور اس لکڑی کے ساتھ جو اس نے پہلے تیار کی ہوتی سے مارتا خالص سونا بن جاتا۔ ایک روز میرے پاس آیا اور کہا میری عمر ختم ہوا چاہتی ہے۔ ان اعمال کو مجھ سے لے لو۔ میں نے کہا مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا اگر تم نہیں لیتے تو میں ان کو دریا میں ڈالتا ہوں کوئی دوسرا اس کے لائق نہیں۔ میں نے کہا ڈال دو۔ ان تمام کتابوں اور اعمال کو دریا میں ڈال دیا۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ ہمارے شہر میں ایک فاضل اور صالح بزرگ تھے جو تمام تعلقات سے مکمل طور پر آزاد تھے۔ خواجہ سعداللہ خاں کے بعض خواجہ سرا اس سے علم کا استفادہ کرتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے۔ سعداللہ خاں نے ہر چند انہیں بلایا مگر انہوں نے قبول نہ کیا اتفاقًا میں ایک روز ان کی خدمت میں پہنچا میں ان دنوں کافیہ پڑھتا تھا۔ ان خواجہ سراؤں میں سے ایک نے مجھ سے بحث مناظرہ میں سوال کیا جس کا جواب مجھے نہ آیا میں غمگین ہوا۔ جب اس بزرگ کو میری پریشانی معلوم ہوئی اور اس کی وجہ معلوم ہوئی تو خواجہ سرا پر ناراض ہوئے۔ اور فرمایا تم اس بچے کو نہیں جانتے کہ کون ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اس کی جوتی

تیرے آقا کے سر پر رکھے جانے کو عار سمجھے گی۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ ایک عمر رسیدہ بزرگ حاجی شاہ محمد سیاح اور بہت بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے۔ ان کے مزاج میں بہت تیزی تھی۔ مرضِ موت میں میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ میں نے کہا آپ کا وجود غنیمت ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ وجود تنور میں پڑا ہوا بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ وجود جو تنور کے لائق ہو وہ تنور میں ڈالا جائے گا۔ اور یہ وجود ایک عطیہ ہے جو خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے۔ خاموش ہو گئے۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ میں نے شرح مواقف اور باقی تمام اصولی اور علم کلام کی کتابیں مرزا زاہد ہروی محتسب سے پڑھیں۔ وہ مجھ پر بہت توجہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا۔ تو فرماتے ایک دو سطر ہی پڑھ لو تاکہ ناغہ نہ ہو۔ ایک بادشاہ نے انہیں بلانے کے لئے کسی شخص کو بھیجا۔ آپ جلدی اس طرف روانہ ہوئے دروازہ سے نکلنا چاہتے تھے کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ اور دروازے کے دونوں کواڑ مضبوطی سے پکڑ لئے اور کہا۔ جب تک آپ یہ کام نہ کر لیں میں نہیں چھوڑوں گا۔ فرمایا تم میرے واپس آنے تک بیٹھو تاکہ اطمینان سے تمہاری بات سنوں۔ اس وقت میرا دل متردد ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ میں آپ کو اس وقت نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ کام نہ کر دیں جب آپ نے مجھے مصر دیکھا۔ کھڑے ہو گئے اور جب تک وہ کام نہ کر لیا باہر نہیں نکلے۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا تو بہت متعجب ہوئے۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ مرزا محمد زاہد نے رمضان کے مہینہ میں میری دعوت کی میں ان کے گھر میں تھا۔ جب مغرب کا وقت آیا تو ایک کباب فروش آیا اور کبابوں کا خوان انکے آگے رکھ دیا کہ میں نذر لایا ہوں۔ مرزا مسکرائے اور کہا۔ اے عزیز نہ تو میں تیرا پیر ہوں اور نہ استاد۔ نذر کا کیا مطلب۔ البتہ تیری کوئی غرض ہو گی۔ اسے بیان کر۔ اس نے کہا مجھے کوئی غرض نہیں۔ انہوں نے مبالغہ کیا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ اس کی دکان راستہ پر ہے اور مرزا کے مددگار اس دکان کو گرانا چاہتے ہیں، فرمایا میں کل ایک دین دار آدمی کو بھیجوں گا بغیر کسی زیادتی اور ظلم کے ٹھیک فیصلہ کرے گا پھر فرمایا آپ چلے جاؤ۔ اس نے کہا میں نے یہ تمام کباب آپ کے

لئے تیار کئے ہیں اور وقت ختم ہو چکا ہے اس وقت میں اس قدر کباب فروخت نہیں ہو سکتے۔ وہاں ایک اخوند جو مرزا کے بچوں کو پڑھاتا تھا اسے کہا کہ اس کی قیمت مقرر کرو اور ہمارے گھر سے دے دو۔ اس نے جا کر اس کی قیمت اٹھنی مقرر کی۔ میں نے مرزا سے آہستہ کہا کہ آپ کی غرض رشوت سے بچنا تھا اور وہ پوری نہیں ہوئی کیونکہ اس کباب کی قیمت زیادہ ہے اور نصف روپیہ میں کباب فروش اس غرض کی وجہ سے راضی ہوا ہے۔ مرزا چونکا اور کباب فروش کو بلایا اور کہا سچ بتا گوشت کتنے کا خریدا تھا اور مصالحہ اور ایندھن کتنے کا تھا اور تیری اُجرت کیا ہے۔ القصہ جب حساب کیا تو ڈیڑھ روپیہ بنا۔ اسی قدر اسے دیا پھر اخوند کو بلایا اور اس پر بہت ناراض ہوئے اور کہا تم ہمارا روزہ حرام پر افطار کرانا چاہتے تھے۔ یہ کیسی عقلمندی اور کہاں کی دوستی تھی، پھر ان کو تناول فرمایا۔ واضح ہو کہ مرزا محمد زاہد ہروی قاضی اسلم کے فرزند تھے جو جہانگیر کے زمانہ میں ہرات سے ہندوستان آئے انہیں بادشاہ نے قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا، ملا محمد فاضل کے شاگرد تھے اور ملا محمد فاضل کا مولد بدخشان ہے۔ ابتدائے جوانی میں پہلے کابل پہنچے اور ملا صادق طوائی کے شاگرد ہوئے اس کے بعد توران میں جا کر مشکل مسائل کے گرہ کشا کشاف غوامض معقول۔ ملا مرزا جان شیرازی سے فیض صحبت حاصل کیا اور فنونِ حکمت کو ملا یوسف سے حاصل کیا جو کہ ملا مرزا جان شیرازی کے ارشد تلامذہ اور استاذ العلماء تھے۔ پھر لاہور میں آ کر قیام کیا اور علم تفسیر اور اصول کو اجمال لاہوری سے جو عربیت میں یگانۂ روزگار تھے۔ پڑھا اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے متبحر عالم ہو گئے۔ مرزا محمد زاہد ہروی تیرہ سال کی عمر میں علوم سے فارغ ہو گئے تھے۔ وہ جودتِ ذہن اور طبع رسا میں زمانہ بھر میں عدیم النظیر ہو گئے۔ ان کی تصانیف میں سے حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح تہذیب اور حاشیہ رسالہ تصور و تصدیق مشہور ہیں اور طلباء میں متداول ہیں ان کے علاوہ ان کی اور تصانیف بھی ہیں جیسے حاشیہ شرح تجرید، حاشیہ ہیاکل ظاہر التسوید، حاشیہ شرح مواقف اس وقت لکھا جب والد بزرگوار ان سے پڑھا کرتے تھے۔ اس کا مبیضہ کابل میں تیار ہوا جبکہ منصب قضاء سے مستعفی ہو کر کابل میں گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔

مرزا محمد زاہد ہروی نے صوفیہ کے مشرب سے بھی پورا حصہ حاصل کیا تھا اور اس طریقہ کے اکابرین میں سے ایک شخص کی صحبت حاصل کی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے دو ذہن نکات راقم الحروف کو بہت پسند آئے۔ ایک یہ کہ مبحث وجود میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ لفظ وجود مصدری معنی کے لحاظ سے اعتباری امر ہے جو نفس الامر میں متحقق ہے۔ اور حقیقی معنوں کے اعتبار سے ہر اس چیز پر اطلاق ہوگا جو موجود بنفسہٖ ہو بلکہ جس کا وجود اپنی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہو اور یہ اس لئے کہ کسی چیز کے قابل اعتبار اور نفس الامر میں ثابت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے وجود کا موصوف اس حیثیت میں ہو کہ اس پر سلب وجود کا اطلاق بھی صحیح ہو سکے۔ یہاں تین امور قابل لحاظ ہیں

امر اول منتزع عنہ ہے اور وہ اس کی ماہیت ہے۔ دوسرا منتزع ہے اور وہ مصدری معنی کے اعتبار سے وجود ہے؟ تیسرا منشاء الانتزاع ہے اور وہ وجود کا مابہ الموجودی معنی ہے۔ اور وہ قائم بنفسہٖ واجب لذاتہٖ وجود ہے۔ کیونکہ وہ محض انضمام کے طور پر ماہیت کے ساتھ قائم نہیں۔ وگرنہ اس کا موصوف کے وجود سے مؤخر ہونا لازم آتا اور نہ ہی انتزاع کے طور پر قائم ہے۔ وگرنہ وجود مصدری کے انتزاع کے وقت ایک اور انتزاع لازم آتا بلکہ غیر متناہی انتزاعات لازم آتے

دوسرا یہ کہ بحث علم واجب الوجود میں لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ذات واجب تعالیٰ کے لئے علم اجمالی ہے اور علم تفصیلی، علم اجمالی وہ تو علم تفصیلی کا مبداء اور صورت ذہنیہ اور خارجیہ کا خلاق ہے۔ اور وہی علم حقیقی ہے۔ صفتِ کمال اور عین ذات ہے۔ اس کی تحقیق جو میرے رب نے اپنے فضل و کرم سے الہام فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ممکن کی دو جہتیں ہیں۔ ایک، وجود اور فعلیت کی جہت اور دوسری عدم وجود اور لا فعلیت کی جہت، اور یہ دوسری جہت کے لحاظ سے اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ علم اس کے ساتھ متعلق ہو۔ کیونکہ وہ اس جہت سے معدوم محض ہے۔ پس وہ جہت جس کے لحاظ سے علم اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے تو وہ پہلی جہت ہے اور وہ اس کی طرف راجع ہے کیونکہ ممکن کا وجود بعینہٖ واجب کا وجود ہے جیسا کہ اہل تحقیق کا مسلک ہے

پس اللہ تعالیٰ کا ممکنات کے ساتھ علم اس کے علم بذاتہٖ میں سمویا ہوا ہے۔ اس حقیقت سے کہ اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہوتی' اوصاف انتزاعیہ کا اپنے موصوفات کے ساتھ حال بھی تجھے اس کے سمجھنے میں مدد دے گا۔ انتزاعی اوصاف بھی وجود رکھتے ہیں جو آثار سے مرتب ہونے پر وجود خارجی کے مقابل پائے جاتے ہیں اور یہی منشا اتصاف ہوتا ہے اور اسی بناء پر موصوف اور صفات میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے۔

اور علم تفصیلی اور وہ موجودات خارجیہ اور صور ذہنیۃ' علوی اور سفلی کا علم حضوری ہے پس غور وفکر کرو شاید یہ اہم مسئلہ خالی الذہن ہوکر باریک بینی سے اور زیادہ راسخ ہو جائے ہم نے تعلیقات شرح تجرید میں اس کی مزید تفصیل بیان کی ہے۔

حضرت والد ماجد کے واقعات کشف ارواح اور اس سے متعلقہ حالات

فرمایا کرتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جماعت حق تعالیٰ کے دیدار کے لئے بھاگم بھاگ چلی جارہی ہے۔ میں بھی اس جماعت میں ہوں ایک پاک مصفا جگہ آئی اور عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ ان تمام لوگوں نے مجھے اپنا امام بنایا۔ جب نماز ختم ہوگئی میں اس جماعت کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا تم یہ تمام کوشش کس کی طلب میں کر رہے ہو انہوں نے کہا حق تعالیٰ کی طلب میں۔ میں نے کہا میں وہی تو ہوں جس کی طلب تم کر رہے ہو انہوں نے اٹھ کر میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کی خواب کبھی حق تعالیٰ کی اعانت سے تصرف فی الخلق کے مقام کی بشارت دیتی ہے اور کبھی ایسا دعویٰ اس وقت کرتا ہے جب وہ فنا فی التوحید ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حق تعالیٰ سے تحقیق وتجدد امثال کی طلب کی مجھ پر ایک حالت طاری ہوگئی کہ میں نے خود کو قیوم عالم دیکھا اور عالم کے ہر ذرہ کا اپنے ساتھ ربط وتعلق مشاہدہ کیا کہ اگر وہ منقطع ہو جائے تو لاشئی محض ہو جائے۔

فرماتے تھے ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ میرے

گھر تشریف لائے ہیں، میں گھر کی تنگی، سامان کی بے ترتیبی اور تمام وہ حالات جو بزرگوں کی موجودگی میں نامناسب ہیں۔ سے خجل اور شرمندہ ہوں لیکن اس طرف سے بے انتہا لطف و کرم مبذول ہوتا ہے۔ علی الصباح اتفاقاً حافظ عبداللطیف کے گھر گیا۔ انہوں نے مجھے گھر کے اندر بٹھایا پھر گھر کی تنگی سے حیاد خجالت کا اظہار شروع کر دیا۔ میں نے کہا آج رات میں نے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو دیکھا میں بھی اس طرح عرق ندامت میں غرق تھا اور اس طرف سے بے انتہا لطف وکرم کا اظہار ہو رہا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حق تعالےٰ کی مدد سے مخلوقات میں تصرف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس واقعہ میں حق پر دلالت کرنے والا خود حق کی صورت میں ظاہر ہوا۔

فرق مراتب فرماتے تھے مجھے بعض درویشوں کے متعلق تردد تھا کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں کیا مقام رکھتے ہیں خواب میں میں نے تجلیات سے ایک تجلی دیکھی گویا حضرت حق حسن صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور چہرہ پر برقعہ ہے میرے اور اس کے درمیان مسافت ہے۔ جب اس کے جمال پاک کا مشاہدہ ہوا' دل بے قرار ہو گیا میں اس کے قرب کا خواہش مند ہوا وہ اس خیال سے آگاہ ہو گیا اور قدرے نزدیک ہو گیا۔ اس وقت آتش شوق اور زیادہ بھڑک اٹھی اور قرب کی خواہش بڑھ گئی، وہ اس خیال سے بھی مطلع ہوا میرے نزدیک آ گیا۔ میں برقعہ کے وجود سے تنگ آ گیا میری آرزو ہوئی کہ وہ بھی اُٹھ جائے۔ فرمایا یہ برقعہ باریک ہے حسن سے حسن منعکس ہوتا ہے میں نے کہا یہ بھی تو آخر حجابات میں سے ایک حجاب ہے۔ اس نے اسے بھی اٹھا دیا۔ پھر فرمایا بعض سالکین کو پہلا مرتبہ حاصل ہے خاص سالکین کو دوسرا اور اخص الخواص کو تیسرا مرتبہ حاصل ہے۔ فلاں کے پاس ان تین میں سے کوئی بھی نہیں۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ طبیعت میں بڑا انقباض تھا میں نے خواب میں زیورات سے خوبصورت عورت کی شکل میں تجلی دیکھی جو آہستہ آہستہ میرے نزدیک آتی تھی۔ اور میری آتش شوق زیادہ سے زیادہ بھڑک رہی تھی، آخر کار معانقہ کیا اور میرے ساتھ ایک ہو گئی میں نے خود کو بعینہ وہی حسینہ دیکھا اور وہ تمام زیورات اپنے جسم پر مشاہدہ کئے انبساط اور

سرور حاصل ہوا اور وہ انقباض جاتا رہا۔ راقم الحروف (ولی محمد) کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حصول مقام توحید پر دلالت کرتا ہے اور یہ اسی کا شعبہ ہے۔

فرماتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ اسماء الٰہیہ مثل حی علیم وسمیع اور بصیر آفتاب و ماہتاب کی مانند روشن دائروں کی صورت میں میرے لئے متشکل ہوتے یکے بعد دیگرے طلوع اور غروب ہوتے تھے۔ پھر فرمایا بسیط سے سب سے زیادہ شکل دائرہ کی ہے اس لئے ان میں متمثل ہوتے۔

توسیع اوقات

فرماتے تھے ایک روز میں عصر کے وقت مراقبہ میں تھا مجھے غیبوبت حاصل ہوئی اس وقت کو مجھ پر چالیس ہزار سال کے برابر وسیع کر دیا اور اس مدت میں ابتداء خلقت سے قیامت کے روز تک کے احوال وافعال تمام ظاہر کئے۔ کاتب کا گمان ہے کہ ان کلمات کے ذیل میں یہ بھی فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کے حروف کی مسافت اتنے ہزار سال تھی۔

فرماتے تھے مجھے خواب میں دو اشخاص دکھائے ایک ذکر حق میں مستغرق اسے حق کے علاوہ کسی طرف کوئی التفات نہیں اور نہ ہی اپنی ذات کی طرف اور دوسرا اس سے اکمل اور اتم اور وہ اس کے باوجود اپنا اور دوسری دنیا کا شعور رکھتا تھا اور ظاہری اور باطنی آداب سے بھی پورے طور پر آراستہ تھا۔ اس وقت مجھے الہام ہوا کہ اول ذات حق میں فانی ہے اور دوسرے کے حال کو آیۂ کریمہ لنحیینہ حیوۃ طیبہ ظاہر کر رہی ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے مکمل بے خودی اور فنا حاصل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے فلاں بندے کو تلاش کرو۔ انہوں نے زمین میں تلاش کیا وہ نہ ملا۔ آسمانوں میں تلاش کیا اسے نہ پایا۔ بہشت میں جستجو کی نہ ملا۔ پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے خطاب فرمایا۔ کہ جو شخص مجھ میں گم ہو گیا وہ زمین و آسمان اور جنت میں نہیں مل سکتا۔

فرماتے تھے ایک رات خواب میں میں نے جنت کو دیکھا گویا کہ میں اس کے وسط میں کھڑا ہوں اور اس کی حور و قصور کو دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا ہم نے تو حور و قصور کو دل سے نکال دیا تھا اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی طلب میں یک جہت ہوئے یہ کیا ہوا کہ اس جگہ مقصود حقیقی دکھائی نہیں دیتا۔ تمام حور و قصور ہیں۔ اس وقت مجھ پر گریہ وزاری

نے غلبہ کیا وہاں کے باشندے آتے تھے اور اپنے دامن یا آستین میں مجھے لیتے تھے اور کہتے تھے یہ خوشی و مسرت کی جگہ ہے۔ گریہ و غم کی جگہ نہیں ہیں سختی سے دامن جھٹک دیتا تھا اور ان سے اعراض کرتا تھا۔ آخر کار انہوں نے کہا ہم تجھے منصور و تیرے معبود کی قسم دیتے ہیں ہمیں بتلائیے۔ رونے کا سبب کیا ہے۔

میں بے چین ہو گیا۔ میں نے ان اسرار میں سے کچھ بیان کیا۔ اسی وقت حق سبحانہ و تعالےٰ نے الہام کیا کہ تو نے ہماری کتاب میں نہیں پڑھا کہ کانت لھم جنت الفردوس نزلا۔ نزل وہ ہے جو مہمان کے لئے تیار کرتے ہیں تاکہ وہ اس پر بیٹھے۔ پھر اس کی ضیافت کا ذکر کرتے ہیں۔ پس تو اس قدر گریہ زاری کیوں کرتا ہے۔ سید نور علی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں بیٹھا ہوا تھا اور دل کو حضور میں مشغول رکھے ہوئے تھا۔ اسی اثنا میں ایک سیاہ شخ تاریکی میں ظاہر ہوا۔ میں نے سمجھا جن ہے جو مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ میں قوی ہمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ میں اسے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسی ہمت کی طرف سے مجھ پر حملہ آور ہوا اور میرے دل کو گھیر لیا میں پریشان ہو گیا اور اطمینان کلی طور پر جاتا رہا۔ ہر لمحہ وہ مجھ پر غالب آتا تھا۔ کفر و فسق اور معتقدات اسلامیہ میں شک کی دعوت دیتا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت والا سے استمداد کی دوبارہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں اس عبارت کا الہام ہوا۔ د العشق حالات عجیبہ وغریبہ وطریقہ مخسوفۃ وعظیمۃ ؎

ماپروریم دشمن و ما می کشیم دوست جرأت کسے کہ جرح کند در قضائے ما

(ہم دشمن کی پرورش کریں یا دوست کو قتل، ہمارے فیصلہ پر کون جرح و تنقید کر سکتا ہے) کبھی بالمواجہ عتاب کرتے ہیں اور کبھی بالموافقت شراب دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ کریں تو لوازم عشق باقی نہیں رہتے اور اگر وہ نہ کریں تو حیات مطلق باقی نہیں رہتی۔ یفعل اللہ ما یشاء وھو العلیم الحکیم (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ علیم و حکیم ہے) انہیں یہ بھی الہام ہوا کہ ان مصائب کو دور کرنے کے لئے اس دعا سے تمسک کرنا چاہئیے یا لطیف ادرکنی بلطفک الخفی اور درود شریف بکثرت پڑھنا چاہئیے۔

مقام اولیاء اس فقیر (ولی اللہ) نے شیخ فقیر اللہ جو حضرت والد کے پرانے خادم

ہیں اور اس قصہ میں حاضر اور قاصد رہے ہیں سے سنا ہے کہ محمد فاضل کے رشتہ داروں میں سے ایک عورت رابعہ نامی کے بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا اس کے متعلق حضرت والا سے استمداد کی انہوں نے دعا فرمائی اور توجہ دی لڑکا پیدا ہوا۔ جب وہ سات ماہ کا ہوا اس کا نزع کا وقت آگیا۔ اس وقت حضرت والد اکبر آباد میں تھے۔ اسی وقت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے دل میں الہام ڈالا کہ یہ شخص جو تمہارا متوسل تھا اس کا آخری وقت آگیا اس کے عوض تمہیں بہت زیادہ اجر عطا فرمایا ہے محزون ومتالم نہ ہو اور اس فکر میں نہ رہ پھر افاقہ ہوگیا بہت متامل ہوئے کہ وہ متوسل کون ہے۔ دوبارہ منکشف ہوا کہ وہ رابعہ کا لڑکا ہے جو فلاں وقت میں فوت ہوگیا حضرت والد نے انہیں کو بھیجا تاکہ محمد فاضل کو اس قصہ سے آگاہ کرے اور مراسم تعزیت بجالائے۔ محمد فاضل نے اس واقعہ کو مع وقت وتاریخ کے کاغذ پر نوٹ کرلیا۔ ایک ہفتہ کے بعد خط پہنچا جو بے کم وکاست اس کے موافق تھا۔

بدعتی کی صحبت

فرماتے تھے میں نے ایک صاحب کشف بزرگ کے حالات سنے تھے میں نے اس سے استفادہ کرنے کا ارادہ کیا میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ بدعتی ہے۔ اس کے گھر میں نہیں جانا چاہیئے۔ میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ دوسری بار یہی خیال میرے دل میں ڈالا گیا۔ میں نے پھر اسے ذہن سے نکال دیا اور جانے کے لئے اُٹھا، پتھر، لکڑی، کیچڑ اور پانی کسی سبب کے بغیر میرا پاؤں پھسلا میں گر پڑا۔ اور مجھے سخت چوٹ آئی۔ مجھے الہام ہوا کہ اگر پہلے خیال کی اتباع کرتا اس قدر تکلیف تمہیں نہ پہنچتی۔

حضرت والد فرماتے تھے مجھے الہام ہوا ہے کہ تمہارا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا

حضرت والد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے اجمالاً بتایا گیا کہ آج تمہیں ایک نعمت ملے گی۔ میں سیر کے لئے نکلا شہر کے ایک حصہ میں میرے دل نے گواہی دی کہ تیرا مطلوب اس جگہ ہے میں نے پوچھا یہاں کوئی درویش یا فاضل شخص ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں فلاں درویش اس جگہ رہتا ہے میں اس کی ملاقات کے لئے گیا۔ اس نے کہا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا جبہ مجھے تبرک ملا ہے اور آج رات مجھے حکم ہوا ہے کہ آج جو شخص تمہارے پاس آئے یہ تبرک اس کو

سے دور ہیں نے وہ جبہ لے کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک بار تعیین قبلہ میں گفتگو شروع ہو گئی والد ماجد نے فرمایا ہم جو کچھ چشم وجدان سے مشاہدہ کرتے ہیں اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، ہمیں اس طرف رخ کر کے کھڑا ہونا چاہیئے اور بائیں طرف قدرے پھر گئے۔

خاصیت ذکر اسم ذات

فرماتے تھے میں اسم ذات کا ذکر کر رہا تھا میں نے بعض ملائکہ کو دیکھا کہ میرے گرد بیٹھے ہوئے تسبیح و تقدیس اور تحمید و تکبیر میں مشغول ہیں میں نے انہیں کہا کہ میرے اور زیادہ قریب آؤ اور میرے ساتھ ذکر میں شریک ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے نزدیک آنے اور ذکر میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

فرماتے تھے ابتدائی حالات میں بازاری لوگوں کی آوازیں مجھے اسم ذات کی صورت میں سنائی دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے نیا جوتا پہنا۔ چلتے وقت اس سے آواز پیدا ہوتی تو میں جل جلالہ کہتا لوگ حیران ہوتے تھے۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں پہلت میں تھا مجھے ایک درجہ دکھایا گیا کہ یہ مقام اس شخص کا ہے جو آج تمہاری بیعت کرے گا۔ اس دن ایک عورت بیعت کے لئے تیار ہوئی اور شیرینی وغیرہ بھی جیسا کہ دستور ہے مہیا کر لی مجھے حیرت سی ہوئی کہ یہ عورت اس درجہ کے لائق نہیں زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اسے عورتوں کا عارضہ ہو گیا اور یہ دولت حاصل نہ کر سکی۔ ایک دوسری صالحہ عورت نے وہ تمام چیزیں اس سے خرید لیں اور بیعت کی۔

شرف اقتدار

فرماتے تھے کہ ایک دفعہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آج اس نماز میں جو شخص تیری اقتدا کریگا وہ بخشا جائیگا۔ جماعت میں ایک شخص تھا جس کے متعلق میرا دل گواہی دیتا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے جب تکبیر کہی گئی تو اتفاقاً اس کا وضو ٹوٹ گیا جب وہ واپس آیا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک دوسرا اجنبی شخص آیا اور وہ نماز میں شریک ہو گیا۔

فرماتے تھے ابتدا میں میرا ارادہ ہوا کہ مسلسل روزے رکھوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک

روٹی عنایت فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطور خوش طبعی کہا الہدایا مشترک
میں نے وہ روٹی آپ کی خدمت میں پیش کردی ۔ انہوں نے اس میں سے ایک ٹکڑا لے لیا۔
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ الہدایا مشترک ۔ ان کی خدمت میں بھی پیش کردی انہوں
نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ الہدایا مشترک ۔ ایک ٹکڑا انہوں
نے لے لیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ الہدایا مشترک ۔ میں نے عرض کی اگر اسی
طرح یہ روٹی تقسیم ہوتی رہی تو میرے حصہ میں کیا آئیگا ۔ انہوں نے ہاتھ روک لیا۔ پھر میں
بیدار ہوگیا اور ایک مدت تک میں سوچتا رہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نوبت معذرت
کرنے میں کیا نکتہ تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ اس قسم کے امور وقائع میں رابطہ کا متمثل ہونا چونکہ حضرت
ابوبکرؓ کے ساتھ سلسلہ نقش بندیہ ملتا ہے ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلسلۂ نسب ملتا ہے
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امہات کی طرف سے نسب ملتا ہے اور طریقۂ نقش بندیہ اور
دوسرے سلسلے بھی آپ سے ملتے ہیں اور بعض وقائع میں آنجناب سے فیض حاصل کیا ہے
اس لئے یہ معاملہ واقع ہوا اور چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان امور میں سے کوئی رابطہ
نہیں تھا۔ یہ صورت ظاہر ہوئی ۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے ماہ رمضان میں ایک دن میں نے سخت مشقت کی جس کی وجہ سے مجھ پر سخت
کمزوری طاری ہوگئی قریب تھا کہ میں اس بناء پر افطار کر دیتا اور فضیلت صوم کے
فوت ہونے کا مجھے بہت غم ہوا۔ اس اندوہ میں مجھے اونگھ آگئی ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے بہت لذیذ اور خوشبودار کھانا جسے ہندی زبان میں زردہ پلاؤ کہتے ہیں،
عنایت فرمایا۔ میں نے سیر ہو کر کھایا پھر بہت ہی لطیف ٹھنڈا پانی عنایت فرمایا میں نے سیر ہو
کر کھایا پھر میں بیدار ہوگیا بھوک اور پیاس تمام زائل ہو چکی تھی اور سیر شکمی حاصل ہوگئی تھی میرے
ہاتھ میں ابھی تک زعفران کی خوشبو باقی تھی بعض عقیدت مندوں نے اسے احتیاط سے دھو
کر رکھ لیا اور برکت اور تبرک کے طور پر اس سے روزہ افطار کیا۔

فرماتے تھے ایک بار میں نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا کہ یاقوت
سرخ کی مسجد ہے جو آئینہ کی مانند شفاف ہے ۔ وہاں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم مراقبہ کی صورت

بیٹھے ہوئے ہیں اور صحابہ کرام رضا اور اولیائے کاملین بھی آپ کے گرداگرد مراقبہ کی ہیئت میں صف باندھے ہوئے ہیں۔ جب میں اس پردۂ یاقوتی کے پاس جو مسجد کے دروازہ پر لٹکا ہوا تھا پہنچا۔ تو حضرت غوث الاعظم رح اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرارہما اٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے متعلق مناظرہ کرنے لگے۔ حضرت غوث الاعظم رح نے فرمایا کہ اس شخص کے آباؤ اجداد میرے خلفاء کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں میں اس سے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا یہ شخص میرے خلفاء سے تربیت یافتہ ہے میں اس سے زیادہ نزدیک ہوں یعنی خواجہ محمد باقی باللہ کے خلیفہ شیخ رفیع الدین سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ یہ مناظرہ طویل ہو گیا۔ مجھے خوف پیدا ہوا کہ یہ صحبت ختم ہو جائے گی اور اس فیض سے محروم رہونگا۔ آخر کار غوث الاعظم رح نے فرمایا۔ اس قدر مناظر کیوں کرتے ہو جبکہ ہمارے اور تمہارے طریق میں چنداں فرق نہیں ہے خواجہ نقشبند نے فرمایا اگر فرق نہیں ہے تو میں اس امر کے درپے کیوں نہ ہوں۔

حضرت غوث الاعظم رح نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اسے اندر لے جائیں لیکن در اصل وہ مجھ سے ہے۔ اور میں اسے اپنی نسبت سے بہرہ ور کروں گا۔ اور یہ تمام مناظرہ ایسے حسن ادب کے ساتھ ہوا کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ چنانچہ خواجہ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد میں داخل کیا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقابل صف میں قدرے آگے بٹھایا اور خود میرے ساتھ برابر میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں سوائے اس کے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراقبہ سے سر اٹھائیں تو سب سے پہلے مجھ پر نظر مبارک پڑے اور جب کوئی پوچھے کہ تجھے کون لایا ہے تو کہیں میں اسے لایا ہوں۔ خواجہ نقشبند نے اس خیال سے واقف ہو کر فرمایا۔ یہی سبب ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور بہت سے اعزازات سے نوازا اور راقم الحروف (ولی اللہ) کا گمان ہے کہ اس واقعہ کا اختتام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم والد ماجد کو خلوت میں لے گئے۔ اور نفی و اثبات کی عجیب انداز سے تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم

فرماتے تھے کہ "انا ملیح واخی یوسف اصبح" کی حدیث سے میرے دل میں حیرت ہوتی تھی کیونکہ ملاحت عشاق کے لئے صباحت سے زیادہ قلق و اضطراب کا باعث ہے۔ اور منقول ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام لباس فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو بہت سے لوگ جمال

یوسفی کو دیکھ کر مر جاتے تھے اور یہ حقیقت سید الرسل سے مروی نہیں چاہیئے تھا کہ معاملہ برعکس ہوتا۔ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس نکتہ کے متعلق میں نے پوچھا۔ فرمایا اللہ نے میرا جمال غیرت کی وجہ سے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور اگر ظاہر ہوتا تو ہر شخص اسی طرح کرتا جس طرح یوسف علیہ السلام کے دیکھنے والوں نے کیا۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے اثر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک یا دو بار دیکھا ہے کا کیا مفہوم ہے۔ ان کی استعداد کے مطابق آپ کے جمال کا کچھ حصہ ان پر ظاہر ہوا ہوگا۔

فرماتے تھے کہ میں نے حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ میری طرف متوجہ ہوئے آپ کی توجہ گرامی کی برکت سے میں مقامات اولیاء کو عبور کرتا تھا اور انہیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ میں اس مقام تک پہنچ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ولی اس جگہ سے نہیں گزر سکتا۔ میں نے عرض کی فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر وہ ناممکن بات جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوں ممکن ہو جاتی ہے عجب نہیں کہ عدم استعداد کے باوجود اس مقصد کا چہرہ زیبا جلوہ گر ہو۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری روح کو اپنی روح میں لے لیا اور مقام صدیقیت جو ولایت کی انتہا ہے سے گزار دیا گیا۔ پھر ایک برزخ ظاہر ہوا گویا دریائے آتش ہے کہ کوئی ولی اس میں سے نہیں گزر سکتا۔ اس کے بعد سابقہ مقامات جو میں ولایت میں پیچھے چھوڑ آیا تھا منکشف ہوتے تھے۔ صبر گذشتہ صبر کی مانند، توکل سابق توکل کی مانند۔ فرق یہ تھا کہ یہ حقیقی تھے اور وہ گذشتہ مجازی، یہ اصول تھے اور گذشتہ تماثیل اور اشباح تھے۔ راقم الحروف (ولی اللہ) نے "ضمن گرفتن" کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا میں نے محسوس کیا کہ میرا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متحد ہو گیا ہے اور خارج میں الگ نہیں رہا سوائے اس بات کے کہ میرا علم میرے ساتھ ہے۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس فقیر کے نزدیک اس واقعہ میں دریائے آتشیں میں متمثل ہونے کو سمجھنا ایک مقدمہ پر منحصر ہے۔ واضح ہو کہ نبوت کا سبب ازلیہ عنایت کی توجہ ہے، جو مصلحت کلیہ سے بیدار ہو کر پیغمبر اور اس کی قوم کا رخ

کرتی ہے جیساکہ اس کی توجہ واقعات عظیمہ طوفانوں اور قیامت وغیرہ کی طرف ہوتی ہے اور اولیائے کرام کا ہر کمال ان کے نفوس عالیہ کی استعداد پر منحصر ہے اور بس۔ یہاں اس نفس کی مصلحت کے علاوہ کسی اور چیز کا لحاظ نہیں رکھا گیا لیکن انبیاء علیہم السلام ان کی نبوت تدبیر عالم کی مصلحت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ پہلا عالم انفس ہے۔ اس میں کسب و محنت کو بھی دخل ہے اور دوسرا یعنی مصلحت تدبیر عالم آفاق میں کسب کو دخل نہیں، حکم اول کے لئے جدا استعداد ہے اور حکم ثانی کے لئے دوسری استعداد ہے۔ بس کمال اول کی استعداد کے اعتبار سے کمال ثانی کا ممتنع الحصول ہونا آگ کے دریا کی صورت میں متمثل ہوا۔ واللہ اعلم۔

حضرت والد فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے بخار آگیا اور اس بیماری نے طول پکڑا اور زندگی سے ناامید ہوگیا۔ مجھے اونگھ آگئی۔ اس غنودگی میں حضرت شیخ عبدالعزیز ظاہر ہوئے فرماتے تھے، بیٹا! حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری عیادت کے لئے تشریف لا رہے ہیں اور ممکن ہے آپ اس طرف سے تشریف لائیں اور تمہارے پاؤں اس طرف ہیں تیری چارپائی کو اس طرح رکھنا چاہیئے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ مجھے افاقہ ہوا۔ بات کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی۔ میں نے حاضرین کو اشارہ کیا۔ انہوں نے میری چارپائی اس طرف پھیر دی۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا "کیف حالك یا بنی" بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟ ان الفاظ کی حلاوت مجھ پر غالب آگئی۔ عجیب وجد اور آہ و بکا مجھ سے ظہور ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ کی ریش مبارک میرے سر پر تھی آپ کی قمیص مبارک آنسو سے تر ہوگئی۔ آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آگیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ ایک عرصہ سے مجھے موئے مبارک کی آرزو ہے کس قدر عظیم کرم ہو اگر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں۔ آپ اس خیال سے واقف ہو گئے۔ ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور موئے مبارک میرے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔ میرے دل میں گزرا یہ دونوں بال بیداری میں میرے پاس رہیں گے آپ اس خیال سے بھی واقف ہو گئے فرمایا یہ دونوں بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صحت کلی اور طویل زندگی کی بشارت دی۔ پھر مجھے افاقہ ہوگیا۔ میں نے چراغ طلب کیا۔ وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں نہیں تھے۔ میں غمگین ہوگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں توجہ کی مجھ پر

غنودیت طاری ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متمثل ہوئے۔ فرمایا میرے بیٹے! تجھے آگاہ ہونا چاہیئے کہ میں نے وہ دونوں بال احتیاط کے طور پر تمہارے تکیہ کے نیچے محفوظ کر دیئے ہیں وہاں سے تو انہیں حاصل کرے گا۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے انہیں وہاں سے لے کر عزت و احترام سے ایک جگہ حفاظت رکھ لیا اس کے بعد بخار بالکل جاتا رہا اور مجھ پر کمزوری طاری ہوگئی۔ اقربا نے سمجھا یہ موت کی برودت ہے۔ وہ روتے تھے اور مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی میں سر سے اشارہ کرتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میری اصلی طاقت لوٹ آئی اور مجھے صحت کلی حاصل ہوگئی۔ ان کلمات کے ضمن میں فرماتے تھے کہ ان موئے مبارک کے خواص میں سے ایک یہ تھی کہ وہ پہلے آپس میں گھتے ہوئے ہوتے تھے جب درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ منکرین میں سے تین اشخاص نے امتحان کرنا چاہا۔ میں اس بے ادبی کی اجازت نہیں دیتا تھا جب مناظرہ نے طول کھینچا تو موئے مبارک دھوپ میں لے گئے۔ اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ دھوپ بڑی تیز تھی اور بادل کا موسم بھی قطعاً نہیں تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے توبہ کی۔ دوسرے نے کہا کہ یہ اتفاقیہ قصہ ہے۔ دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں نکالا۔ دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا دوسرے نے بھی توبہ کر لی تیسرے نے کہا یہ بھی اتفاقیہ بات ہے۔ تیسری مرتبہ پھر دھوپ میں لئے گئے تیسری مرتبہ بھی بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تیسرے نے بھی توبہ کی۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ زیارت کیلئے باہر لایا بہت بڑا مجمع تھا ہر چند میں قفل میں چابی لگاتا تھا مگر وہ نہیں کھلتا تھا۔ کوشش کرتا مگر کامیاب نہ ہوتا تھا میں اپنے دل کی طرف ہوا معلوم ہوا کہ فلاں جنبی ہے اسکی جنابت کی نحوست سے کامیاب نہیں ہو رہے ہیں نے عیب پوشی کرتے ہوئے تمام کو تجدید غسل کرنے کے لئے کہا جنبی اس مجمع سے نکل گیا اس کے بعد آسانی سے کھل گیا تو ہم نے زیارت کی ——— حضرت والد آخری عمر میں تبرکات تقسیم فرماتے تھے۔ ان دو بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا والحمد للہ رب العالمین۔

صفاتِ الٰہیہ کا ظہور

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ جب میں نے صفات الٰہیہ کے کمال ظہور کو اس مظہر اتم میں مشاہدہ کیا تو میں سجدہ میں گر پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں میں انگلی دبالی اور اس صورت سے منع فرمایا۔ بارہا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس صورت میں

منع کرنے میں کیا نکتہ ہوگا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ آدمی کو سجدہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک اس کے معبود ہونے کے اعتبار سے اول وہ کفر ہے۔ دوسرا اس میں صفات الٰہیہ کے ظہور کے مشاہدہ سے اور یہ منع ہے۔ کیونکہ یہ کفر سے مشابہہ ہے پس ان دو سجدوں کے درمیان فرق کو اس صورت سے منع فرمایا۔ جو تصریح سے بھی زیادہ واضح ہے۔

سید کا مقام

فرماتے تھے کہ ایک شخص کے سید ہونے میں مجھے تردد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑے پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ بڑی مہربانیاں فرمائیں اور فرمایا پلنگ کے نیچے دیکھو میں نے دیکھا کہ وہ شخص نیچے سویا ہوا ہے۔ فرمایا اگر وہ سیادت کی قرابت نہ رکھتا تو اس جگہ نہ ہوتا۔

فضیلت درود شریف

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم اور معرفت کے مطابق درود پیش کرتا ہے۔ میں نے بھی "اللهم صل علیٰ محمد ن النبی الامی وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ وبارك وسلم" پیش کیا۔ جب آپ نے اسے سُنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر انتہائی خوشی و مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے دنوں میں مجھے کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز پکائی جا سکے۔ کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز تقسیم کئے۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انواع واقسام کے کھانے پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ بڑی خوشی و مسرت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں طلب فرمایا۔ ان میں سے کچھ لے کر تناول فرمائے اور باقی ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اسی قصہ کی مانند پہلے بزرگوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ عجب نہیں کہ توارد ہوا ہو۔

فرماتے تھے میں نے خواب میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو ایک راستہ میں دیکھا کہ یاقوت سرخ کی بہل پر سوار ہیں جس کے آگے گھوڑے نہیں ہیں بلکہ محض قدرت الٰہی سے چل رہی ہے میں ان کے ساتھ چل رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ آؤ ہمارے ساتھ بھی ہیں

بیٹھ جاؤ لیکن میں ادب کے مارے ایسا نہیں کر رہا تھا آخر کار انہوں نے مزاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بگھی کا پردہ گرا دو۔ میں پائیدان پر چڑھا اور پردہ کو نیچے گرانا چاہا۔ اس وقت میرا ایک ہاتھ حضرت امام حسین اور دوسرا حضرت حسن رضی اللہ عنہما نے مضبوطی سے پکڑ لیا اور مسکرائے۔ اور فرمایا اب تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی میں اس شخص کا حال کیا بیان کر سکتا ہوں جس کے دونوں ہاتھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرۃ العینین کے ہاتھوں میں ہوں۔ پھر بگھی میں بٹھا کر بڑی خوشی سے گھر تک لائے۔ وہاں حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ سے التماس کی کہ وہ نسبت جو ہم فقرا حاصل کرتے ہیں وہی ہے جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کرتے تھے یا زمانہ کی گردش سے تبدیل ہو گئی ہے۔ فرمایا تھوڑی دیر اپنی نسبت میں گم ہو جاؤ تاکہ میں اسے دیکھوں میں اپنی نسبت میں مستغرق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تیری نسبت بغیر کسی تفاوت کے وہی ہے۔

فرماتے تھے میں نے حضرت خواجہ معین الدین کو دیکھا گویا وہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں شمع جل رہی ہے۔ لیکن فتیلہ کو متحرک کرنا چاہیئے۔ تاکہ عمدگی سے جلے۔ آپ نے مجھے اس کام کے لئے فرمایا میں نے ایسے ہی کیا۔ پھر اپنی مخصوص نسبت عطا فرمائی اور اس خواب کی تعبیر اجازت دینا تھی۔ فرماتے تھے خواب میں مجھے سلاسل اولیاء دکھلائے گئے۔ گویا کہ ایک وسیع بازار ہے جس میں مخصوص دکانیں ہیں۔ ہر دکان میں صاحب طریقہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ میں ان کے پاس سے گزرتا ہوا حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی دکان پر پہنچا میں اس جماعت میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں نصوص کی عبارت "الاعیان ما شمت رائحۃ الوجود" پر بحث ہو رہی تھی۔ ہر شخص دوسرے سے الگ مفہوم بیان کرتا ہے۔ میری باری آئی تو میں نے بھی معنی بیان کئے۔ حضرت غوث اعظم یہ مفہوم سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اس بیچارہ کی یہی غرض تھی اس واقعہ کو مدت ہو گئی لیکن ابھی تک فارسی کے یہ الفاظ میرے حافظہ میں ہیں۔ پھر اس مجلس سے اُٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمایا تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی خطرہ یا خدشہ ہے؟ میں نے عرض کی ہاں! اصحاب طرق میں سے ہر شخص نے مجھے بلاواسطہ اجازت فرمائی ہے مگر آپ نے نہیں فرمائی۔ فرمایا ہمارے خلفاء ہمارے حکم میں ہیں جب تم نے ان سے

اجازت حاصل کر لی تو گویا بلا واسطہ مجھ سے حاصل کی میں نے کہا بلا واسطہ کا لطف ہی الگ ہے۔ فرمایا میں بھی تجھے اجازت دیتا ہوں۔ میرے طریقہ سے لوگوں کو ہدایت دو۔ جب اشغال کی نوبت آئی تو فرمایا تم نے ابتدائی، درمیانی اور انتہائی اشغال کئے ہوئے ہیں۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے میرے دل پر توجہ ڈالی اور خاص نسبت عطا فرمائی۔ عرصہ گزرنے کے باوجود اب تک اس کی حلاوت میرے دل میں ہے۔ پھر میں آگے روانہ ہوا اور سلاسل کی سیر کرتا رہا وہاں بہت سے عجائبات دیکھتا تھا۔ آخر کار عرش کے نیچے پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک زنجیر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ اور خواجہ نقشبند اسے پکڑے ہوئے ہیں اور مستغرق ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے استغراق کی یہ وجہ ہے کہ آپ کے خلفاء زندہ ہوں یا مردہ، مخلوقات کی طرف توجہ کی مشقت و ریاضت کے لئے کافی ہیں۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند کی نسبت کو لطیفۂ سر میں زیادہ وسعت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے استغراق غالب آیا اور حضرت غوث الاعظم کی نسبت لطیفۂ روح میں زیادہ ہے۔ صوفیاء کی روحانی تربیت اسی سے ہے اور قدیم صوفیائے کرام کی نسبت لطیفۂ نفس میں زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے وہ سخت مشکل ریاضتیں کرتے تھے۔ فتدبر۔

بظاہر آپ نے لفظ بیچارہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ وہ نفوس جن میں ارشاد کی قوتیں زیادہ ہیں۔ علوم و معارف عجیبہ کی ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے میں خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت کے لئے گیا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے اپنی گنہگار آنکھوں اور آلودہ جسم کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہیئے ان کے مزار کے قریب چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا آگے آؤ میں دو تین قدم آگے چلا گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتوں نے ان کی قبر کے نزدیک ایک تخت اتارا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس تخت پر خواجہ نقشبند تھے۔ دونوں بزرگوں نے آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیں جو سنائی نہیں دیتی تھیں۔ پھر تخت فرشتے اٹھا کر لے گئے خواجہ قطب الدین میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا آگے آؤ۔ میں دو تین قدم اور آگے گیا۔ اسی طرح وہ فرماتے رہے اور میں آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ میں آپ کے بہت ہی قریب ہو گیا۔ پھر فرمایا تم شعر کے متعلق کیا کہتے ہو۔ میں نے جواب دیا۔ کلام حسنہ حسن قبیحہ قبیح۔ وہ ایک کلام ہے اس میں سے

جو اچھا ہے وہ بہتر ہے اور جو بُرا ہے وہ خراب ہے۔ فرمایا بارک اللہ
پھر آپ نے پوچھا خوبصورت آواز کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء یہ خدا کی مہربانی ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ فرمایا بارک اللہ جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ نور علیٰ نور یھدی الله لنورہٖ من یشاء۔ فرمایا بارک اللہ۔ جو کچھ ہم کرتے تھے وہ اس سے پہلے نہیں تھا۔ تم بھی کبھی کبھار ایک دو بیت سن لیا کرو۔ میں نے عرض کی خواجہ نقش بند کے ہوتے ہوئے آپ نے یہ بات کیوں نہیں کی۔ ان دو الفاظ میں سے ایک فرمائے "ادب کے خلاف تھا یا مصلحت نہیں تھی"۔ فرماتے تھے اس واقعہ کو مدت ہو گئی ہے۔ اس لفظ کی تعیین ذہن سے نکل گئی ہے۔

فرماتے تھے دوسری مرتبہ ان کے مزار کی زیارت کے لئے گیا۔ ان کی روح ظاہر ہوئی۔ اور فرمایا۔ تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہو گا اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔

چونکہ میری بیوی سن ایاس کو پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے خیال گزرا کہ اس سے مراد بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا ہے۔ وہ خیال سے آگاہ ہو گئے فرمایا میرا یہ مقصد نہیں ہے۔ یہ فرزند تیری پشت سے پیدا ہو گا۔ ایک مدت کے بعد دوسری شادی کا خیال پیدا ہوا۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) پیدا ہوا میری پیدائش کے وقت یہ واقعہ ان کے ذہن سے اُتر گیا۔ میرا نام انہوں نے ولی اللہ رکھ دیا۔ پھر عرصہ کے بعد یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا۔ کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ عالم تکلیف نہیں ہے وضو اور نماز کا کیا معنی ہے۔ فرمایا دنیا میں ہم یہ کام بہت کیا کرتے تھے۔ اب اس سے لذت حاصل ہوتی ہے پس ان امور کی ادائیگی حصول لذت کے لئے ہے کسی فرض کی وجہ سے نہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد ارواح جمع ہو گئیں اور مجلس مذاکرہ شروع ہو گئی۔ انہوں نے مجھے فرمایا تم بھی شامل ہو جاؤ۔ میں نے کہا۔ میں مجلس میں نہیں بیٹھوں گا۔ فرمایا ہماری مجلس دوسری مجالس کی طرح نہیں ہے۔ میں اس مجلس میں حاضر ہو گیا۔ اس محفل میں وجد بھی تھا۔

اعانت اولیاء۔ فرماتے تھے اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی کے دوران

راستہ میں ایک لمبے کوچے سے میرا گزر ہوا۔ اس وقت میں شیخ سعدی کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا اور خوب ذوق و شوق حاصل تھا ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است — جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشو تو لوحِ دل از نقش غیرِ حق — علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است

چوتھا مصرع میرے ذہن سے نکل گیا۔ اس سبب سے میرے دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا۔

اچانک ایک فقیر منش، دراز زلف، ملیح چہرہ، پیر مرد ظاہر ہوا اور کہا ؎

علمے کہ راہ بحق ننماید جہالت است

میں نے کہا جزاک اللہ خیر الجزاء۔ آپ نے میرے دل سے بہت بڑی بے چینی اور اضطراب کو دور فرمایا۔ پھر میں نے ان کی خدمت میں پان پیش کیا، مسکرائے اور فرمایا، کیا یہ یاد دلانے کی اجرت ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، بلکہ یہ شکرانہ ہے۔ فرمایا میں نہیں کھاتا۔ پھر فرمایا مجھے جلد جانا چاہیئے۔ میں نے کہا میں بھی جلد چلوں گا۔ فرمایا میں بہت جلد جانا چاہتا ہوں۔ قدم اٹھا کر کوچہ کے آخر میں رکھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ روحِ مجسم ہے۔ میں پکار اٹھا۔ مجھے اپنے نام سے تو آگاہ کیجیے تاکہ فاتحہ پڑھ سکوں۔ فرمایا سعدی یہی فقیر ہے۔

سرخیل مجاذیب فرماتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ساتویں آسمان میں ہوں۔ وہاں میں نے ایک شخص کو کپڑا لپیٹے ہوئے سوتے ہوئے دیکھا جس سے محبت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجذوبوں کا سردار ہے اور ہر مجذوب کو اس سے امداد پہنچتی ہے۔ بظاہر یہ مجذوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے ہو گزرا ہے۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ممکن ہے وہ مجاذیب کیلئے تربیت الٰہیہ کی مثالی صورت ہو اور اس نسبت کے استیلا کا راز ہو جو عقل کو مختل کرنے والا ہے۔

دعوتِ ولی اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد مخدوم شیخ اللہ دیہ کے مزار کی زیارت

کے لئے ڈاسنہ میں گئے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اسی جگہ آپ نے فرمایا۔ مخدوم صاحب ہماری دعوت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کچھ کھا کر جائیں۔ وہاں آپ نے توقف فرمایا یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی۔ احباب پر ملال طاری ہوا۔ اچانک ایک عورت آئی جس کے سر پہ میٹھے چاولوں کا تھال تھا۔ اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند گھر آئے گا میں اسی وقت کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیہ کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی۔ اسی وقت شوہر گھر پہنچا ہے۔ میں نے اپنی منت پوری کی ہے۔ میری خواہش تھی خدا کرے اس وقت درگاہ میں کوئی موجود ہو۔ تاکہ وہ کھانا کھائے۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں سیر کرتا ہوا بہت ہی خوبصورت مقبرے میں پہنچا تھوڑی دیر وہاں قیام کیا۔ اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ اس جگہ میرے علاوہ کوئی شخص عبادت نہیں کر رہا۔ یہ خیال آتے ہی ایک کوز پشت شخص ظاہر ہوا جو پنجابی زبان میں گا رہا تھا جس کا مفہوم یہ تھا "دوست کے دیدار کی آرزو مجھ پر غالب آ گئی"۔ میں اس کے نغمہ سے متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھا میں جس قدر اس کے نزدیک ہوتا تھا وہ مجھ سے دور ہوتا تھا۔ پھر اس نے کہا تیرا خیال تھا کہ اس جگہ تیرے بغیر کوئی ذاکر نہیں ہے۔ میں نے کہا میری اس سے مراد زندوں میں سے تھا اس نے کہا کہ اس وقت تم نے مطلق تصور کیا تھا اور اب اس کی تخصیص کرتے ہو۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ فرماتے تھے حضرت بایزید گو نے زیارت حرمین کا ارادہ کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے کمزور، بچے اور عورتیں بھی نکل کھڑے ہوئے۔ سواری اور زادِ راہ کا کوئی انتظام نہیں تھا میں نے اور مخدومی بھائی صاحب نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ واپس لائیں۔ جب ہم تغلق آباد کے قریب پہنچے دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ ہم ایک سایہ دار درخت کے نیچے اترے، تمام احباب سو گئے میں ان کے کپڑوں کی حفاظت کے لئے جاگتا رہا۔ اسی اثناء میں میں نے چند سورتیں تلاوت کیں وہاں چند قبریں تھیں۔ صاحب قبر باتیں کرنے لگا۔ اس نے کہا، عرصہ ہوا قرآن نہیں سنا اور میں اس کے سننے کا بڑا مشتاق ہوں اگر کچھ اور تلاوت کریں تو بڑا احسان ہو گا۔ میں نے کچھ اور پڑھا جب میں خاموش ہوا۔ اس نے پھر درخواست کی تیسری بار بھی پڑھا۔ پھر وہ مخدومی برادر گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے۔ کو خواب میں ظاہر ہوا اور کہا میں نے انہیں بار بار تلاوت کے لئے کہا

انھوں نے قبول کیا۔ اب مجھے انہیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اور میرا شوق باقی ہے۔ آپ ان سے کہیں کہ کچھ زیادہ پڑھیں۔ وہ بیدار ہوئے اور مجھے کہا میں نے زیادہ تلاوت کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس صاحب قبر کو بہت خوش پایا۔ اس نے کہا جزاک اللہ عنی خیر الجزاء۔ پھر میں نے اس سے عالم برزخ کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا مجھے ان قبور میں سے کسی کا حال معلوم نہیں لیکن اپنا حال بیان کرتا ہوں۔ جب سے میں نے دنیا سے انتقال کیا ہے اس وقت سے کوئی عذاب یا عتاب نہیں دیکھا۔ اگرچہ بہت زیادہ نعمتیں بھی نہیں۔ میں نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کے طفیل تم نے نجات پائی۔ اس نے کہا تمام عمر میری نیت رہی کہ تعلقات دنیاوی سے الگ ہو جاؤں اور طاعات و اذکار کی رکاوٹوں کو ترک کر دوں۔ اس نیت کی برکت سے نجات پائی اگرچہ تمام عمر یہ نیت پوری نہ ہو سکی۔ حق تعالیٰ نے مہربانی سے اسی نیت کو قبول فرما لیا۔ قیلولہ کے بعد شیخ بایزید سے ملے اور انہیں واپس لائے۔

فرماتے تھے ایک روز خواجہ قطب الدین کے مزار کے نواح میں سیر کر رہا تھا میں نے ایک قبر جس کے ذکر سے زمین کے اجزاء ساتویں زمین تک فضا کے اجزاء عرش تک تمام ذاکر ہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ فضیلت مآب شیخ محمدؒ ساتھ تھے میں نے ان سے کہا آپ بھی اس قبر میں غور کریں۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا انہوں نے بھی تقریباً وہی بیان کیا۔ وہاں ایک بوڑھا کسان تھا میں نے اس سے پوچھا۔ اس نے کہا یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ میری عمر اسّی سال ہے۔ میرے باپ کی عمر سو سال تھی اور میرے دادا کی عمر ایک سو بیس سال تھی یا جیسا کہ اس نے کہا میں نے اپنے باپ سے سُنا۔ اس نے اپنے باپ سے سُنا کہ اس قبر پر ہجوم ہوتا تھا اور لوگ نذریں لایا کرتے تھے اور دُور دُور سے زیارت کو آتے تھے۔ خواجہ قطب الدین کے مزار کی طرح زائرین یہاں قیام کرتے تھے۔ پھر اس بزرگ پر گمنامی چھا گئی اور لوگ انہیں بھول گئے۔

فرماتے تھے ایک سفر کے دوران نماز کے وقت مجھے خیال آیا کہ قصر صلوٰۃ رخصت ہے۔ کبھی پوری نماز کی ادائیگی پر بھی عمل کرنا چاہیئے۔ اس طریق پر میں نے نماز پڑھی۔ جب رات ہوتی تو امام شافعی رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ بہت خوش ہیں اور میری طرف بہت التفات فرماتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ میرے والد شہید ہوئے تھے۔ بعض اوقات میرے لئے متشکل ہو جاتے تھے

اور موجودہ اور آئندہ کی خبریں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ برادر گرامی قدس سرہٗ کی لڑکی کریمہ بیمار ہو گئی اور اس کی بیماری لمبی ہو گئی۔ ان دنوں دوپہر کے وقت جبکہ میں تنہا حجرہ میں سویا ہوا تھا اچانک متمثل ہوئے اور کہا میں کریمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں لیکن اس جگہ اجنبی عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس جگہ جانا میرے دل پر بہت گراں گزرتا ہے۔ ان مستورات کو وہاں سے اٹھوا دو۔ چونکہ ان کا اٹھوانا ممکن نہیں تھا میں نے پردہ کھینچ دیا پس وہ کریمہ کی چارپائی پر اس طرح ظاہر ہوئے کہ میں اور کریمہ انہیں دیکھتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ کریمہ حیران ہوئی اور کہا حیرت ہے۔ لوگ انہیں شہید کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود زندہ ہیں فرمایا اسے چھوڑ دے اے فرزند! تو نے بہت بیماری دیکھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ علی الصباح صبح کی اذان کے وقت شفا کلی حاصل کرے گی یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازہ کا راستہ اختیار کیا میں بھی ان کے پیچھے جاتا تھا۔ فرمایا تم رہو اور غائب ہو گئے جب صبح کی اذان ہو گئی تو کریمہ کی جان قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت والد ماجد پھلت میں تھے عرس کا دن تھا۔ ایک بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے نغمہ شروع کر دیا کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی روح ظاہر ہو کر رقص کر رہی ہے اہل مجلس پر بھی اس کا کچھ اثر ہوا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ اہل مجلس کی حالت دگرگوں ہو گئی اور ہائے ہو کے عجیب و غریب نعرے بلند ہونے لگے۔

حضرت والد ماجد جب مخدومی شیخ محمد قدس سرہٗ کی قبر کے نزدیک بیٹھتے تو فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے علوم و معارف سنتی ہے۔ ایک مرتبہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض معارف بیان فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی روح نے کہا فلاں کو معرفت کی کچھ تعلیم دو۔ لامحالہ یہ بیان کیا گیا۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک بہت ہی طویل قامت مہیب شخص آیا۔ اس کے ہاتھ میں کمان اور چند تیر تھے اور سلام علیک کہا میں نے سلام کا جواب دیا پھر اس نے کہا۔ میں وبا پر موکل ہوں۔ آپ کی ملاقات کا شوق تھا ہماری فوج اس راستہ سے گزر رہی تھی میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو ملتا جاؤں۔ آج ہم فلاں جگہ سے اٹھے اور ہمیں حکم ہوا ہے کہ فلاں جگہ جائیں۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ آپ کے دوستوں اور مخلصین میں سے

کوئی شخص اس وبا میں نہیں مریگا۔ اس کے بعد سلام کر کے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد جس جگہ کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ بیماری وہاں منتقل ہو گئی اور ہمارے مخلصین اس وبا سے محفوظ رہے۔

فرماتے تھے۔ ایک روز حجرہ میں میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ایک جوان متمثل ہوا اور کہا اگر آپ چاہیں تو اسی وقت اس دنیا سے انتقال کر جائیں اور اگر چاہیں تو ایک مدت کے بعد، میں نے کہا بعض کمالات کی مجھے توقع ہے اور وہ ابھی حاصل نہیں ہوئے۔ اس نے کہا تو آپ کی موت متاخر ہو گئی ہے۔ پھر وہ واپس گیا۔ اس کی پشت پر میں نے گول دائرہ کی طرح مرصع جواہر دیکھے۔ یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

فرماتے تھے۔ شہر رہتک میں ایک مرتبہ سیر کے لئے نکلا۔ جب میں نے گرمی اور تھکاوٹ محسوس کی تو ایک مقبرہ میں آیا تاکہ وہاں کچھ دیر آرام کروں۔ مجھے وہاں داخل ہوتے ہی محسوس ہوا کہ ان قبور میں بہت بڑی آگ شعلہ زن ہے اور اس کی گرمی نے مجھے آپکڑا۔ میں نے دوستوں سے کہا اس جگہ سے فوراً باہر نکلو۔ کیونکہ یہ مقبرہ آگ سے بھرا ہوا ہے۔ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ یہاں کوئی مسلمان ہوگا۔ اس مجلس میں ایک ہندو موجود تھا۔ اس نے تعجب کیا اور کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ میں نے کہا کشف کے ذریعہ سے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں۔ یہ جوگیوں کی قبریں ہیں جو زندہ درگور ہوئے ہیں اور لوگوں نے ان کی قبریں مسلمانوں کی قبور کی طرح بنا دی ہیں۔

اولیاء کے ساتھ بحث

فرماتے تھے ایک صاحب کشف بزرگ سے جو بعض مسائل کے بارے میں اکثر مجھ سے جھگڑتے رہتے تھے میں نے معاہدہ کیا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی اس دنیا سے پہلے انتقال کر جائے وہ دوسرے کو ان مسائل کی حقیقت سے آگاہ کرے۔ اس بزرگ کی وفات کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ فردوس بریں میں بلند مقام پر فائز ہے اور گوناگوں نعمتوں سے بہرہ مند ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی بصارت کمزور ہے۔ میں نے بصارت کی کمی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اس کا باعث وہی عقیدہ ہے جس پر میں تمہارے ساتھ بحثیں کیا کرتا تھا۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ عبدالباقی لکھنوی ایک ایسا مرد تھا جس نے وحدت وجود کی بہت سی کتابیں دیکھی ہوئی تھیں قصور فہم کی وجہ سے طاعات اور اعتقاد اسلامیہ

میں ایک قسم کا تساہل کرتا تھا۔ اس کی وفات کی بعد حضرت والد اس کی قبر پر تھوڑی دیر بیٹھے اور فرمایا اس تساہل کی وجہ سے وہ ماخوذ ہے لیکن میں نے اس کی شفاعت کی ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اکبر آباد میں سردی اور بارش کے موسم میں سوار ہو کر جا رہا تھا، راستہ میں کیچڑ اور مٹی آگئی اور اس میں ایک کتے کا بچہ غرق ہوتا اور نکلتا تھا اور بہت زیادہ فریاد و فغاں کر رہا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا اور اس کی فریاد سُنی۔ میرے دل میں جوش پیدا ہوا، خادم کو میں نے کہا جاؤ اور اس کتے کے بچے کی مدد کرو۔ اس نے انکار کیا اور نفرت کا اظہار کیا میں گھوڑے سے اترا اور دامن لپیٹ کر اس کیچڑ کی طرف متوجہ ہوا۔ خادم نے جب یہ دیکھا تو تیزی کر کے اسے باہر نکالا، وہاں نزدیک ایک حمام تھا۔ وہاں سے میں نے گرم پانی لیا اور اسے دھویا، نانبائی سے روٹی اور شوربا لیا اور اسے پیٹ بھر کر کھلایا۔ پھر میں نے کہا یہ اس محلہ کا کتّا ہے اگر اہلِ محلہ اس کی دیکھ بھال کریں تو بہتر ہے۔ ورنہ ہم اپنے محلہ میں لے جاتے ہیں، نانبائی نے اس کی دیکھ بھال کا ذمہ لیا۔ میں نے اسے اس کے سپرد کر دیا اور آگے چلا گیا۔ اس قصہ کے چند روز بعد اس محلہ کے اسی کوچہ سے پیدل گزر رہا تھا۔ سامنے سے کتا آرہا تھا اور اس کوچہ میں قدرے پانی اور کیچڑ بھی تھا، میرے دل میں گزرا کہ اس جگہ سے جلد گزر جانا چاہیئے تاکہ اس کتّے کے چھینٹے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ میں تیزی سے بڑھا مگر کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا اور اس کیچڑ پر ہم ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔ کتا وہاں ٹھہر گیا اور فصیح زبان میں السلام علیک کہا، میں نے وعلیک السلام کہا۔ اس نے کہا تم نے حدیث میں پڑھا ہے کہ حضرت رب العزت فرماتا ہے۔

یا عبادی انی حرمت الظلم علیٰ نفسی وجعلته علیکم محرمًا فلا تظالموا (میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی ظلم کرنا حرام ہے، بس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو) مجھ پر تُو نے کیوں ظلم کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کیا ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا راستہ انسان اور حیوان دونوں کے لئے گزرگاہ ہے۔ چاہیئے یوں تھا کہ میں بھی اطمینان سے آتا اور تم بھی آرام سے آتے جس جگہ بھی ہماری ملاقات ہوتی۔ کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ میں نے کہا بنی آدم عبادت کے مکلف ہیں اور کپڑے پاکیزہ رکھنے کے ذمہ دار ہیں، اگر میں اس سے ملوث ہو جاتا تو کپڑوں اور جسم کا دھونا مشکل ہوتا۔ اس وجہ سے میں نے جلدی کی، ر

اس نے کہا یہ خطرہ اس وقت تمہارے دل میں نہیں تھا۔ کتے سے تو نے نفرت کی تھی اب فعل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے توجیہہ کر رہے ہو۔ اگر تمہارے کپڑے ناپاک ہو جائیں تو پانی کے ایک سبو سے پاک ہو سکتے ہیں اور اگر لطیفۂ انسانیہ عجب اور خود بینی سے ناپاک ہو جائے تو سات سمندروں سے بھی پاک نہیں ہو سکتا میں نے اس کی داد دی اور دل میں شرمندہ ہوا اور دیوار کے ساتھ مل کر تعظیم میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا تم نے نصیحت کی اب اس راستہ سے چلے جاؤ۔ اس نے کہا پہلے زمانہ کے درویش ایثار کرتے تھے۔ اور اس زمانہ کے درویش اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے کہا ان دو باتوں کی تفسیر بیان کر۔ اس نے کہا پہلے زمانہ کے درویش کم درجہ چیز کو اپنے لئے اور نفیس کو دوسروں کے لئے پسند کرتے تھے اور اس زمانہ کے درویش نفیس قدر اور کم درجہ چیز دوسروں کو دیتے ہیں۔ خشک راستہ تم نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور کیچڑ گارے والا راستہ تم نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور کیچڑ گارے والا راستہ میرے لئے چھوڑا ہے۔ بس میں کیچڑ اور گارے کی طرف آ گیا اور خشک جگہ اس کے لئے چھوڑ دی۔ اس نے کہا خدا تعالیٰ تک پاکیزہ عقل کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے۔ تاریک عقل کے ذریعہ نہیں۔ میں نے پوچھا پاکیزہ عقل کیا ہوتی ہے اور تاریک عقل کونسی۔ اس نے کہا پاکیزہ عقل یہ ہے۔ کہ بلا کہے اور بلا سنے راہِ صواب پر چلے۔ اور تاریک عقل یہ ہے کہ جب تک نہ سنے جانتا نہیں۔ پھر اس نے سلام علیک کہا اور چلا گیا جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں سمجھ گیا کہ میرا کتے کے بچے کو نکالنا قبول ہو گیا۔ اور اسی شکل میں تعلیم دی گئی۔

فرماتے تھے رمضان کے آخری روز جبکہ رات چاند ہونے کا شبہ تھا مسجد جبوط میں بیٹھا تھا۔ ایک چڑیا آئی اور کہا کل عید ہے میں نے اسے حاضرین کو بتایا۔ فرہاد بیگ نے کہا حیوانات کی زبان کا کیا اعتبار۔ اس چڑیا نے کہا۔ جھوٹ انسان کی خاصیت ہے۔ ہماری جنس میں جھوٹ نہیں ہوتا۔ پھر وہ اڑ گئی اور دوسری چڑیا اس کے ساتھ آئی اس نے اس بات کی تصدیق کی۔ جلد ہی قاضی کے سامنے شہادتیں پیش ہو گئیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ راقم الحروف شاہ ولی اللہ نے چڑیا کے گفتگو کے متعلق سوال کیا فرمایا اس کی آواز دوسری چڑیوں کی مانند تھی کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن اس کی آواز سے ہی میں نے اللہ کی تعلیم سے معنی سمجھ لیا۔ او کما قال۔

شیخ فقیر اللہ بیان کرتے تھے کہ ایک کوا دو تین روز کے بعد آتا تھا اور توحید کے بارے میں

باتیں پوچھا کرتا تھا۔ ایک مدت کے بعد وہ دکھائی نہ دیا۔ راوی قصہ سے کوے کے متعلق پوچھا کہ یہاں ایک کوا بیٹھا کرتا تھا کئی دنوں سے وہ مجھے دکھائی نہیں دیا۔ اس نے کہا اسے فلاں نے شکار کر لیا۔ اور اپنے باز کو کھلا دیا۔ آپ نے افسوس کیا اور غمگین ہوئے اور فرمایا وہ موحد کوا تھا۔ وہ مجھ سے توحید کے مسائل پوچھا کرتا تھا۔

نیک جن

فرماتے تھے ابتدائے حال میں بعض اوقات ساری ساری رات اور اکثر اوقات رات کا اکثر حصہ ذکر الٰہی میں گزارتا تھا۔ کبھی اونچی آواز میں اور کبھی آہستگی سے ہوتا تھا۔ ذکر کے وقت ایک جن بھی شریک ہو جاتا تھا۔ بعض دوستوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ تو اس نے بڑی درشتی سے جواب دیا کہ تم یہ سوال کیوں پوچھتے ہو۔ جمعہ کے روز میرے وعظ میں بھی شریک ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ جنات میں سے بھی ایسے ہوتے ہیں جو نماز روزہ ادا کرتے ہیں میں نے کہا ہاں۔ یہ شخص جو تمہارے درمیان موجود ہے۔ صالحین جنات میں سے ہے۔ جو وعظ سننے کے لئے آیا کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور پھر دکھائی نہیں دیا۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) نے اس کی شکل و شباہت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی۔

فرماتے تھے ایک جن نے میری بیعت کی اور اشغال و اوراد سیکھے۔ ایک روز میں سوار ہو کر جا رہا تھا تو وہ متشکل ہو کر سامنے آیا اور صلوٰۃ تسبیح کے متعلق پوچھا۔ میں نے بیان کیا۔ جہاں اسے میری بات سمجھ نہ آتی دوبارہ پوچھتا۔ یہاں تک کہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا۔ ایک روز پریاں محمد غوث کو ایذا دے رہی تھیں اور اس کی چارپائی اٹھا لے جاتی تھیں۔ یہ جن وہاں پہنچ گیا۔ پریوں کو ڈانٹا اور منع کیا اور محمد غوث سے کہا کہ حضرت والد کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ یہ پریاں تھیں جو تجھے ایذا دے رہی تھیں۔ میں نے انہیں ڈانٹا اور منع کیا۔ دوسرے روز وہ جن آیا اور کہا میرا دکن جانے کا ارادہ ہے معلوم نہیں وہاں سے زندہ واپس آؤں یا نہیں میری نجات کے لئے دعا کیجئے۔ میں نے دعا کی۔ اس کے بعد پھر وہ نظر نہیں آیا۔

فرماتے تھے اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی پر سید لطیف سون پتی کے دروازہ سے میرا گذر ہوا تو دیکھا کہ دروازہ پر پریشان کھڑے ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی۔ تو کہا

عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ وہ مجھے گھر لے گئے ان کی ایک عزیزہ کو جن نے پاگل کر رکھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیم کے لئے اٹھا اور سلام کیا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا میرا نام عبداللہ ہے اور میں محمد طاہر کے درس میں پڑھتا ہوں۔ جس روز آپ اکبر آباد میں داخل ہوتے تھے اور محمد طاہر اپنے شاگردوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے تو میں بھی ان میں موجود تھا۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ میں نے پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ اس نے کہا کافیہ میں مفعول مطلق کی بحث کا وہ حصہ پڑھ رہا ہوں جہاں سے مصنف لبیک اور سعدیک کی بحث شروع کرتے ہیں۔ میں نے کہا ان لفظوں کی اس طرح بخوبی تشریح کرو جو عام طالب علم نہ کر سکتے ہوں۔ اس نے تشریح کی میں نے کہا میں محمد طاہر کے پاس تمہاری سفارش کرونگا تاکہ وہ تمہاری طرف زیادہ توجہ کریں۔ اس نے کہا اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں جن ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہیں پڑھائیں گے۔ پھر اس نے کہا میرا طریق یہ ہے کہ رات کو میں نے چار حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک حصہ میں میں نماز پڑھتا ہوں۔ دوسرے میں نفی اثبات کرتا ہوں۔ تیسرے حصہ میں کافیہ کا مطالعہ کرتا ہوں اور چوتھائی میں سوتا ہوں اور دن کے وقت محمد طاہر کے پاس سنتا ہوں اور ایک بالاخانہ جو بہت اونچا تھا کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں اس جگہ رہتا ہوں اس عورت نے اس جگہ پیشاب کر کے اسے ناپاک کر دیا ہے اور میرے نظام اوقات کو خراب کر دیا ہے۔ اس کے بدلہ میں میں نے اسے ایذا دی ہے۔ آپ کی فرمائش پر فوراً اس جگہ کو صاف کر کے خوشبودار کر دیا گیا جس سے وہ باغ باغ ہو گیا اور چلا گیا۔ اسی وقت عورت ہوش میں آگئی اور شرم وحیا کی وجہ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

حضرت والد ماجد کے تصرفات

مکاشفات اور کرامات کا بیان

فرماتے تھے۔ ایک شخص نے شیخ عبدالاحد سرہندی کی مجلس میں کہا کہ اس زمانہ میں کوئی صاحبِ کرامات نہیں ہے۔ انہوں نے اسکے عقیدہ کی درستی کے لئے اس کے سامنے سات روپے میری نذر کے لئے مقرر کر دیئے اور فرمایا کہ پہلے پانچ روپے ان میں خدمت میں پیش

کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں اس کے بعد انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم آج آپ سے ملنے آرہے ہیں میں نے کہا عذر یہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے آؤں۔ انہوں نے کہا تکلیف نہ کریں میں نے سواری کا انتظام کر لیا ہے۔ میں نے کہا سواری کی تیاری کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ مناظرہ جب طول پکڑ گیا تو ہم نے ایک درمیانی جگہ مقرر کر دی کہ جو شخص پہلے وہاں پہنچ جاتے دوسرے کو واپس لے جاتے۔ میں نے گھوڑے کے لئے بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مل سکا۔ انہوں نے پالکی تیار کرائی تو انہیں چوتھا کہار نہ مل سکا۔ آخری وقت میں ان سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور ان کو واپس لے گیا جب ان کے گھر پہنچ گئے تو پانچ روپے میرے سامنے رکھ دیئے اور کہا یہ آپ کی نیاز ہے۔ میں نے کہا یہ میری نیاز نہیں ہے۔ میری نذر تو سات روپے ہے پس انہوں نے پورے سات روپے پیش کئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ عبدالاحد نے ازراہ خوش طبعی فرمایا کہ اس کامیاب امتحان پر دو روپے اور پیش کرتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ سب کچھ اس شخص کی اصلاح کے لئے کیا ہے۔

فرماتے تھے شیخ عبدالاحد رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کی ملاقات کے لئے گیا۔ دورانِ گفتگو ان کی زبان سے نکلا کہ پرسوں عید ہے۔ میں پھر ملاقات کرونگا میں نے کہا نہیں۔ بلکہ اس کے بعد ہے۔ انہوں نے کہا، حساب والے یوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا ہمارا حساب اس طرح کہتا ہے۔ اسی طرح ہوا جیسا کہ میں نے کہا تھا۔

فرماتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ عبدالاحد یورپ یا کسی دوسرے علاقہ سے آئے تھے اور میرے لئے ایک تحفہ بھی لائے تھے۔ فرمایا کشف کے ذریعہ اسے معلوم کرو تاکہ قبولیت کی علامت ہو میں نے کہا ابھی تو معلوم نہیں اس کے بعد کسی وقت بیان کروں گا۔ چند دنوں کے بعد جبکہ میں آرام میں تھا۔ اس ہدیہ کی شکل مجھے دکھائی گئی۔ جب دوسری مرتبہ ملاقات ہوئی تو میں نے کہا یہ ایک دوہرے رنگ کا کپڑا ہے۔ ایک حصہ سبز پھول دار ہے اور دوسرا حصہ بادامی رنگ کا ہے۔ اور وہ بناوٹ میں ہمارے لباس کی طرح نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی چادر ہے کہ اسکی بالائی طرف مدور اور نیچے کا حصہ مستطیل ہے اور یہ چادر ایک چارخانہ کپڑے میں لپیٹی ہوئی ہے انہوں نے کہا اور تو ساری باتیں درست ہیں لیکن وہ چارخانہ کپڑے میں لپٹی ہوئی نہیں ہے کچھ روز بعد انہوں نے یہ کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ بھیجا لیکن اس وقت وہ مذکورہ کپڑے میں

لپٹا ہوا تھا۔ جب انہوں نے اچھی طرح تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ پہلے یہ کپڑا ایک دوسرے کپڑے میں بندھا ہوا تھا لیکن وہ کپڑا خرچ ہو گیا تو اسے چارخانہ کپڑے میں لپیٹ دیا گیا۔ اس تبدیلی کا انہیں علم نہیں تھا۔

فرماتے تھے شیخ عبدالاحد سرہند سے چار مقدمات کے لئے آئے تھے۔ جب ہماری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا ایک ان میں سے بہت ہی آسان ہے۔ دو درمیانے درجہ کے ہیں اور ایک بہت ہی مشکل سے حاصل ہونے والا ہے۔ میں نے کہا جسے آپ دشوار سمجھتے ہیں۔ بادشاہ سے پہلی ملاقات میں حل ہو جائے گا۔ اور وہ دو جو درمیانہ درجہ کے ہیں ان میں سے ایک دو تین ماہ کے بعد اور دوسرا پانچ چھ ماہ کے بعد سرانجام ہونگے اور جسے سب سے آسان سمجھتے ہیں۔ وہ میری زبان پر موقوف ہے جب تک میں نہیں کہوں گا وہ حل نہیں ہو گا۔ انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کی پہلا مقدمہ اسی روز اور دوسرا اور تیسرا مذکورہ مدت میں پورے ہوئے۔ چوتھا باقی رہ گیا۔ دوسری مرتبہ مجھے پھر ملے اور مجھ سے توجہ طلب کی۔ میں نے کہا یوں نہیں۔ بلکہ پہلے آپ کو شہر کے ان اکابر کے پاس جانا چاہیئے۔ جو کشف و خوارق میں مشہور ہیں۔ اور ان سے وقت مقرر کرانا چاہیئے۔ ایک بزرگ کے پاس جو کشف میں مشہور تھے، گئے۔ انہوں نے تین ہفتہ کی میعاد مقرر کی۔ وہ وقت گزر گیا اور کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ دوسرے بزرگ کے پاس گئے۔ انہوں نے ایک ماہ کی میعاد مقرر کی وہ بھی گزر گئی اور کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ میرے پاس آئے اور توجہ طلب کی۔ میں نے کہا اس کے لئے وقت چاہیئے کہ میری زبان سے نکلے۔ انہوں نے اس قصہ کو ایک کاغذ پر لکھا۔ اور فقیر اللہ کو دیا تاکہ روزانہ نماز اشراق اور نماز عشاء کے بعد دکھاتا رہے۔ اسی طرح عرصہ گزر گیا انتظار حد سے بڑھ گیا۔ ایک روز میرے دل کو انشراح حاصل ہوا۔ میں نے کہا آج بادشاہ کے پاس جاؤ کام ہو جائے گا۔ اسی روز گئے بادشاہ نے اس روز توجہ کی اور فرمایا۔ اگر کوئی کام ہو تو فرمایئے۔ انہوں نے مطلب بیان کیا جسے اسی وقت حسب منشا پورا کر دیا۔—— فرماتے تھے ہم شیخ عبدالاحد کے گھر گئے۔ وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔ مجھ سے بھی اس میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ میں نے کہا ختم پڑھنا بے کار ہے کام نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ کیا کام ہے۔ میں نے کہا ہاں! فلاں کام ہے اور اس کام کو کرانے والی فلاں عورت ہے۔ جس کی یہ شکل و صورت ہے۔ یہ عمر ہے میں اسی طرح بیان کرتا رہا۔ یہانتک کہ میں نے

وہ اعمال بیان کرنے شروع کر دیئے جو اس نے اپنی زندگی میں کئے تھے کہنے لگے بس کیجئے راز ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت والد ماجد ایک بار شیخ عبدالاحد کے گھر گئے۔ انہوں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جا کر حضرت کی نذر کے لئے گلاب کی بوتل لاؤ۔ وہاں دو بوتلیں تھیں۔ اس نے بڑی بوتل کو چھوڑ دیا اور چھوٹی اُٹھا لایا۔ حضرت والا مسکرائے اور فرمایا بڑی بوتل کو کیوں چھوڑ دیا۔ جاؤ اسے لاؤ۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے شیخ عبدالاحد ایک مرتبہ بیمار ہو گئے حضرت والا ان کی عیادت کے لئے گئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا۔ شیخ نے تندرستی کے لئے دعا کی درخواست کی حضرت والد نے سکوت اختیار فرمایا۔ پھر شیخ کے اقرباء نے بہت زیادہ اصرار اور مبالغہ کیا۔ حضرت والا اسی طرح خاموش رہے۔ شیخ عبدالاحد نے حضرت والا کے دلی راز کو پالیا اور اپنے رشتہ داروں کو مبالغہ سے روکا۔ کیونکہ اولیاء کی خدمت میں مبالغہ اور اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت والا جب اُٹھے تو اس فقیر سے فرمایا شیخ کی عمر ختم ہو چکی ہے۔ اس وقت دعا کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کے خاموش رہنے میں یہی حکمت تھی۔ چند روز کے بعد شیخ کا وصال ہو گیا۔

حضرت والد ایک روز اس فقیر کو معارف عجیبہ سکھا رہے تھے۔ حدیث اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ کی بات چل نکلی، اس کی شرح میں دو قصے بیان فرمائے۔ ایک خان عالم کے قصہ میں شیخ رفیع الدین کا قصہ جو اپنے مقام پر بیان ہوگا اور دوسرا اپنی فراست کا کہ ایک برقعہ پوش فقیر وضع شخص بہت ہی دردمند ہر لحظہ کوئی شعر یا دوہڑہ عاشقانہ پڑھتا اور بہت روتا میرے پاس آکر بیعت کا طالب ہوا اور قیام کے لئے کوئی کونہ طلب کیا۔ میں نے اس سے مکمل رُوگردانی کی اور صاف انکار کر دیا۔ جب وہ باہر چلا گیا تو میں نے کہا کہ یہ کالا ناگ ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے حاضرین کے دل میں اس بات سے انکار پیدا ہوا۔ ایک مدت کے بعد عورتوں کے لباس میں نکلا اور صوبہ دار دہلی عاقل خاں کے گھر میں خیرات کے سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ نکلتے وقت ایک چوکیدار نے اس کی رفتار سے اس کے عورت ہونے سے انکار کیا اور کہا یہ چال عورتوں کی نہیں ہے۔ تفتیش میں لگ گیا۔ بات واضح ہو گئی تو اسے قید کر دیا گیا۔ آخر کار معلوم ہو گیا کہ کسی کی عورت کو پکڑ کر بھاگا ہوا تھا۔ برقعہ پوشی اور زاویہ نشینی اسی وجہ سے اختیار کر رکھی تھی اور یہ سب اظہارِ دردمندی شیطانی مکر و فریب کا اظہار تھا۔

فرماتے تھے کہ عبدالحفیظ تھانیسری نے اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا اور مجھے وداع کرنے کیلئے آیا۔ ایک دستار اور نصف روپیہ نذر کے طور پر لایا اور نصف روپیہ مخدومی ابوالرضا محمد کی خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ میں نے خوش طبعی کے طور پر کہا کہ تمہیں اعظم آباد کے میدان میں جو بہت ہیبت ناک ہے۔ مشکل پیش آئے گی۔ گاڑی کا ایک پہیہ جدا ہو جائے گا۔ اس میدان سے اسے درست کرنا دشوار ہوگا۔ جو شخص چوٹ اور ضرب سے گاڑی کی حفاظت اور مال جمع کرنے کی کوشش کرے۔ پورا روپیہ اسے لینا چاہیئے۔ اس نے پورا روپیہ دے دیا۔ اور رخصت ہو گیا۔ مدت کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا کہ اس خطرناک وادی میں جہاں ڈاکوؤں کا بہت خطرہ تھا گاڑی کا پہیہ جدا ہو گیا اور کچھ فاصلہ بغیر پہیہ کے چلتی رہی اور ہمیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اس جنگل میں جلدی درست کر لیا۔ یہاں تک کہ ہم فاصلہ سے بھی پیچھے نہ رہے۔

سننے میں آیا ہے کہ ایک روز مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات ہو رہی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ تند ہوا چل رہی تھی اور چراغ کا جلنا ممکن نہیں تھا۔ حضرت والد نے فرمایا اس چراغ پر نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ملاحظہ کرو گے۔ چراغ کو پیالہ کے نیچے رکھ کر لائے۔ حضرت والا اس چراغ کی طرف متوجہ ہوئے جب انہیں جمعیت حاصل ہو گئی پیالہ کو چراغ کے اوپر سے اٹھا دیا۔ چراغ اسی طرح جلتا رہا۔ اس کے شعلہ میں کوئی اضطراب اور لرزش نہیں تھی واللہ اعلم۔ فرماتے تھے محمد مظفر نے مجھے خط لکھا اور ایک شخص کے ہاتھ بھیجا۔ اس خط میں تحریر تھا کہ حامل ہذا تاثیر و توجہ کا منکر ہے۔ اگر اس کی طرف توجہ فرمائیں تو اس کی ہدایت کا سبب ہوگا۔ خط پڑھتے ہی اس وقت میں نے اس پر نظر ڈالی تو وہ بے ہوش ہو گیا اور مکمل غیبوبت حاصل ہوئی اس فاسد عقیدہ سے نادم ہوا۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ فرہاد بیگ کو مشکل پیش آئی اس نے نذر مانی کہ خداوندا اگر یہ مشکل حل ہو گئی تو اس قدر روپے میں حضرت والا کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کی وہ مشکل حل ہو گئی اور وہ نذر اس کے ذہن سے جاتی رہی۔ چند دنوں کے بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کے نزدیک پہنچ گیا۔ مجھے اس کی بیماری کا سبب معلوم ہو گیا میں نے ایک خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ اس کی بیماری نذر پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر تم اپنے گھوڑے کو چاہتے ہو تو وہ

نذر جو فلاں جگہ اپنے اوپر لازم کی تھی۔ اسے بھیج دو۔ وہ شرمندہ ہوا اور وہ نذر بھیج دی۔ اسی وقت اس کا گھوڑا تندرست ہو گیا۔

فرماتے تھے ایک شخص صاحب دعوت روم سے ایران میں آیا اور ایران سے ہندوستان۔ اسے عبداللہ چلپی کہتے تھے۔ اس سے بہت عجائب مشاہدہ ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ کہ حجرہ میں بغیر روٹی پانی کے چالیس روز اعتکاف بیٹھتا تھا۔ حجرہ کے دروازہ کو بند کر دیتے تھے۔ وہ صحیح و سالم باہر نکلتا تھا۔ بسا اوقات اس تاریکی میں وہ قرآن مجید لکھتا اور بسا اوقات زمین میں دھنس جاتا اور جس جگہ چاہتا وہاں سے نکل آتا۔ لوگ کہتے اولیاء اللہ سے ہے اور صاحب کرامات ہے میں اس کی ملاقات کے لئے گیا۔ ان دنوں وہ بعض ایرانیوں کے گھر بادشاہ سے چھپا ہوا تھا۔ پہلے میں ان روافض سے ملا۔ بارہ مسئلوں میں گفتگو ہوئی۔ تمام مسائل میں میں نے انہیں الزام دیا انہوں نے انصاف کیا اور قبول کیا۔ لیکن میں نے ابتداء انہیں نہیں بتایا کہ میں سنی ہوں۔ میں نے کہا میرا مذہب "خذ ما صفا دع ما کدر" ہے۔ زیادہ تعصب سے پیش نہیں آئے۔ پھر میں نے مذکورہ مسائل بیان کئے اور دلائل براہنیہ اور خطابیہ سے انہیں الزام دیتا تھا وہ قبول کرتے تھے اور انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ پھر ہم نے عبداللہ سے ملاقات کی۔ میں نے اسے اولیاء اللہ کے طریق سے بالکل بے بہرہ پایا۔ میں نے اس کی تعظیم سے اعراض کیا۔ ایرانیوں میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ تم بڑے شوق سے آئے اور جب اسے دیکھا روگردانی کی۔ میں نے کہا میں اسے ولی سمجھا تھا وہ دعوتی نکلا۔ عبداللہ نے یہ بات سنی تو انصاف کیا۔ اس کے بعد اس نے دعائے سیفی پڑھنا شروع کی وہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں نحو کے قاعدہ سے اعراب کے دو طریقے تھے لیکن بلحاظ وجدان ایک طریقہ متعین تھا اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ میں نے کہا تم نے غلطی کی۔ اس نے کہا یہ درست ہے، غلط نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے مناظرہ کیا اور دعائے سیفی کے تمام نسخے جو اساتذہ سے پہنچے تھے منگوائے۔ تمام اس کے موافق نکلے۔ یہاں تک کہ تیرھواں نسخہ جو شیخ احمد جام کے تبرکات میں سے تھا اور امراء کے گھر سے طلب کیا۔ وہاں سے میرے موافق عبارت نکلی اس نے انصاف کیا اور غلطی کا اعتراف کیا۔ پھر اس نے ایرانیوں سے کہا۔ کیا تمہیں کچھ علم ہے کہ میں نے اس قدر بحث کیوں کی ہے جب میں اس جگہ پہنچتا تھا تو تاریکی دیکھتا تھا۔ آخر

میں یہ عبداللہ چلپی حضرت والا کا مرید ہو گیا اور طریقہ قادریہ اختیار کیا۔

فرماتے تھے ایک روز میں سید لطیف کے گھر گیا۔ وہاں ایک فاضل آدمی تھا جو صوفیہ کے بعض احوال کا منکر تھا۔ اتفاقاً نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے اسے امام بنایا۔ اس وقت دیگ چولہے پر رکھی ہوئی تھی اور غلام کو بازار بھیجا ہوا تھا۔ اس کے دل میں خیالات گزرتے کہ شاید طعام جل جائے۔ یہ خطرہ نماز میں اس کے دل سے نہیں جاتا تھا۔ مجھے اس کا علم ہو گیا میں نے اس کی اقتدا ترک کر دی اور نماز تنہا پڑھی جب نماز ادا کر لی گئی تو میرے ساتھ انکار کے ساتھ پیش آیا کہ تم نے تنہا نماز کیوں پڑھی۔ میں نے کہا۔ تو غلام کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور کھانا پکا رہا تھا میں آپ کی اقتداء کیسے کرتا۔ اس نے انصاف کیا اور اعتراف کیا اور اس تنکیر سے باز آیا۔

حضرت والا شان سے اجمالاً اور بعض دوستوں سے میں نے تفصیلاً سنا کہ سرہند کا ایک شخص بالطبع منکر تھا پہلے ایک بزرگ کی بیعت کی اور استفاضہ کیا اتفاقاً عید کا روز تھا کہ اس نے شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم سے مصافحہ کیا انہوں نے فرمایا کہ تم دیر سے آئے ہو کہاں تھے۔ اس قسم کے دو تین مہربانی کے الفاظ فرمائے۔ اس کا دل انکے ساتھ متعلق ہو گیا۔ آنا جانا شروع ہو گیا اور اس بزرگ کی خدمت میں حاضری سے کمی کر دی۔ جب انہیں اس قصہ کا پتہ چلا تو انہوں نے شیخ محمد معصوم کے ہلاک کرنے پر کمر ہمت باندھی۔ انہوں نے بھی مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اس کا شر اسی پر لوٹ آیا اور ہلاک ہو گیا اس کے بعد یک جہتی کے ساتھ ان کی خدمت میں رہتا تھا۔ ایک مدت کے بعد یہاں بھی شک و اضطراب پیدا ہو گیا۔ اسی طرح درویشوں کی خدمت میں جاتا تھا اور انکار کرتا تھا اور نفع حاصل نہیں کرتا تھا۔ ایک روز میرے پاس آیا اور کہا کوئی شخص صاحب تصرف نہیں ہے۔ میں نے اس پر تاثیر کی تو وہ بے خود ہو گیا۔ اس غیبت کے درمیان اس نے دیکھا کہ گویا سبز خلعت اسے دی گئی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو تمام واقعہ میں نے اسے بتا دیا۔ اس نے تسلیم کیا لیکن اگر انکار جبلی ہوتا تو وہ کیسے منقطع ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ طویل قصہ ہے مگر مجھے سبز خلعت پہنانے کے سوا کوئی بات یاد نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

حضرت والد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً سُنا ہے کہ ایک مرتبہ حالت غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر عجیب حالت طاری ہو گئی۔ چند دنوں تک اسے چارے پانی کا ہوش

نہ رہا۔ آخر کار مر گئی۔

رافضی کا توبہ کرنا

فرماتے تھے ایک روز احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور مجلس میں سکوت تھا اس جگہ مجھے ایک شخص کی صورت دکھائی گئی کہ یہ شخص تمہارے ہاتھ پر رفض سے توبہ کرے گا میں نے یہ واقعہ دوستوں کے سامنے بیان کیا اور اس کا حلیہ بھی تفصیل سے بیان اس واقعہ کے بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا ہوا تھا وہاں ایک مہمان بیٹھا ہوا تھا میں نے اسے پہچان لیا اور بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ دوستوں نے تعجب کیا کہ ایک اجنبی شخص کے ساتھ جو رفض اور فساد عقیدہ کے ساتھ متہم ہے اس قدر مہربانی کی کیا وجہ ہے میں نے کہا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں ہے۔ تمام نے سوچا تو اسے پہچان لیا۔ تھوڑے دن گزرے تھے کہ اس نے توبہ کی۔ اس کے بعد بعض لوگوں کی مجلس کی وجہ سے اسے شک پیدا ہوا تو اسے درد شکم میں مبتلا کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال گئی کہ اگر سچی خالص توبہ نہیں کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ خالص سنی ہو گیا اور رفض اور رافضیوں سے مکمل طور پر بیزار ہو گیا۔ مجھ سے اس نے بیعت کی پہلے مجھے اس نے پوچھا کہ کونسا طریقہ اختیار کروں میں نے کہا تمہارے لئے سلسلہ قادریہ بہتر ہے کیونکہ رافضی حضرت غوث الاعظمؒ کو بہت دشمن سمجھتے ہیں۔

مزار اولیاء سے مدد

حضرت والا سے اجمالاً اور بعض دوستوں سے تفصیل سے سنا ہے کہ ترکستان کا ایک شعلہ بیگ نامی مرد تھا جس نے اس راہ کا ذوق پیدا کیا تھا۔ بخارا میں آیا اور خواجہ نقشبند کے مزار پر اس انتظار میں بیٹھا کہ اسے کسی ولی اللہ کی اطلاع ملے۔ آخر کار خواجہ نقشبند نے خواب میں اسے فرمایا کہ تیرا پیر ہندوستان میں دہلی کے شہر کے اندر ہے اور حضرت والا کی شکل اسے دکھائی۔ اس کے دل میں خیال گزرا کہ دہلی بہت بڑا شہر ہے اس بزرگ کو وہاں تلاش کرنا بڑا مشکل کام ہو گا۔ خواجہ کو اس کے اس خیال کی خبر ہو گئی۔ فرمایا کہ جس روز تم دہلی میں پہنچو گے۔ اسی روز انہیں وعظ کہتے ہوئے پاؤ گے۔ پھر شوق اسے کشاں کشاں دہلی لے آیا۔ پہلے شیخ فرید کی سرا میں اترا۔ اتفاقاً اس روز جمعہ کا دن تھا۔ اس نے لوگوں سے جامع مسجد کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے اسے مسجد فیروزی کا پتہ بتایا۔ وہاں اسے حضرت والا اس کے معلومہ حلیہ کے مطابق ملے۔ نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس سے بھی اس کی تائید ہوئی جمعہ سے فراغت کے بعد

ان کے ہمراہ ان کے گھر آیا پگڑی اُتار کر پاؤں میں رکھ دی اور اظہار عقیدت کیا۔حضرت والا نے فرمایا شرط یہ ہے کہ چند روز ہمارے ساتھ مجلس کرو۔تاکہ ہمیں پہچان سکو اور تمام قصہ بیان کر دیا۔ اور بیعت و تلقین سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد دکن چلا گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔

حضرت والا سے اجمالاً اور دوسرے احباب سے تفصیلاً سنا کہ علی خوانی، قصبہ خورف کا صحیح العقیدہ سنی تھا۔ اس نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں تمہارا پیر دہلی میں ہے اور حضرت والا کی شکل انہیں دکھائی۔ ایک مدت کے بعد کسی کام دہلی آیا۔ ایک مدت تک اس کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اس کے بعد محمد افضل ساکن پھلواری سے حضرت والا کا نام اور بعض اوصاف سُنے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت اور تلقین سے سرفراز ہوا۔ بعض اوقات وجد میں آجاتا۔ اور اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا اور کہتا

ایک مرتبہ حضرت والا قصبہ پھلت میں تھے گرمی شوق سے زادِ راہ اور سواری اور راستہ معلوم کئے بغیر پھلت اس طرف چل دیئے اور شوق کی راہ نمائی میں آملے۔

حضرت والا سے اجمالاً اور بعض دوستوں سے تفصیلاً سنا ہے کہ سہارن پور میں صوفی نامی ایک شخص تھا جس نے عالم جوانی میں ایک صاحب کشف بزرگ سے ملاقات کی۔ اس نے کہا کہ تمہاری بیعت فلاں شکل و ہیئت اور نام پر موقوف ہے۔ وعظ کہتا ہے۔ وہ اسی انتظار میں بوڑھا ہو گیا تھا۔ گوناگوں اشغال صوفیہ اور سخت مشقتیں کی ہوئی تھیں۔ آخر کار محمد اسماعیل میرٹھی کی راہنمائی سے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت و تلقین کے شرف سے مشرف ہوا۔ شروع میں اپنی ریاضات شاقہ اور اشغال بیان کرتا تھا۔ حضرت فرماتے آغاز اچھا ہوا ہے انجام بھی انشاءاللہ اچھا ہوگا۔ آخر کار اس نے تربیت حاصل کر لی۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ بارش بند گئی۔ لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے دعا کی تو بوندا باندی شروع ہو گئی۔ میں نے کہا بارش کا کھل کر ہونا ہماری دیواروں پر موقوف ہے۔ گویا تدبیر غیب ہماری دیواروں کے گرانے سے احتراز کر رہی ہے۔ پس انہوں نے جلدی سے تُوڑی اور مٹی لا کر دیواروں کو لیپ دیا۔ اسی وقت خوب زوردار بارش ہوئی۔

فرماتے تھے کہ اکبر آباد میں علی قلی نامی ایک شخص میر ابوالعلی کے متبعین میں سے توجہ و تاثیر

میں مشہور تھا اسے اپنے اد پر ناز تھا۔ ایک روز میں نے شیخ عبد اللہ محدث کو دیکھا کہ اس کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ میرا ارادہ ہوا کہ اسے تنبیہ کروں۔ ہم نے ایک پتھر درمیان میں رکھ لیا اور کہا کہ قوت تاثیر یہ ہے کہ کوئی شخص اس پتھر کو کھینچے۔ آخر کار جب اس کی پیمائش کی تو چند انگشت میری طرف زیادہ قریب تھا

من اندازِ قدرت رامی شناسم

فرماتے تھے شیخ ایوب مراد آبادی ہمیں ملنے کے لئے آیا۔ امتحان کی غرض سے تمام ساتھیوں اور ساز و سامان کو پیچھے چھوڑ کر تنہا اپنی ہیئت تبدیل کر کے آئے میں اس وقت تیر اندازی کر رہا تھا میں نے انہیں دیکھتے ہی کمان کو رکھ دیا اور کہا خوب آئے۔ خیر و عافیت سے آئے۔ حیران ہوتے۔ کہنے لگے میں نے اس سے پہلے آپ سے ملاقات نہیں کی۔ حضرت والا مجھے پہچانتے ہیں! فرمایا۔ تمہارا نام ایوب ہے۔ انہوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا نام ایوب ہے۔ میں نے کہا جونہی میں نے تمہیں دیکھا میرے دل نے گواہی دی۔ پھر شیخ ایوب نے کہا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ بلا شک و شبہ یہ کرامت ہے۔ آپ مجھے بتائیے کہ جس کام کے لئے میں لشکر میں جا رہا ہوں۔ ہو گا یا نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے لئے لشکر میں چلے گئے۔ ہر چند انہوں نے کوشش کی مگر کوئی نفع نہ ہوا۔

پہلوان کو پچھاڑ دیا

فرماتے تھے محمد فاضل کے گھر اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ وہاں ایک پہلوان اس کے بیٹوں کو کشتی کرنا سکھاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بلند قامت اور بہت طاقتور پہلوان آیا اور اس پہلوان کے ساتھ کشتی لڑنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ محمد فاضل کے لئے یہ عزت کا سوال تھا۔ از روئے عقل دونوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔ اس پر غالب آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے کہا جب تک میں نہ کہوں کشتی شروع کرنا۔ تھوڑی دیر ہم خاموش رہے۔ پھر یکدم اجازت دے دی۔ اس طاقتور پہلوان نے پہلے اسے اٹھایا۔ پھر کمزور پہلوان نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر گاڑ دیئے۔ اور اپنے پاؤں طاقتور پہلوان کی گردن میں ڈالے اور دونوں پاؤں کی قوت سے اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے تماشائیوں میں شور بلند ہوا

ولی کی غائبانہ امداد

فرماتے تھے۔ محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے

اور راستہ کے خطرناک ہونے کے وجہ سے خود بھی ساتھ جانا چاہا۔ جب رخصت ہونے کے لئے میرے پاس آیا تو میں نے کہا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خیر و عافیت سے لوٹے گا۔ ہاں البتہ اجمیر سے واپسی کے وقت دو منزل ادھر ڈاکو قافلہ پر حملہ کریں گے مگر ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں انہیں اپنی گاڑی کو ایک طرف کر لینا چاہیئے۔ جب وہ وقت آیا تو حضرت والا متوجہ ہوئے اس توجہ کے دوران ان کے جسم پر ملالی ظاہر ہوا۔ حاضرین نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ چند روز مسافت طے کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہو گئی ہے جب اس کا لڑکا واپس آیا تو اس نے بتایا کہ اس جگہ ڈاکو آئے تھے۔ ہم نے اپنی گاڑی کو ایک طرف کر لیا حضرت والد کی شبیہ ظاہر ہوئی۔ ڈاکوؤں نے تمام قافلہ لوٹا مگر میری گاڑی محفوظ رہی۔

فرماتے تھے کہ ایک صاحب شوکت امیر محمد فاضل کا ہمسایہ تھا۔ اس نے اپنی حویلی بنانا چاہی اتفاقاً اس کی حویلی میں ایک جگہ کجی پیدا ہوتی تھی۔ اس نے محمد فاضل سے دوگنا تین گنا قیمت پر کچھ زمین کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ آخر کار ان کے درمیان خشونت اور جھگڑا پیدا ہو گیا اس امیر نے کہا علی الصباح میں بادشاہ کے پاس جاؤں گا اور التماس کروں گا کہ یہ زمین بادشاہی ملکیت ہے۔ محمد فاضل کی ملک نہیں ہے۔ اور زمین کے اس ٹکڑا کو حاصل کروں گا اور کسی قیمت پر بھی اسے نہیں چھوڑوں گا۔ محمد فاضل نے رات میرے پاس آکر اپنا رونا رویا اور ازحد زاری اور الحاح کیا میں نے کہا۔ وہ بادشاہ سے ہرگز ملاقات نہیں کر سکے گا اور یہ جھگڑا کھڑا نہیں کر سکے گا۔ صبح کو وہ بادشاہ کے دربار میں حاضری کے ارادہ سے نکلا راستہ میں اسے سوار ملے اور کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ اسی وقت کوچ کر جائے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ سے بالمشافہ رخصت حاصل کروں اور بعض ضروری امور پیش کروں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اسی وقت تمہیں کوچ کر جانا چاہیئے۔ انہوں نے زبردستی اسے شہر سے باہر نکال دیا اور اسی مہم میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی جھگڑا کرنے کی اسے فرصت بھی نہ ملی۔

راقم حروف شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ بات بھی عجیب اتفاقات سے ہے۔ کہ حضرت والد کچھ عرصہ کے لئے سیر کو گئے۔ اس فرصت میں محمد فاضل حضرت والد کی طویل محبت اور عظیم کرامات کے مشاہدہ کے باوجود فساق کی مجلس میں پڑ کر شراب نوشی میں مبتلا ہو گیا۔ جب

حضرت والا اس سفر سے واپس آئے اور یہ قصہ سُنا تو سخت ناراض ہوئے۔ محفل شراب میں تو تلیں توڑ دی گئیں اور صراحیاں اوندھی ہو گئیں اور اس پر زبردست ہیبت طاری ہو گئی۔ دوبارہ اس نے پکی توبہ کرلی اور اولئك لایشقی جلیسھم کا مفہوم ظاہر ہو گیا۔

فرماتے تھے شروع شروع میں میں جس کو بھی قبول کی نظر سے دیکھتا وہ میرا فریفتہ ہو جاتا۔ اس وجہ سے میں کسی کی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ اور تنہا محمد فاضل کے بالاخانہ میں رہتا تھا اور باہر آمد و رفت کے وقت چہرہ پر چادر ڈال لیتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز ہدایت اللہ بیگ محمد فاضل کے گھر رشتہ داری کے سبب آیا میرا اس کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ مجھ پر فریفتہ ہو گیا اور بیعت کی درخواست کی میں نے سُن رکھا تھا کہ اس کا ربط ایک بزرگ متوکل نقشبندی کے ساتھ ہے میں نے کہا بات ایک ہی ہے اور فقراء ایک جسم کی مانند ہیں، اس بزرگ کا حق مقدم ہے۔ اس کے ساتھ بیعت کرو۔ اس نے مکرر مبالغہ کیا اور اس کی محبت بہت زیادہ ہو گئی آخرکار اس کی بیعت میں نے قبول کرلی اور کہا کہ اس بزرگ کی خدمت ترک نہ کیجئے۔ اس کے بعد اس بزرگ کو اطلاع ملی تو ناراض ہوئے اور ہدایت اللہ بیگ کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ابھی تم جوان ہو۔ ابھی تمہیں حصول طریقت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میں نے کہا یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کبرسنی پر موقوف نہیں ہے پھر انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں اس زیادتی کا انتقام لوں گا محتاط رہو۔ میں نے کہا۔ لا یحیق المکر السیئی الا باھلہ۔ جو کچھ چاہو کرکے دیکھ لو۔ وہ تمہارے ہی لئے نقصان دِہ ہو گا۔ انہوں نے مجھے تکلیف پہنچانے پر کمر ہمت باندھی۔ میں نے بھی مدافعت کی معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس بزرگ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس کے سینہ میں خنجر مار گیا ہے اور موت حاضر ہو گئی ہے۔ آدھی رات کو اس نے ہدایت اللہ کو بلایا۔ استغفار کی اور نیازمندی کا اظہار کیا اور کہا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری جان نہیں بچ سکتی لیکن میرے ایمان کا قصد نہ کریں۔ میں نے کہا اگر تم ایذاء کی ابتداء نہ کرتے تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا الحمدللہ تمہارے ایمان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اسی رات عالم باقی کو سدھار گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

فرماتے تھے اورنگ زیب بادشاہ نے کسی سبب سے ہدایت اللہ بیگ کو اس کے منصب سے برطرف کر دیا۔ وہ اس سبب سے بہت غمگین اور شکستہ خاطر میرے پاس آیا۔ قلت مال اور کثرت عیال کو بیان کیا اور از حد اصرار اور گریہ زاری کی یہانتک کہ میرا دل پورے طور پر اس کے حال کی طرف

متوجہ ہو گیا۔ پہلے مجھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا کہ قضائے مبرم ہے۔ میں نے بہت التجا اور نیاز مندی کا اظہار کیا اور میری توجہ اس حد تک متعلق ہو گئی کہ اگر یہ کام حسبِ منشا نہیں ہوتا تو صوفیوں کا لباس اُتار پھینکوں گا۔ اور پھر کبھی بھی اسے نہیں پہنوں گا۔ اس حال میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے میری دعا کو قبول فرمایا۔ اور مجھے بتایا گیا کہ باوجود اس مضبوط اور پختہ انتظام کے ہم نے اس منصب کو بحال رکھا۔ میں نے دعا کی کہ خداوندا اس قدر منصب تو اس کا پہلے ہی تھا میری نیاز مندی اور زاری کا پھل کیا ہو گا۔ مجھے بتایا گیا کہ ہم نے اس قدر اضافہ کر دیا ہے۔ ہم نے علی الصباح اسے خوش خبری سنائی۔ بادشاہ نے بغیر کسی سبب کے اسے بلایا اور کہا کہ ہم نے فلاں کا قصور معاف کر دیا۔ اور اس کا منصب بحال کر دیا ہے اور اس قدر اضافہ بھی کر دیا ہے۔ اس کے حاسدوں نے ہر چند کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ راقم حروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ اولیاء سے اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ ان کی تاویلات ہیں۔ جسے ہم نے فیوض الحرمین میں تفصیل سے لکھا ہے۔

" فرماتے تھے ہدایت اللہ بیگ نے تجارت کے لئے چند اونٹ خریدے میں نے کہا ان میں سے ایک مر جائیگا لیکن مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ ان میں سے جسے چاہوں موت کے لئے متعین کر دوں میں نے ان میں سے سب سے زیادہ کمزور کو مقرر کیا۔ بشرطیکہ اسے سب کے آخر تک اپنے پاس محفوظ رکھے اس نے تمام اونٹ فروخت کر دیئے اور اسے بھی آخر میں بیچ دیا لیکن خریدار اسے واپس کر گیا اور اس کے پاس وہ مر گیا۔

حضرت والد ماجد بارہہ کے بعض قصبات میں آئے ہوئے تھے۔ لوگ ایک بیمار کا قارورہ لائے۔ فی الفور آپ نے نسخہ تجویز کر دیا۔ اس مجلس میں ایک ہندو طبیب موجود تھا۔ اس نے کہا۔

حضرت والا! اس بیمار کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں۔ مسکرائے اور فرمایا یہ قارورہ ایک عورت کا ہے جس کا یہ نام ہے۔ اس کے ہاتھ ایسے ہیں۔ اخلاق اس طرح کے اور اس بیماری کا سبب یہ ہے اور وہ ایسی چیز تھی جسے بیان کرنے سے شرماتی تھی۔ بلکہ اس کے تمام افعال و اعمال معلوم ہیں۔ اس نے کہا حضرت! یہ مسئلہ طب میں کہاں لکھا ہوا ہے۔ فرمایا یہ طب میں نہیں۔ بلکہ محمدیوں کی سچی فراست ہے۔ او کما قال۔

فرماتے تھے مجھے دکھایا گیا کہ پھلت میں آگ لگ گئی ہے۔ میں نے اس وقت باطنی طور پر

مخلصین کے گھروں کے ارد گرد لکیر کھینچ دی اور خوش خبری دی کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک محفوظ رہیں گے۔ کچھ عرصہ بعد قصبہ میں آگ لگ گئی اور بعض لوگوں کے گھر جل گئے۔ منافقین نے اسے محل بحث بنالیا۔ میں نے کہا ذرا سوچو کہ یہ میری حد بندی سے خارج تھے یا اس میں داخل تھے جب انہوں نے سوچا تو وہ میری حد بندی سے باہر نکلے اور بکواس کرنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔

فرماتے تھے قصبہ پھلت کے دشمنوں نے جمع ہو کر اس علاقہ کے رؤسا کو بتایا کہ ان لوگوں کی زمین اس مقدار سے زیادہ ہے جس کا فرمان میں حکم ہوا ہے۔ رؤسا نے لوگوں کو پیمائش کے لئے مقرر کر دیا۔ پھلت والوں کو اس سے پریشانی ہوئی اور مجھ سے درخواست کی اور کہا جب پیمائش کرنے والا دشمن ہو تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ میں پیمائش کے روز ان کے ساتھ رہا تھوڑی سی توجہ ڈالی اور کہا پیمائش کرو جس قدر کھیت پیمائش کئے کم نکلے۔ پھلت والوں نے پھر التجا کی، کہ اگر تمام کھیت پیمائش میں کم نکلیں تو پیمائش کرنے والوں کو متہم کریں گے اور جھگڑا ختم نہیں ہوگا بعض کم اور بعض زیادہ اور بعض برابر ہونے چاہیئے تاکہ مجموعی طور پر تمام برابر ہوں۔ میں نے پھر توجہ کی۔ پیمائش کرنے والے نے بہت حیلے کئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور آپ کی مرضی کے برابر طے ہوا۔

فرماتے تھے کہ رستم اور اسد اللہ یہ دونوں رئیس پھلت کے لوگوں کو رنج دیتے تھے ایک مرتبہ پھلت والوں کے خلاف ایک فوج لے آئے۔ وہ بے چین ہو گئے اور مجھ سے درخواست کی، میں نے کہا تمہیں فتح حاصل ہوگی اور آیہ کریمہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ کا مضمون ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ڈاکہ زنی، فساد فی الارض اور دوسرے جرائم میں متہم ہوئے اور ان کے قریب ترین لوگوں نے اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ان کا حال بیان کیا۔ بادشاہ نے ان کے گرفتار کرنے اور بیڑیاں پہنا کر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ حاکم نے ہوشیاری سے انہیں قید کر لیا اور لشکر میں بھیج دیا اور وہاں ہی مر گئے۔

فرمایا میں پھلت میں تھا میں علی الصباح دہلی جانا چاہتا تھا۔ میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ ایک بزرگ آپ کی بیعت کے لئے دور سے آ رہے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد میں نے مسجد میں توقف کیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ لوگ تنگ آ گئے اور کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔ حقائق و معارف آگاہ شیخ محمد نے کہا ہمیں اب آرام کرنا چاہیئے۔ اگر وہ بزرگ آئے تو دوبارہ گھر سے باہر آ جائیں گے کوئی مضائقہ

نہیں میں نے کہا نہیں میں تو جب تک وہ نہ آجائیں اسی جگہ بیٹھا رہونگا جب آدھی رات گزر گئی گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی میں نے کہا یہ دیکھئے۔ وہ شخص آگیا۔ اس کے بعد اس شخص نے آکر بیعت کی اور کہا دن کے آخری حصہ میں پہنچنے کا ارادہ تھا مگر انتظام نہ ہوسکا جب رات ہوگئی تو جلدی چلا اور میری آرزو تھی کہ کاش! حضرت والا مسجد میں مل جائیں۔ اس فقیر (ولی اللہ) نے حضرت والا سے اجمالاً اور بعض دوسرے احباب سے تفصیلاً سنا ہے کہ سید غلام محی الدین اور اس کا والد بیجاپور کی مہم میں بیمار ہو گئے۔ ان کی بیماری لمبی اور سخت ہوگئی۔ ایک روز حضرت غوث الاعظمؒ کو انہوں نے خواب میں دیکھا۔ فرمایا کہ تم اپنے شیخ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے جب بیدار ہوتے تو کچھ نیاز حضرت والا کی مقرر کی اور دل سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تین روز کے بعد اس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والا تشریف لائے ہیں اور اس کے نزدیک بیٹھے ہیں صحت کی خوش خبری دی اور فرمایا کہ ساتویں روز قلعہ بیجاپور مورچہ غازی الدین خان کی طرف سے فتح ہو جائے گا۔ اگر لشکر خان جس کے ہمراہ تم ہو اس کی موافقت کرے تو یہ فتح اس کے نام ہوگی۔ اور اس کی جمعیت کا باعث ہوگی۔ اس کے بعد اسے سفید چادر پہنائی اور چلے گئے علی الصباح اس کا والد فوت ہوگیا اور وہ صحت یاب ہوگیا۔ لشکر خان کو تمام صورتِ حال سے مطلع کیا اس نے غازی الدین کا ساتھ دیا۔ اور اسی روز فتح حاصل ہوگئی اور اس کی جمعیت کا سبب بنی۔ حضرت والا نے ان کی بیماری، صحت، وفات، فتح اور رفاقت کا تمام حال دو شنوں میں بیان فرمایا۔ مدت کے بعد خط پہنچا جو حضرت والا کی فرمائی ہوئی باتوں کے موافق تھا۔

فرماتے تھے اسد علی کا اپنے بعض شرکا کے ساتھ جھگڑا ہوگیا۔ وہ جمع ہوگئے اور چاہا کہ اسے ہلاک کر دیں۔ وہ میرے پاس آیا اور بہت گریہ زاری کی میں اس کے حال کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے کہا جاؤ۔ ثابت قدم رہو اور کسی شخص سے مت ڈرو۔ اس کے شرکا ہزاروں کی تعداد میں اس پر حملہ آور ہوئے۔ اس کے صرف بیس ساتھی تھے۔ آخر کار انہوں نے میری شکل دیکھی کہ انہیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کر رہی ہے۔ اس نے بندوق چلادی جو دشمن کے گھوڑے کو لگی۔ وہ گر پڑا۔ دشمن مرعوب اور ذلیل ہو کر بھاگ گئے۔

فرماتے تھے محمد قلی اورنگ زیب کے لشکر میں گیا ہوا تھا۔ اس کو گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی۔

اور کوئی خبر نہ آئی۔ اس کا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا۔ اس نے مجھ سے التجا کی۔ میں نے بہت توجہ کی لشکر میں ایک ایک خیمہ میں جاکر دیکھا لیکن مجھے نہ ملا۔ میں نے اسے مردوں میں تلاش کیا۔ نہ ملا۔ میں نے لشکر میں ادر دگرد نظر ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بیماری سے صحتیاب ہوا ہے۔ غسل کرکے شتردی رنگ کپڑا پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے اس کے بھائی کو بتایا۔ وہ دو تین ماہ بعد آیا اور اسی تفصیل سے قصہ بیان کیا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا خریدا تھا اس نے اسے حضرت والا کو دکھایا۔ آپ نے اسے علیحدگی میں طلب فرمایا۔ اور کہا اور یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا فرمایا گھوڑا اچھا ہے لیکن اس کی عمر کم ہے۔ اس کی ایک لڑاکی بیوی تھی جس کی بدخوئی اور بدزبانی سے تنگ آیا ہوا تھا۔ درخواست کی کہ اگر وہ عورت اس گھوڑے پر قربان ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔ ایسا ہی ہوگا۔ تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کی عورت مرگئی۔ گھوڑا بیچ کر اس نے نفع کمایا۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے میرے سامنے کچھ روپے پیش کئے اور کہا کہ یہ میری نیاز ہے۔ جب میں نے ان روپوں کو دیکھا تو مجھے ان میں تاریکی دکھائی دی۔ بظاہر مال زکوٰۃ ہے اس کے بعد معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا۔

فرماتے تھے اکبر آباد میں میرے والد علیہ الرحمۃ ایک حویلی میں ٹھہرے ہوئے تھے کم و بیش ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی۔ وہ بیمار تھے۔ ہلنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ اس جگہ مجھ پر ظاہر ہوا کہ یہ حویلی گرے گی اور اس کے ساکنین کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ میں اسی وقت باہر نکلا۔ مکان تلاش کرتا رہا کسی جگہ بھی کرایہ پر مکان نہ ملا۔ کیونکہ بادشاہ کا لشکر اترا ہوا تھا۔ تمام جگہ کی حویلیاں بھری ہوئی تھیں۔ بڑی جستجو کے بعد ایک غیر آباد قلعہ مل گیا جو خالی تھا۔ اہل شہر سے اس کے مالک کا پتہ پوچھا اور اس کے غیر آباد رہنے کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا یہ مکان ایک ہندو کی ملکیت ہے۔ یہاں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے۔ جو شخص یہاں سکونت اختیار کرتا ہے وہ اسے تکلیف پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا کوئی خوف نہیں تھوڑے سے کرایہ میں میں نے اسے لے لیا۔ سرکنڈے لا کر اسی وقت چھپر ڈال لیا اور تمام ساز و سامان وہاں لے آئے۔ اسی روز کوئی اور اس حویلی میں داخل ہوا گھر کی چھت گر پڑی۔ اس کے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد وہ جوگی ظاہر ہوا۔

اس نے کہا اس جگہ زندہ جوگی دفن ہوئے ہیں۔ اس جگہ رہنا مناسب نہیں ہے ۔ میں نے پوچھا کہ وہ کہاں دفن ہوتے ہیں۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا ۔ میں نے کہا ہم یہاں بیت الخلا بنائیں گے وہ چلا گیا اور جا کر اس نے جادو کیا۔ اس جادو کا تمام نقصان اسے پہنچا۔ چنانچہ ایک روز وہ میرے والد ماجد کی خدمت میں آیا اور کہا کہ تمہارا لڑکا مجھے دکھ دیتا ہے ۔ انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی۔ میں نے کہا۔ پہلے اس سے پوچھئے کہ میں نے اسے کیا دُکھ دیا ہے ۔ گالیاں دی ہیں، خود ہاتھ سے مارا ہے یا کسی سے پٹوایا ہے ۔ انہوں نے پوچھا تو اس نے کہا اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں بلکہ ہمارے جن سے ہمیں مروا رہا ہے۔

فرماتے تھے کہ دولت آباد کے نواح کا ایک سید اپنے بھائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا۔ ایک روز قضائے حاجت کے لئے ایک پرانی عمارت میں گیا۔ وہاں اسے پریاں نظر آئیں۔ ان میں سے ایک پری اس سے لپٹ گئی اور اس پر فریفتہ ہو گئی۔ وقتاً فوقتاً اس کے لئے متمثل ہوتی اور وہ بیمار سے بیمار تر ہوتے رہے۔ ہر چند اس نے اسے دُور کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار نوکری چھوڑ کر میری طرف روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں بھی وہ پری روزانہ اس کے پاس آتی رہی جب فرید آباد میں پہنچا تو وہ پری حاضر ہوئی اور مجھے رخصت کیا کہ اب میں تجھے نہیں مل سکتی جب یہاں پہنچ گیا تو روز بروز اچھا ہوتا گیا اور وہ بیماری بغیر کسی علاج یا تعویذ کے بالکل جاتی رہی۔

فرماتے تھے ایک شخص کو جن تکلیف پہنچاتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے میری طرف رجوع کیا میں نے کہا کہ اس کے پاس میرا پیغام پہنچا دو کہ فلاں کہتا ہے کہ اس جگہ سے دُور ہو جاؤ۔ ورنہ تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے پیغام پہنچا دیا۔ مگر وہ نہ گیا۔ میں نے کہا تم نے میرا نام اس طرح تفصیل سے نہیں لیا کہ دوسرے ناموں سے ممتاز ہو جائے ۔ دوبارہ جا کر اسے اس طریق سے کہو۔ انہوں نے جا کر اسی طریق سے کہا۔ اس کے بعد اس نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ اوکما قال۔

فرماتے تھے اس محلہ والوں نے ایک مرتبہ مجھ پر جادو کر دیا۔ رات کے وقت میں بیت الخلاء میں گیا۔ ایک جوگی کی صورت ظاہر ہوئی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور جونا مارا جس سے وہ دھواں ہو کر فنا ہو گیا۔ فرماتے تھے۔ دوسری مرتبہ انہوں نے جادو کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آتشی شخص متمثل ہوا جو آتشیں نیزہ پکڑے آتشیں گھوڑے پر سوار تھا۔ مجھ پر حملہ

کر رہا ہے۔ خواب ہی میں میں نے چھڑی لے کر اس پر قرآن کی سورۃ پڑھ کر پھونک ماری۔ اور اس کو مارا جس سے وہ سوار، نیزہ اور گھوڑا کوٹلہ ہو کر گر پڑے۔ گرتے وقت اس نے کہا میں تمہارے عمل کے اثر سے نہیں گرا۔ علی الصباح میں یہ واقعہ مخدومی شیخ ابو الرضا محمد کی خدمت میں بیان کر رہا تھا۔ اس وقت ایک بلی کا بچہ میرے سامنے آیا۔ میں نے اس پہ ہاتھ رکھا۔ وہ اپنی جگہ سے کودا۔ اس کے منہ سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

فرماتے تھے دوسری مرتبہ مجھ پر جادو کیا تو میں بیمار ہو گیا۔ میں جس قدر علاج کرتا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ راقم کا گمان ہے کہ خواجہ قطب الدین ہوں گے فرماتے تھے تم پر جادو کیا گیا ہے۔ فلاں فلاں آیت پڑھو۔

فرماتے تھے ایک بار مجھ پر تہمت لگائی اور قاضی کے پاس دعویٰ کر دیا۔ میں بھی حاضر ہوا۔ گواہوں کے منہ سیاہ ہو گئے اور زبانیں سرخ ہو گئیں۔ تمام لوگوں نے انہیں دیکھا قاضی نے چاہا کہ ان کی تشہیر کرے۔ میں نے کہا۔ یہی مقدار جو ظاہر ہوئی ہے۔ کافی ہے۔ اس فقیر نے حضرت والا سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً سنا ہے کہ جس وقت اورنگ زیب حسن ابدال کی طرف روانہ ہوا ہے۔ اور افغانوں نے بغاوت کر دی۔ ہر چند اس نے کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حضرت والا کے بعض مخلصین نے اس کے متعلق استدعا کی۔ جب متوجہ ہوئے تو فرمایا ایک پیر مرد کی صورت ظاہر ہوتی ہے جو دعا کرنے سے منع کرتی ہے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شیخ بزرگوار حضرت شیخ آدم بنوری کے خلیفہ حاجی یار محمد نے افغانوں کی مدد پر کمر ہمت باندھ رکھی تھی جب اورنگ زیب فوت ہو گیا اور اس کی اولاد آپس میں جنگ کرنے لگی بعض دوستوں نے پوچھا کہ فتح کس کی ہو گی فرمایا سات بندوقیں اعظم کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ کیسے بچ سکے گا۔ جلد ہی اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ جب معز الدین تخت پر بیٹھا اور فرخ سیر نے پورب کی طرف سے خروج کیا وہ بہت متفکر ہوا اور درویشوں کی خدمت میں جاتا اور فتح کی خوشخبری کی درخواست کرتا۔ کسی نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کی کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ فرمایا اس کا آنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر میں نے سچ کہا تو ناراض ہو گا اور اگر جھوٹ بولوں تو فقراء کے لئے جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا مناسب نہیں۔ جب فرخ سیر اور عبداللہ خاں کی آپس میں چپقلش ہو گئی۔ اس کا کچھ حصہ حضرت والا کی خدمت

ہیں مذکور ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے عالم مثال میں دیکھا ہے کہ لوگ فرخ سیر کے تخت کو اُلٹ دینا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اسے میری خاطر چھوڑ دو۔ کیونکہ خونریزی کو کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا پس فرخ سیر حضرت والا کی وفات سے پچاس روز بعد گرفتار ہو گیا۔

حضرت والا فرماتے تھے کہ میرا بیٹا صلاح الدین بیمار ہو گیا اور اس کی زندگی کی امید جاتی رہی۔ میں نے قبر کھودنے اور کفن خریدنے کا حکم دیا۔ میرے دل میں جوش پیدا ہوا اور گوشہ میں جا بیٹھا اور گڑگڑا کر دعا کی۔ فرشتہ حاضر ہوا اور اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی۔ اسی وقت اسے چھینک آئی اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔ راقم الحروف اس قصہ میں خود حاضر تھا حضرت والا کی عمر ساٹھ کی ہو گی۔ تو ان پر منکشف ہوا کہ ان کی تقدیر میں ایک اور بیٹا دیا جاتا ہے۔ اور بعض خاص دوستوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ وہ مولود فلاں فلاں مقام پہ پہنچے گا۔ اس کے دل میں دوسری شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب مخدومی حضرت شیخ محمد نے یہ ماجرا سُنا تو ان کی خواہش ہوئی کہ یہ فرزند ان کی جگہ گوشہ سے ہو۔ اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سُنا ہے کہ جب شادی ہو گئی تو بعض منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ حضرت والا نے اس بات کو سُنا اور فرمایا میری کافی عمر باقی ہے اور میرے فرزند پیدا ہوں گے اس کے بعد سترہ سال زندہ رہے اور دو فرزند پیدا ہوئے۔ فقیر ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات حضرت والا نماز تہجد گزار رہے تھے اور فقیر کی والدہ بھی وہاں قریب ہی تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت والد ماجد نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ میری والدہ آمین کہتی تھیں۔ ان کے درمیان دو ہاتھ ظاہر اور ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دو ہاتھ ہمارے فرزند کے ہیں جو پیدا ہو گا۔ ہمارے ساتھ دعا کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کے بعد نماز تہجد میں والدین کے ساتھ شریک ہوا۔ اور اسی طریق پر ان کے درمیان ہاتھ اُٹھائے هٰذا تاويل رؤياى من قبل قد جعلها ربى حقا۔

نیز یہ فقیر ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں جنین کی صورت میں تھا حضرت والا نے ایک بھکارن کو فی سبیل اللہ نصف روٹی دی۔ پھر اسے دوبارہ بُلا کر نصف دوسری بھی دی اور کہا یہ بچہ جو ابھی جنین ہے۔ کہتا ہے کہ خدا کی راہ میں پوری روٹی دینی چاہیئے۔

ایک روز جب یہ فقیر بہت ہی کم عمر تھا اسے اہل اللہ کے نام سے مکرر پکارا کسی شخص نے اس بات کے راز کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اہل اللہ اس کا بھاتی ہے جو عنقریب پیدا ہوگا میری زبان اسے پکارنے لگی۔ حضرت والا خلوت وجلوت میں بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوتے مہربانی فرماتے خوش ومسرت سے جھوم اُٹھتے۔ اور فرماتے میرے دل میں خیال آتا ہے کہ میں یکدم تمام علوم تیرے دل میں انڈیل دوں پھر کئی دنوں کے بعد جوش مارتے اور یہی بات کہتے۔ علی ہذا القیاس کئی مرتبہ فرماتے رہے یہانتک کہ آپ کی باتوں کا اثر مجھ میں ظاہر ہوا ورنہ اس فقیر نے علوم کے حاصل کرنے میں زیادہ محنت نہیں اٹھائی۔

یہ فقیر زمانہ طفولیت میں احباب اور رشتہ داروں کی موافقت میں ایک باغ کی سیر کو گیا۔ جب واپس آیا حضرت والد نے فرمایا اے فلاں اس دن رات میں تو نے کیا حاصل کیا جو تیرے لئے باقی رہے۔ یہ دیکھو ہم نے اس مدت میں اس قدر درود شریف پڑھ لیا ہے محض یہ بات سننے سے فقیر کے دل سے باغات کی سیر کا شوق ختم ہو گیا۔ پھر کبھی ایسا خیال پیدا نہیں ہوا۔

حضرت والا کو شوال کے مہینہ میں سخت بیماری لاحق ہو گئی جس سے زندگی کی امید جاتی رہی ان دنوں اس فقیر کو خلوت میں فرمایا کہ وہ حضرت والا کی طرف اپنے دل کی توجہ رکھے اور فرمایا کہ تین ماہ تک اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اس وقت تین ماہ کی قید سمجھ میں نہ آئی جب شفایاب ہو گئے اور غسل صحت کر لیا اور تین ماہ کے بعد پھر مرض لوٹ آیا اور بارہ صفر وفات پائی تو اس وقت معلوم ہوا کہ اس میں کیا نکتہ تھا۔

حضرت والا اپنی آخری عمر میں جب صاحب فراش ہو گئے تو اس فقیر کو فرماتے تھے کہ دوات اور قلم میرے پاس لاؤ میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص معارف تحریر کروں۔ اس فقیر نے کئی مرتبہ حاضر کیں مگر لکھنے کی طاقت نہیں تھی اور نہ ہی لکھوا سکتے تھے۔ حضرت والا کی وفات کے بعد میرے دل میں حضرت والا کے حالات لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور اکثر اوقات یہ تمام واقعات اس طرح میرے دل میں آئے گویا یہ سب میرے سامنے ہوئے ہیں۔ ان دنوں میں نے چند بار خواب میں دیکھا گویا ان کلمات کو حضرت والا کے سامنے پڑھ رہا ہوں۔ اور آپ بڑی توجہ سے سُن رہے ہیں یہانتک کہ تمام مسودات ان کے سامنے پڑھے اور مضبوط کئے گئے اور اس فقیر کا خیال یہ ہے کہ جس چیز کے

لکھوانے کا ارادہ تھا اس سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ایک روز اپنے آخری ایام میں اس فقیر اور محمد عاشق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی یہ دوستی میری خوشی و مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس بات کا راز بعد میں ظاہر ہوا کہ اس عزیز نے اس فقیر سے بعیت کی اور نفع حاصل کیا اور امید ہے کہ یہ دوستی بڑی مفید ہوگی۔ غالباً اگر کوئی شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ حضرت والا کی مجلس میں بیٹھتا تو اس میں عجیب اثر سرایت کر جاتا تھا۔ محمد قلی بے توجہی کے باوجود جو سپاہیوں کا شیوہ ہے اس قدر مغلوب ہو جاتا کہ بے ہوش ہو جاتا تھا اور جب زیادہ مغلوب ہوتا تو اس کا گھوڑا بھی گر پڑتا اور زین الگ ہو جاتا

رُوحانی ٹیلیویژن

محمد فاضل کی بیٹی شریفہ نے صغر سنی کے باوجود حضرت والا کے انعکاس کی شعاع کو اخذ کیا۔ بہت سے امور اس پر منکشف ہوتے تھے۔ ایک رات حضرت والا محمد فاضل کے گھر جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی۔ شریفہ نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ فلاں جگہ گری ہے شمع اُٹھا کر اسی جگہ تلاش کیا تو وہ مل گئی۔ ایک روز اپنے گھر میں تھی کہنے لگی حضرت ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں اور فلاں طعام کی رغبت رکھتے ہیں۔ اس کھانے کو تیار کیا تو یہ بات ویسے ہی تھی جیسے اس نے بیان کی۔ ایک روز اپنے گھر میں تھی۔ حضرت والا بھی وہاں تھے۔ اس نے کہا خلیفہ فتح محمد ہمارے گھر کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر اس نے کہا راستہ میں کھڑے ہیں اور کسی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ دھوپ میں ہیں اور وہ دوسرا شخص سایہ میں ہے پھر اس نے کہا انہوں نے تین نارنگیاں خریدی ہیں دو دونو بیٹوں کیلئے اور ایک حضرت والا کیلئے۔ پھر اس نے کہا۔ اسکی نیت تبدیل ہو گئی۔ دو حضرت والا کیلئے اور ایک دونوں لڑکوں کیلئے مقرر کی۔ پھر اس نے کہا یہ لیجئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ دریافت کیا تو بلا کم و کاست اسی طرح تھا جیسا کہ اس نے بیان کیا۔

اس فقیر نے شریفہ کے متعلق عجیب و غریب قصہ سُنا۔ اس نے کہا میں نے حضرت والا سے درخواست کی کہ میں حضرت والا کا دل دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور میری طرف متوجہ ہو جب میں متوجہ ہوا تو مجھ پر غیبوبیت طاری ہوئی۔ اس غیبوبیت میں میں نے دیکھا کہ گویا میں حضرت والا کے حلق میں داخل ہو گئی ہوں اور حضرت والا کا دل آئینہ کی مانند ظاہر ہوا جس کی لمبائی ایک ہاتھ اور چوڑائی ایک بالشت ہے اور اس آئینہ میں اسم ذات

چراغ کے شعلہ کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ میں انتہائی محبت کی وجہ سے اس شعلہ کو منہ میں لے لیا اور نگل گئی اسی وقت حضرت والا بے قرار ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ ہوا فرمایا جب تو نے میرے دل کے لطیفہ کو نگل گئی تو میں بے طاقت ہو گیا۔

اس فقیر نے شیخ فقیر اللہ سے سنا ہے کہ جب حضرت والا کی والدہ فوت ہوئیں تو بہت غمگین ہوئے۔ اس غم واندوہ میں خود کو جزع فزع سے روکے ہوئے تھے۔ رات وہاں سوئے ہوتے تھے اور میں آپ کے پاؤں دبا رہا تھا میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک نور محسوس کیا جو ظاہر ہوا اور حضرت والا کے جسم مبارک کو گھیر لیا۔ خصوصاً آپ کے سینہ، چہرہ اور منہ کو۔ جب بیدار ہوئے تو میں نے اسے بیان کیا۔ فرمایا وہ میرے صبر کا پھل تھا۔

خلیفہ فتح محمد جو آپ کے قدیم دوستوں میں سے تھا۔ حضرت والا جب کوئی مسئلہ کتاب سے نکالنا چاہتے اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ کتاب میں کس جگہ ہے تو وہ نسخہ ان کے ہاتھ میں دے دیتے۔ کچھ غور و فکر کے بعد کتاب کو جب کھولتے تو ایک صفحہ آگے پیچھے وہی جگہ ہوتی۔

محمد غوث پھلتی ذکر کرتے تھے کہ حضرت والا حجرہ میں تنہا سوئے ہوتے تھے میں اس وقت ان کی زیارت کے لئے آیا بعض مخلصین نے مجھے کہا کہ حجرہ کے اندر نہ جاؤ کیونکہ آپ سوتے ہوئے ہیں میں دروازہ پر ٹھہر گیا۔ اسی اثنا میں میں نے رونے کی آواز سنی میں بے طاقت ہو گیا اور بغیر اجازت کے حجرہ کے اندر قدم رکھا۔ قدم رکھتے ہی بعض مغیبات مجھ پر منکشف ہوئیں ان میں سے یہ کہ فرہاد خاں ساکن حسین پوران کی زیارت کے لئے آتا تھا جب میں حضرت والا کے نزدیک پہنچا تو آپ نے اپنے پاؤں میری طرف بڑھائے۔ میں انہیں دبانے لگا۔ اس حالت میں میرے دل میں خیال گزرا۔ کہتے ہیں کہ اولیاء کا ایک دوسرا جمال لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جمال کیا ہو سکتا ہے۔ جب میں نے آنکھ اٹھائی تو میں نے دیکھا کہ چہرہ اقدس سے حجاب آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے گویا کہ بادل کا ٹکڑا چاند سے اٹھ رہا ہے۔ جب تھوڑی دیر تک پردہ اٹھ گیا تو اس قدر شعاعیں پھوٹیں کہ قریب تھا کہ میں بیہوش ہو جاتا پھر حضرت والا اٹھے۔ اور وضو کیا میں آپ کے سامنے گیا تاکہ یہ قصہ بیان کروں۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جلد ہی فرہاد خاں آیا اور آپ کی خدمت میں شرفیاب ہوا۔

حضرت والا جس میں بھی چاہتے تھے تاثیر کرتے تھے اور اسے غیبوبت اور بے خودی تک پہنچا دیتے تھے یہ واقعات حد و شمار سے باہر ہیں۔ بعض توجہات میں جماعت کثیرہ بے ہوش ہو جاتی تھی اور بعض توجہات میں اس قدر بے ہوش ہوتی کہ ان کے مرجانے کا خوف ہوتا۔ آخر میں اس قسم کی توجہ سے آپ نے اعراض فرمایا اور اسے پسند نہیں کرتے تھے۔

ایک روز مستورات قصبہ پرتاب پور میں جمع ہو گئیں اور اس قسم کے تاثیر کا مطالبہ کیا۔ فقیر کی والدہ کو اس جماعت پر توجہ کا حکم فرمایا کہ فرماتے ہی عجیب تاثیر ان میں ظاہر ہوئی یہاں تک کہ اس روز جس نے بھی چاہا اسے غیلبت میں پہنچا دیا۔ ان کی تعداد بیس سے زیادہ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

دلوں کے راز بتانے اور ان دیکھی باتوں کو منکشف کرنے کے واقعات بے شمار ہیں۔ ان کے مخلصین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس قسم کی پانچ چھ کرامتیں جو اس نے دیکھی ہیں بیان نہ کرتا ہو، فقیر (شاہ ولی اللہ) کی غرض حضرت والا سے خود سنی ہوئی باتیں بیان کرتا ہے۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ ۔۔۔ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

عمرم تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔۔۔ ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

حضرت والد ماجد کے ملفوظات

حضرت والد فرماتے تھے، میں ایک مرتبہ ایک مشہور بزرگ کی ملاقات کے لئے گیا۔ انہوں نے فرمایا ایک مدت سے دو خطرات میرے دل میں کھٹکتے تھے اور ان دونوں سے اطمینان نہیں ہوتا تھا ایک یہ کہ علماء کہتے ہیں کہ رویت حق سبحانہ وتعالیٰ دنیا میں آنکھوں سے محال ہے۔ حالانکہ ہم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے صوفیاء نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے کہا ہے ؎

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند ۔۔۔ ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

(آنکھوں کا تو یہی فائدہ ہے کہ دلبر کو دیکھے۔ ۔۔۔ اگر وہ اسے نہیں دیکھتی تو بینائی کا پھر کیا فائدہ)

میں نے کہا معلوم نہیں اس شعر کے قائل کی مراد جمال حقیقی ہے یا مجازی اور پہلی کی صورت

ہیں تاویل کا باب کشادہ ہے۔ لیکن جو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر کیا ہے تو یہ بصیرت کا بصر سے اشتباہ ہے آپ اپنی آنکھوں کو بند کیجئے۔ انہوں نے بند کر دیں۔ میں نے پوچھا اس ادراک کا حال باقی ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا باقی ہے۔ میں نے کہا یہ اشتباہ کی علامت ہے۔

دوسرا خدشہ یہ ہے کہ نقشبندی کہتے ہیں کہ ہم جب سالک پر توجہ ڈالتے ہیں تو پہلی صحبت میں اسے غیبت اور بے خودی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ثابت ہے یا نہیں آپ نے کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں ثابت ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں میں نے دیکھی ہیں۔ بلکہ اس قسم کی تاثیرات مجھ سے بہت ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ کہنے لگے آپ نے سچ کہا ہے۔ مگر میری تسلی نہیں ہوتی۔ اس جگہ ان کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص پر میں نے توجہ ڈالی جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ انہیں شک پڑ گیا کہ یہ مرگی کا دورہ ہے یا وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ میں نے کہا ان میں سے کچھ بھی نہیں۔ میں نے تاثیر کی ہے جب وہ شخص ہوش میں آیا اس سے انہوں نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا کہ تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس نے کہا میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ ان کی محض توجہ کرنے سے ایک نور ان سے نکلا اور مجھ میں داخل ہو گیا اور میرے ہوش جاتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے عین الیقین حاصل ہوا۔ لیکن ابھی حق الیقین نہیں۔ میں نے کہا آپ صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ اور ہر طریق کی ایک خاص تاثیر ہے۔ یہ مصلحت نہیں ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ فقیر آدم بنوری قدس سرہٗ کے متبعین میں سے ایک بزرگ سے مسجد حرام میں ملا جو رویت حق سبحانہ وتعالیٰ کے دنیا میں قائل تھے۔ میں نے ایک موقع پر یہ قصہ بیان کیا۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ جہت اور مکان میں مقید نہیں ہے تو پھر دیکھنے والے کی آنکھ کی پلکیں آنکھ کے ڈیلے کے درمیان روک اور حجاب نہیں بن سکتیں۔ اس لئے آنکھیں بند کرنے کے باوجود مشاہدہ قائم رہتا ہے اور بصر و بصیرت میں کوئی فرق ثابت نہیں ہوتا۔ میں نے کہا حقیقت رویت عرف عام میں مکمل انکشاف ہے جو آنکھ کھولنے کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ملا جلال نے بحث رویت معادیہ میں اسے بیان کیا ہے پس وہ انکشاف جو آنکھیں بند کرنے اور کھولنے کے بعد یکساں محسوس ہو اسے رویت نہیں

نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے میرے ایک ہم سبق نے مجھ سے سوال کہ خدا تعالیٰ آپ کو اپنے بندوں کے ذریعہ روزی پہنچاتا ہے اور اسی طرح تمام دوسرے لوگوں کو بھی۔ ہم اور آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حقیقی رازق حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ تو پھر فرق کیا ہوا۔ میں نے کہا تم مخلوق کی طرف متوجہ ہو ان کیلئے متواضع ان سے تمہیں طمع ہے اور ہم خالق کی طرف متوجہ ہیں اسی سے دیکھتے اور اسی سے طلب کرتے ہیں۔ اس نے کہا فرق واضح نہیں ہوتا۔ میں نے تصرف کیا یا فرمایا بغیر تصرف کے خدا تعالیٰ نے مہربانی ظاہر فرمائی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ مجھے کچھ روپے انہیں ہدیہ دینا چاہیئے۔ یہ خیال قوی ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ بے اختیار ہو گیا۔ میں نے اس ہدیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دیر تک وہ دھوپ میں کھڑا۔ زاری اور تضرع کرتا رہا اور کہا مجھے معلوم ہے کہ اس رقم کے قبول کرنے میں میری سعادت ہے اور رد کرنے میں بدبختی۔ میں نے اسے قبول کرنے کے لئے بعض سخت شرائط عائد کیں وہ بھی اس نے خوشی خوشی پوری کر دیں۔ اس کے بعد میں نے کہا اسے میرے دروازہ کی چوکھٹ پر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے ایک بھکاری گزر رہی تھی میں نے اسے اشارہ کیا کہ اسے اٹھالے اس کے بعد میں نے اسے کہا تمہیں کچھ معلوم ہوا کہ تمہارے امراء سے لینے اور ہمارے تم سے لینے میں کیا فرق ہے۔ اس نے کہا اب اچھی طرح واضح ہو گیا اور کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

فرماتے تھے مجمع عظیم تھا شہر کے تمام صوفیاء اور علماء جمع تھے۔ وہاں کسی شخص نے سوال کیا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است　　　در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

اور یہ بات اس کے خلاف ہے جو کتب عقائد میں لکھی ہوئی ہے کہ رویت حق سبحانہ دنیا میں ممتنع ہے ان دونوں باتوں میں منافات ہے۔ ان میں مطابقت کیسے ہوگی۔ اس مسئلہ میں بڑا مناظرہ ہوا اور طویل بحث مباحثہ کی نوبت پہنچی۔ اس کے بعد انہوں نے میری طرف رجوع کیا۔ میں نے فریقین کو خاموش کرنے کے بعد کہا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ محتجب ہے محجوب نہیں ہے۔ خواجہ حافظ اپنے شوق کے تقاضا پر کہتے ہیں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ محجوب نہیں ہے۔

اور ہمارے نہ دیکھ سکنے کے علاوہ اور کوئی مانع بھی نہیں اور اسے دُور کرنا بھی تیرے ہاتھ میں ہے تو پھر اس دنیا میں ہمیں اپنے جمال سے بہرہ اندوز کیوں نہیں کرتا۔ فریقین نے اسے قبول کر لیا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ مناظرہ یہ تھا کہ صوفیا کہتے ہیں کہ بے پردگی سے مراد ایسا انکشاف ہے جس کے اوپر کوئی اور انکشاف نہ ہو اور اولیاء کو اس دنیا میں یہ بات حاصل ہوتی ہے اور عوام کے لئے یہ بات آخرت پر موقوف ہوتی ہے۔ علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ رویت کے لئے آنکھوں کا کھلا ہوا ہونا ضروری ہے۔ حضرت والا کا ایک مخلص اورنگ زیب عالمگیر کے مقربین میں سے تھا۔ ایک روز بادشاہ نے مراقبہ کیا۔ وہ پنکھا ہلا رہا تھا۔ اسی محفل میں اس پر شغل غالب آیا اور وہ بے خود ہو گیا اور پنکھا اس کے ہاتھ سے گر پڑا قریب تھا کہ بادشاہ کو نقصان پہنچتا۔ پنکھا گرنے کی آواز سے بادشاہ مراقبہ سے ہوشیار ہو گیا اور اس حرکت کی وجہ پوچھی اس نے غیبوبت اور حضرت والا سے اپنی نسبت کو ظاہر کیا۔ بادشاہ کو ان کی ملاقات کا شوق ہوا۔ بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لاؤ۔ اس نے عرض کی کہ ملوک و اغنیاء کے گھر جانے کا ان کے ہاں دستور نہیں ہے۔ بادشاہ نے حضرت والا کے ایک مخلص شیخ پر کو جو حضرت والا کے ساتھ اخلاص رکھتے تھے۔ بلا کر ان کے ہاتھ اپنے شوق اور استدعاء ملاقات لکھ کر بھیجا۔ حضرت والا نے قبول نہ کیا۔ شیخ نے مبالغہ کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا تب مایوس ہو گئے تو کہا آپ ایک خط لکھ دیجئے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میری طرف سے کوتاہی ہوئی ہے۔ وہاں ایک حقیر کاغذ جس میں جوتے لپیٹے ہوئے تھے گرا ہوا تھا۔ اس کاغذ پر انہوں نے لکھا کہ اہل اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بئس الفقیر علی باب الامیر (بدترین فقیر وہ ہے جو امیر کے دروازہ پر ہو) اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے۔

وما متاع الحیوۃ الدنیا الا قلیل (دنیا کی زندگی کا تمام سامان بھی کم ہے) اس قلیل میں سے بہت ہی اقل آپ کو ملا ہے۔ اگر بالفرض اس میں سے آپ مجھے کچھ دیں گے تو وہ جزء لا یتجزیٰ ہو گا۔ یعنی وہ ذرہ جسے آگے تقسیم نہ کیا جا سکے۔ میں اس ذرہ حقیر کی خاطر اپنے نام کو خدا تعالےٰ کے دفتر سے کیوں کٹا دوں کیونکہ بزرگان چشتیہ کے بعض ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھا گیا۔ اس کا نام حق سبحانہ وتعالیٰ کے دفتر سے کاٹ دیتے ہیں۔ اس خط کی

روایت بالمعنی ہے۔ اس کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ اس قدر لکھا اور بھیج دیا۔ ناقل نقل کرتا ہے کہ بادشاہ نے اس رقعہ کو اپنی جیب میں محفوظ رکھا جب نیا لباس پہنتا اس کو اس کی جیب میں محفوظ رکھتا۔ یہاں تک کہ سات لباس تبدیل کئے۔ فرصت کے وقت اس کا مطالعہ کرتا اور روتا تھا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ بہادر شاہ کے بیٹے عظیم الشان سے بھی منقول ہے کہ اس نے عجز و انکساری اور طلب دعا پر مشتمل رقعہ لکھ کر بھیجا اور کہا کہ اگر آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت کے لئے تشریف لائیں اور اس بہانہ سے ہماری ملاقات ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ فرمایا۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم انما ینظر الی قلوبکم و نیاتکم۔ میں ان امور سے فریفتہ نہیں ہوتا۔

شیخ احمد سرہندیؒ کی اولاد میں سے شیخ نقشبند نامی ایک بزرگ نے مجمع میں کہا کہ صوفیاء کا یہ طبقہ جدید معارف نہیں رکھتا۔ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ پہلے بزرگوں کے اقوال ہیں حضرت والا نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اس طبقہ کے بعض لوگ خاص طور پر ایسے جدید معارف رکھتے ہیں کہ اس میں وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا تو پھر ان میں سے کچھ ہمیں بھی سنا دیجئے تاکہ اس کی حقیقت ہم پر واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ کلموا الناس علی قدر عقولھم کی حد مقرر ہو چکی ہے۔ اس لئے عام مجلس میں ایسے امور ظاہر نہیں کرنے چاہئیں۔ انہوں نے کہا اس مجلس میں اکثریت اہل سلوک کی ہے۔

حضرت والا نے فرمایا معرفت کے اکثر باریک نکات کے سلسلے میں بہت سے اہل اللہ عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ بسطامی کا قول ہے کہ نہایت الصدیقین بدایت الانبیاء (کمال صدیقیت آغاز نبوت ہوتا ہے) اور اکثر اہل استقامت اسی راہ پر گامزن ہیں مگر ہماری معرفت کا کچھ اور تقاضا ہے جب حضرت والا نے بات یہاں تک پہنچائی تو شیخ نقشبند کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور ناگواری کے اثرات ان کے چہرے پر ظاہر ہوئے۔ حضرت والا نے اس خیال سے کہ شاید نقشبند اس دوسرے قول کو پسند کرتے ہیں۔ کہ "الولایۃ افضل من النبوۃ" فرمایا میرے نزدیک نہایت الصدیقین ولایۃ الانبیاء والا مقام برزخی حیثیت رکھتا ہے۔ جسے نبی کے بغیر کوئی عبور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ

واقعہ جو پہلے مذکور ہوا کو اس خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ تمام اہلِ مجلس نے قبول کر لیا اور شیخ نقش بند انتہائی خوش ہو کر کہنے لگے کہ بایزید بسطامیؒ کی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے مگر آپ کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت والا اکثر امور میں مذہب حنفی کے مطابق عمل کرتے تھے سوائے چند چیزوں کے جن میں حدیث یا وجدان کی بنا پر دوسرے مذہب کو ترجیح دیتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے ۔اور نماز جنازہ میں بھی۔ ایک روز اس مسئلہ میں بھی شیخ عبدالاحد نے بحث کی اور اپنے اسلاف سے نقل کیا۔ کہا صحیح بات یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے اپنے احوال سنانے کے لئے ایک جماعت کھڑی ہو تو ادب یہ ہے کہ تمام لوگ اپنا کام اس کے سپرد کر دیں نہ یہ کہ ہر شخص اپنی اپنی کہے جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ نمازوں میں دعا اور خضوع کے ساتھ مناجات اور تہذیب نفس ہے چنانچہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اس پر دلالت کرتی ہے اور خدا تعالیٰ ایسا سمیع ہے کہ اگر تمام جہان ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ہر شخص اپنی اپنی زبان میں کوئی چیز کہے تو ایک کی مناجات سننے میں دوسری مناجات مخل نہیں ہوتی۔ ہم اس بات پر آگئے کہ قوم کی قرأت بعض اوقات امام کے لئے خلل کا باعث ہوتی ہے لیکن اس زمانہ میں امام زبان سے الحمدللہ کہتا ہے۔ لیکن جو کچھ حقیقت صلوٰۃ ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود امام کی تشویش سے احتراز نہیں کیا جا سکتا۔ کاتب حروف ان کلمات کے ضمن میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا لعلکم ترحمون جہریہ نمازوں میں عدم قرأت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی تاویلات تفاسیر میں مذکور ہیں۔

حضوری

ایک روز دوام حضور میں گفتگو شروع ہو گئی۔ شیخ عبدالواحد نے کہا ہمارے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی طرف متوجہ ہو یا داشت دل میں لائے تو بغیر کوشش کے تازہ ہو جائے۔ فرمایا یہ معمولی محنت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ بصارت کی طرح بصیرت میں امر غیر منفک ہو جائے کاتب حروف کہتا ہے کہ اس شخص کے لئے نسبت کا دوام جو کبھی فانی نہیں ہوا۔ ایک قسم کا تکلف ہے اور اس شخص کی نسبت

جو فانی ہو گیا ہے اسے حضور و التفات ہے۔ اس نقطہ وجودیہ کے ساتھ جو دائم ہے۔ بلکہ اصل تحقق ہے۔ اور فانی کو مطلق حضور جو کہ نقطہ وجودیہ بھی ہے اور التفات اجمالی ہمیشہ حاصل رہتا ہے۔ جیسا کہ بصر میں بصارت موجود رہتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قوت بصریہ کا یکجا مجتمع رہنا۔ اور پتلیوں کی گردش سے اس کا منتشر ہونا آنکھ میں یہ دونوں امور پائے جاتے ہیں۔ گویا بصارت آناً فاناً آتی بھی ہے اور جاتی بھی ہے۔ اس تحقیق سے دونوں مسئلوں کی حقیقت واضح ہو گئی۔ شیخ عبدالاحد ایک روز اپنے بعض بزرگوں کے تصرفات کو ذکر کرتے تھے حاضرین نے خیال کیا کہ اس قسم کے تصرفات صرف ان ہی کے بزرگوں کا خاصہ ہے۔ حضرت والا نے ان دوستوں کو جو اس مجلس میں حاضر تھے اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کریں۔ جو کچھ انہوں نے حضرت والا کے تصرفات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے تھے بیان کئے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ کا مفہوم ظاہر کر دیا اور شبہ جاتا رہا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

شیخ فقیر اللہ۔ شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں سے تھے۔ اور زین العابدین سے بھی ملقب اور خواجہ کلاں بن خواجہ محمد باقی باللہ کے نواسوں میں سے اپنے خاندان کے بزرگوں سے کافی فیوض حاصل کئے تھے۔ اور دہلی آئے تھے۔ اس عرصہ میں وہ خواجہ محمد باقی کے پرانوار مزار پر بیٹھے اور متوجہ ہوتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ ایک روز انہیں خیال پیدا ہوا کہ یہ نسبت اویسیہ جو حضرت خواجہ کی روح سے حاصل ہوئی ہے۔ جب تک ظاہری استفادہ کے ساتھ نہیں ملے گی مضبوط نہیں ہو گی۔ اس بزرگ کے معلوم کرنے کے لئے جس کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کریں۔ انہوں نے استخارہ کیا اور حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت خواجہ نے حضرت والا کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ اگر ہمای خاص نسبت کے طالب ہو تو ان کی مجلس اختیار کرو۔ اسی بناء پر وہ حضرت والا کی خدمت میں پہنچے اسی جگہ حضرت خواجہ کا لطف و کرم ظاہر ہوا اور عجیب و غریب فیوض ظاہر ہوئے جو ان کے ایک خط سے ظاہر ہوتے ہیں جو انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں لکھا تھا۔ اور وہ یہ ہے۔

مکتوب شیخ فقیر اللہ

احقر زین العابدین فیاض زماں، قبلہ مہربان کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کی صحبت سرمایہ سعادت کا اس قدر اشتیاق ہے کہ قلم اسے احاطہ تحریر میں لانے سے قاصر ہے۔ بے چینی و

بے قراری سے اکثر دل میں آتا ہے کہ بہر صورت خود کو وہاں پہنچانا چاہیئے، اور آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر مجبور ہوں بشری کمزوری اسباب کا مہیا نہ ہونا اور جسمانی کمزوریاں منزل مقصود کے لئے سدِ راہ ہیں لیکن شب و روز آپ کے جمال مظہر کمال پر شیفتہ ہو کر بارگاہِ ایزدی میں سوال کرتا ہوں کہ جلدی اور خیر و خوبی سے میسر آئے۔ انہٗ قریبٌ مجیب للہ الحمد والمنۃ۔ خدا کا شکر ہے کہ باوجود اس ظاہرداری کے یہ ناکارہ آپ کے فیوض سے لبریز ہے اور اپنے روز و شب اطمینان سے گزار رہا ہے۔ سختیاں جس قدر رُونما ہوتی ہیں اسی قدر ترقی کی راہیں کھُلتی ہیں۔ محبوب کی ایذا رسانی جو بہت سی مصلحتوں کو متضمن ہوتی ہے۔ اہلِ محبت کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ بلکہ اس کے انعامات سے زیادہ اسے لذت حاصل ہوتی ہے ؎

ہجرے کہ بود مراد محبوب　　　از وصل ہزار بار خوش تر

(وہ ہجر جو محبوب کو پسند ہے۔　　　وہ وصل سے ہزار بار بہتر ہے)

اس سے پہلے بھی یہ بات روشن تھی مگر آپ کی کثیر البرکت صحبت کی برکت سے یہ دولت مکمل طور پر حاصل ہو گئی ہے۔ اسی طرح دنیا اور اہلِ دنیا کی بے اعتباری گھٹیاپن اور ان دنوں سے بے رغبتی بھی ان دنوں زیادہ ہو چکی ہے۔ دنیوی ترقی کی باتوں سے بھی دل کو خوشی نہیں ملتی۔ فقر کی بے تعلقی اور بے سروسامانی کی وضع مستحسن اور پسندیدہ نظر آتی ہے جس طرح اہلِ دولت دولت کے زوال کو ناپسند کرتے ہیں۔ احقر اس فقیرانہ وضع کے زوال کو ناپسند کرتا ہے۔ اگرچہ اس بلدہ مکرم میں اقامت کے دَوران یہ کیفیت کم تھی۔ مگر فیوض و برکات حاصل کئے حد و شمار سے باہر تھے۔ ان دنوں آپ کی نسبت رابطہ سے بے اختیار مغلوب کیا ہوا ہے اکثر اوقات آپ کی صورت مبارک حاضر رہتی ہے۔ جو اس کمینہ درگاہ کو بے خود اور بے قرار کر دیتی ہے۔ اور آستان بوسی کا شوق اس حد تک جا پہنچا ہے کہ نہ نیند میں چین نہ بیداری میں آرام ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تک کیسے پہنچوں۔ گرمی اور بارش کی شدت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ ایک مرتبہ ایسا کرنے سے گرمی کی وجہ سے قریب المرگ پہنچ گیا تھا بعض دوسرے ظاہری موانعات بھی سدِ راہ ہیں۔ موسم برسات گزرنے کے بعد توقع ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہوا تو تنہا آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرے گا اور اپنی استعداد کے

مطابق فیضیاب ہونگا۔ اگر آپ کی باطنی عنایات جو فی الفور پہنچتی ہیں تسلی بخش نہ ہوتیں تو درد شوق سے قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا۔ لیکن چونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں تیری طرف غائبانہ متوجہ ہونگا۔ اور غائبانہ توجہ سے توفیوض حاصل کرے گا۔ دل کو اس سے کچھ اطمینان حاصل ہے بایں ہمہ شرف صحبت کا شوق ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ جب تک پابوسی کا شرف حاصل نہیں ہوتا غائبانہ توجہ عنایت فرمائیں گے۔ ہفتہ میں آپنے توجہ کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا۔ تھا۔ پیر کے دن کو بھی توجہ کے لئے مقرر فرما دیجئے تاکہ ہفتہ میں دو روز احقر پر توجہ فرمائیں تو اس طرح پہلے سے زیادہ کام میں کشادگی حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ جمعرات کے روز حسب الفرمان نماز عصر کے بعد آنجناب کی طرف متوجہ رہتا ہوں۔ بعض اوقات عجیب و غریب کیفیات ظاہر ہوتی ہیں خصوصًا پندرہ ماہ صفر جمعرات کو آنجناب کی طرف متوجہ تھا کہ نسبت شعاعوں کی صورت میں مکمل طور پر جلوہ گر ہوئی قریب تھا کہ نسبت کے غلبہ سے مدہوش و بے خود ہو کر زمین پر گر پڑتا کہ اسی اثناء میں مغرب کی اذان دے دی گئی۔ شغل نماز درمیان میں آجانے کی وجہ سے اس میں کچھ خفت ہوئی۔ اسی طرح اکثر اوقات مغلوب النسبت ہو جاتا ہوں پہلے یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی تھی مگر اب دائمی ہے طبیعت گوشہ نشینی کو پسند کرتی ہے۔ علمی مشاغل اور تدبیر معاش اگرچہ کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو طبیعت ان سے متنفر ہے۔ ایک دو سطریں پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ رخصت کرتے وقت آپ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے فرمایا تھا کہ تمہیں وصل نسبت حاصل ہو چکی ہے۔ پابندی کرنے سے یہ روز بروز زیادہ ہوگی اور اس کے اثرات ظہور پذیر ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں آپ کے فرمان کے مطابق ہوتا۔ دیکھ رہا ہوں۔ دن بدن نسبت مضبوط ہو رہی ہے۔ اور اس کے خاص آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے لطف و کرم سے ہے ؎

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری   کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم   چو سوسن شکر لطفش کے توانم

(میں مٹی ہوں جس پر ابر نو بہاری لطف و کرم سے پانی برساتا ہے۔ اگر میرے جسم سے سو زبانیں بھی پھوٹیں تو گل سوسن کی طرح اس کا شکر ادا نہیں کر سکتیں)

اس جگہ سے بعض دوست جن کا میرے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ہے، میری اس نسبت کی خبر دیتے ہیں۔ بعض مغلوب الحال ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے اندر ایک عظیم کیفیت مشاہدہ کرتے ہیں۔ برخوردار درویش احمد ان دنوں اس نسبت سے بھرپور ہے مگر آرزو یہ ہے کہ اس قسم کی بے خودی اور مغلوب الحال عام یارانِ طریقت میں ظہور پذیر ہو جو ابھی تک متحقق نہیں ہوئی لیکن جناب والا کی عنایات سے توقع ہے کہ حسب دلخواہ میسر آئے گی۔ علم باطنی کی ترقی کے لئے احقر امیدوار ہے کہ توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ بعض ضروری امور اسی پر موقوف ہیں۔ اس بارے میں احقر کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امور باطنی کی عقدہ کشائی آپ ہی کی توجہ پر منحصر ہے ؎

سالہا در طلب روئے نکو در بدرم   روئے بنما و خلاصم کن ازیں در بدری

(مدتوں سے رُخ انور کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اپنی جھلک دکھا کر مجھے اس کوچہ گردی سے نجات دلا)۔ ان پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ پر چلتے ہیں۔

ایک اور خط میں حضرت والا کی خدمت میں لکھا۔

قبلہ گاہا! جو فیوض و برکات آپ کی زیرِ نگرانی ایک چلے میں حاصل ہوئیں ان کی تفصیل کسی بیان میں نہیں سما سکتی مجملاً یہ کہ بہت سی فتوحات باطنی جن کا میں اہل نہیں تھا آپ کی توجہ عالی کی برکت سے حاصل ہوئیں اور نفس کے بہت سے وسوسوں سے نجات ملی اور روحانی نسبت کے مختلف مقامات پر ناز ہوا ؎

گر بر تن من زباں شود ہر مُو   یک شکر تو از ہزار نتواں گفت

دوسری گزارش یہ ہے کہ احقر اب تک آپ کے فرمان کے مطابق قلب کے جوفِ اوّل سے نکلنے والے نور کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتا ہے جس سے عجیب و غریب امور طاری ہوتے ہیں۔ مثل غیبت حضوری۔ ربودگی اور بعض کونی امور کا کشف ہے۔ اور اپنے مریدین میں سے بعض جن کو اس کی اجازت دی تھی تجلی نوری بھی حاصل ہوتی ہے۔ اگر حکم ہو تو اس مطالعہ کو جاری رکھے یا کوئی دوسری چیز مناسب حال ارشاد فرمائیں۔ تاکہ اس کی مداومت کی جائے۔

قبلہ گاہا! عجیب معاملہ ہے۔ عالی جناب کے شوق کے وقت گویا کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے آنجناب کے فیوض و برکات اس کمترین پر ابرِ نیساں کی طرح برستے ہیں شوق جس قدر

زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی بارش بھی زیادہ ہوتی ہے۔ احقر کو یقین ہے کہ کمترین کی باطنی فتوحات جس قدر ہیں وہ سب آپ کی توجہ سے مربوط ہیں۔ آنجناب کی ایک توجہ ایک سو چالیس سالہ عبادت سے بہتر ہے ؎

گر از جانب معشوق نباشد کششے
کوشش عاشق بیچارہ بجائے نرسد

حضرت والا نے ان کو جواب میں لکھا کہ ذاتِ الٰہی میں گم ہونے اور عرفان و آگہی میں پوری توجہ صرف کرنے سے قوتِ مشاہدہ اور حضوری حق میں دوامی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ کچھ لوگ اس کیفیت سے متاثر ہوتے ہیں، لیکن کچھ متاثر نہیں ہوتے۔

میرے مشفق! جب یہ نسبت دوامی کیفیت حاصل کر لے تو کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتی رہتی ہے۔ اور تمام ہستی موہوم پس پردہ چلی جاتی ہے طالب کو وجودِ حقیقی عطا ہوتا ہے اور عالم شہود میں وجودِ امکانی کے آثار کلی طور پر مٹ جاتے ہیں اور وجود حقانی کے انوار و آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سالک قرب نوافل کے مقام سے گزر کر قرب فرائض کے مقام میں جا پہنچتا ہے تو نوعِ انسانی کیا جانور بھی اس نسبت سے متاثر ہوں گے۔ چنانچہ محمد قلی نامی فقیر کا ایک مخلص جس وقت بھی جذبہ آگاہی کی نسبت سے متاثر ہوتا تھا تو اس کا گھوڑا چلنے سے رُک جاتا تھا، جب وہ اس نسبت سے مغلوب ہو جاتا تھا تو گھوڑا زمین پر گر جاتا تھا جب اس سے بھی زیادہ مغلوب الحال ہوتا تو گھوڑے پر بھی بے خودی طاری ہو جاتی۔ بعض اوقات کچھ حیوانات نے اس فقیر کی نسبت سے بھی متاثر ہو کر دانے پانی سے تین تین دن تک منہ پھیر لیا ہے۔ بلکہ بعض تو اس روحانی نشے کی تاب نہ لا کر مر بھی گئے۔ بزرگانِ طریقت کے ایسے قصے اور حیوانات کے متاثر ہونے کی باتیں تو حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں۔ مگر بعض اکابر سے آثار تصرف کا ظہور اس وقت ہوتا جب وہ معمور ہوتے تھے بعض فقرا مغلوب النسبت ہو کر ایسے آثار دکھاتے تھے اور بعض کاملین ایسے ہو گزرے ہیں جو جب چاہتے یہ تصرفات دکھا سکتے تھے۔ یہ عجیب بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض احباب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا میں اڑا اور پھر زمین پر لوٹا۔ متوقع ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے سلسلے میں مجاہدات

اور کوشش کریں گے تاکہ آپ کو اس میں دوام اور پختگی حاصل ہو تو پھر آپ کے تمام احباب طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ نیز آپ نے لکھا تھا کہ سوموار کو بھی میری طرف متوجہ ہوں۔ مخدوم و مشفقا اس مکتوب کے لکھنے کے بعد جمعرات کو عصر کے بعد زیادہ توجہ کی جائیگی اور زیادتی کا اثر بھی انشاء اللہ ظاہر ہوگا۔ نیز امید ہے کہ آپ درس و تدریس اور کتابوں کے مطالعہ کو سردست موقوف رکھیں گے اور اپنے اوقاتِ شریفہ کو کامل توجہ کے ساتھ ہمیشہ اس نعمت کو حاصل کرنے پر صرف کریں گے ؎

حرف کو کاغذے سیاہ کند　　　دل کہ تیرہ است کے چو ماہ کند

(جو حروف کاغذ کو سیاہ کر دیتے ہیں ۔ وہ　　　سیاہ دل کو چاند کی مانند کیسے کر دیں گے)

حرف اور اس کی آواز کو دل میں مت لاؤ۔ بلکہ جاگتے سوتے حصولِ نسبت پر دھیان رکھو حق تو یہ ہے کہ نیند میں بیداری سے بھی زیادہ نسبت حاصل ہوتی ہے مطالعہ نسبت کے مقابلہ میں ذکر جہری کا وہی مقام ہے جو ذکرِ قلبی سے دُور رکھنے میں وسوسہ کو حاصل ہے۔ اس لئے اس نسبت کے حصول میں حضوری پیدا کرنے کے لئے ذکرِ ظاہری سے باز رہنا طریقت کے فرائض و واجبات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ نسبت حقیقت ذکر ہے اور جہاں حقیقت حاصل ہو۔ وہاں الفاظ و اقوال کے تخیل کا کیا دخل۔ مشفقا! یہ فقیر جب بھی پیشوائے عارفاں حضرت خواجہ خورد قدس سرہٗ کی خدمت میں جاتا تھا یہی وصیت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو درس و تدریس، غیر ضروری کہانیوں اور کتابوں کے مطالعہ سے دُور رکھو۔ اور اپنی تمام تر توجہ اس نسبت پر مبذول رکھو جو تمام برگزیدہ بندوں کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم ان امور کے اسیر رہے اس نسبت کے عجیب و غریب آثار ہم پر ظاہر نہ ہوئے جب ہم نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جو چاہا سو پایا۔ اگر بزرگوں کے تصرفات اور توجہات کے قصے لکھوں تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔

مشفقا! اس طریقہ کے بہت سے اکابر آگاہی اور مشاہدے کی نسبت کو اس حیثیت سے کہ مشاہدہ اور آگاہ کا وجود درمیان میں نہ ہو۔ تجلی ذاتی گمان کرتے ہیں۔

افسوس! افسوس! تجلی ذاتی اس سے بدرجہا دُور ہے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

کیف الوصول الی سعاد و دونہا　　　قلل الجبال و دونہن حتوف

منزل عشقت مکانِ دیگر است　　　مردایں رہ رانشانے دیگر است

ہاں ہاں! نسبت آگاہی تجلی ذاتی کے مقدمہ کا آئینہ ہے اور یہ نسبت سطوت محبت اور غلبۂ شوق سے پیدا ہوتی ہے اور اس نسبت کا تعین علمی ہے کیونکہ سالک لطیف ترین مقامات میں پہنچا ہوا ہے ؎

معشوق چوں نقاب زرخ برنمی کشد ہر کس حکایتے کند یہ تصوّر چرا کنند

بلند ہمت ارباب سلوک کی تمام روحانی قوت اور توجہ اس بات پر مصروف رہی ہے۔ کہ لطیفۂ مدرکہ کو ایک حقیقت معلومہ کے سوا جسے حق کہتے ہیں کوئی معلوم باقی نہ رہے اور آپ کی عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے لطیفۂ مدرکہ کو تمام موجودات سے خالی، پاکیزہ اور صاف شفاف رکھنے کے لئے انتہائی اہتمام کریں تاکہ استغراق کامل اور حضوری دائم جو تمام مقامات کی انتہا ہے۔ حاصل ہو اور آئہ کریمہ ان الی ربك المنتهي اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تاکہ اس حالت عظمیٰ اور دائمی سعادت کے وسیلہ سے سالک تجلی ذاتی کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو سکے۔ جہاں ظاہر و باطن اور قلب و روح میں بجز حقیقت حق سبحانہ و تعالیٰ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور کل شیی هالك الا وجهه کا راز بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

بحمد اللہ ہمارے خواجگان کے طریقہ میں بعض اصفیاء و اذکیاء کو ابتدائے سلوک میں ہی یہ نسبت بغیر کسی وسیلہ کے ان کی صدق نیت اور خلوص عقیدہ کی بدولت مکمل طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔ پانے والے نے پالیا اور شک کرنے والا شک میں گرفتار رہا۔ والسّلام

حضرت والا فرماتے تھے کہ ایک بزرگ کی توفیق نے مدد کی اور دنیوی اشغال کو اس نے چھوڑ دیا۔ اور اپنی تمام ہمت درود پڑھنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے میں صرف کر دی چند روز میں نسبت اویسی ظاہر ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیوض حاصل کئے۔ اس نے خود کو کمونی سے ملقب کیا ہوا تھا۔ اس تعلق کی بنا پر کہ کمون پردہ کے معنی میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت سے اسرار خفیہ کی تعلیم فرمائی۔ فرماتے تھے کہ اس بزرگ کے ساتھ ہماری ملاقات اور دوستی تھی۔ ایک اس سے سُنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاؤں و زمین پر بیٹھنے اُٹھنے۔ کھانا کھانے وغیرہ ہر حالت میں دیکھتا ہوں اور کسی حال میں بھی حضور مجھ سے مخفی نہیں ہوتے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ حق تعالیٰ

نے مجھے مخصوص فرمایا ہے میں نے کہا فرطِ محبت سے تمہاری قوت متخیلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ متمکن ہے ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقی نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ اس بات پر کوئی دلیل چاہیئے۔ تاکہ میں اس کی تصدیق کروں میں نے کہا فلاں آیت کا معنی یا بدر و اُحد کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کرو۔ اگر وہاں سے اس کے مطابق جواب ملا۔ جو علماء کے نزدیک یقینی ہے تو معلوم ہو جائیگا۔ اگر رویت حقیقی ہے اگر کچھ معلوم نہ ہوا یا اس کے خلاف معلوم ہوا تو صورتِ خیالہ ہے۔ بس اس بزرگ نے بعض آیات و احادیث بیان کیں اور ان کا معنی اپنے زعم کے مطابق مکرر پوچھا۔ اس نے کچھ نہ سنا میں نے کہا اس سے واضح ہو گیا کہ یہ کیفیت خیالیہ ہے جو فرطِ محبت سے تمہارے خیال میں جاگزیں ہو گئی ہے۔ حقیقت رویت نہیں ہے ۔

حضرت والا کے ایک دوسرے مرید کو یہی حالت پیش آئی حضرت والا نے یہی بات فرمائی۔ یہاں اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک ایک تحقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات اس شخص کو روح کے ساتھ مناسبت تامہ پیدا ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں نیند اور بیداری برابر ہوتے ہیں اور خیال اس صورت کو قائم کرنے کے لئے بڑھتا ہے۔ یہ رویت حقیقی ہے اگرچہ دائمی ہو۔ مبشرات خواب میں اور اس حال کے مبشرات میں کوئی فرق نہیں۔ آیت اور حدیث کے معنی انکشاف نہ ہونے کی اور وجہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ مناسبت اس حد تک نہیں پہنچی تھی کہ ان چیزوں کا انکشاف ہوتا یا ضعف مناسبت کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مناسبت ایک خاص طریق سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخفی علوم کے طریق پر نسبت نہیں تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ حضرت والا کا ان کے خیال کی تردید کرنا دوسرے قرائن کی وجہ سے ہوگا۔ ضمناً یہ بات بھی ان کے ساتھ مل گئی۔ واللہ اعلم

حضرت والا اپنے ایک ہمعصر بزرگ جو نسبت اویسیہ کے ساتھ مشہور تھے اور بہت زیادہ خوش طبع تھے کی ملاقات کو گئے۔ طویل گفتگو کے بعد حضرت والا نے انہیں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریمہ سے استفادہ نسبت کے بغیر ممکن ہے اور نسبت تمام احوال، اعمال میں موافقت کا تقاضا کرتی ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت حاصل ہے۔

اگر آپ ہزل اور لایعنی باتیں چھوڑ دیں۔ اور نسبت کے مطابق زندگی گزار دیں تو یقیناً وہ نسبت زیادہ مضبوط ہو جائے گی اور فیوضات کا دروازہ زیادہ کشادہ ہو جائے گا۔ یہ کس قدر بُری بات ہے کہ چند گھٹیا قسم کی رکاوٹیں آپ کو اس قسم کے پاکیزہ مقاصد سے روکے رکھیں۔ سننے میں آیا ہے کہ اس بات نے اس کے دل میں اثر کیا اور فضول گوئی سے کس حد تک رُک گئے۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ شیخ میر کھٹی نے مجھ سے سوال کیا کہ نقشبندی کہتے ہیں کہ ہمارا آغاز منتہی لوگوں کا انجام ہے۔ میں خواجہ نقش بند کی کلام سے متفق نہیں ہوں۔ کہ ان کا اول قدم بایزید کا انتہائی قدم ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ جس شخص نے پچاس یا ساٹھ سال مجاہدہ کیا ہے۔ وہ امروزہ مبتدی کے برابر کیسے ہو جائیگا۔ میں نے کہا تم لوگ یعنی سلسلہ شطاریہ کے پیروکار منازل سلوک کس طرح طے کرتے ہو۔ اس نے کہا پہلے دو ضربی اسم ذات۔ پھر چار ضربی۔ پھر اسی طرح سے شغل نفی و اثبات کرتے ہیں میں نے پوچھا پھر کیا کرتے ہو اس نے کہا شغل امہات اور اسمائے ملتفہ کا ذکر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر؟ کہا شغل کو بکو۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا ہائے ہویت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا نقشبندی سب سے پہلے ہائے ہویت میں غرق ہوتے ہیں اور شیخ نقشبند کے کلام کا یہی مطلب ہے نہ یہ کہ صوفیاء کے تمام احوال و آثار آغاز سلوک میں ان پر طاری ہو جاتے ہیں۔

شیخ امان اللہ جو حضرت والا کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ایک روز سوال کیا کہ سالک جب کسی طریقۂ صوفیاء کے اشغال پورے کر کے جمعیت خاطر حاصل کر لے تو اسے کسی دوسرے طریقہ میں داخل ہو کر اس کے اعمال و اشغال میں مشغول ہونا اس کے لئے مستحسن ہے یا نہیں اگر مستحسن ہے تو اس کا فائدہ کیا ہے۔ فرمایا مستحسن ہے اور اس کا فائدہ اس طریقہ کی نسبت کا حصول ہے، ہر طریقہ کی الگ نسبت ہے اور جدا آثار ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت والا کی زبانِ مبارک سے بارہا خلوت میں سُنا گیا کہ آپ فرماتے تھے جو نسبت ہم نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کی ہے وہ زیادہ صاف اور زیادہ باریک ہے۔ اور وہ نسبت جو خواجہ نقشبند سے حاصل کی ہے وہ زیادہ غالب اور موثر ہے۔ جمعیت اور قبولِ عام کے زیادہ نزدیک ہے۔ اور وہ نسبت جو خواجہ معین الدین سے حاصل کی ہے وہ عشق کے

زیادہ نزدیک اور تاثیر اسمار اور صفائی خاطر کے زیادہ قریب ہے۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کو ان کے الفاظ گو یاد نہیں لیکن مطلب یہی تھا واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ حضرت والا کی گفتگو سے اکثر و بیشتر واضح ہوتا تھا کہ کسی ایک طریق کے بزرگ کو دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت دینے خصوصاً ایسے طریق پر جس سے کسی ایک کی تنقیص ہوتی ہو برا سمجھتے تھے۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے محدثین اور اصحاب اوراد صلوٰۃ میں موسم کے اختلاف کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اہلِ اوراد کے کلام سے قطع نظر یہ مطلق نوافل میں داخل ہے، ہم اسی نیت سے کیوں نہ ادا کریں۔ اسی وجہ سے حضرت والا کا طریق رکعات کی تعداد کا لحاظ کئے بغیر راتوں کو عبادت سے زندہ رکھنا تھا۔ بلکہ نشاطِ روح اور حضور قلب کا زیادہ خیال کرتے تھے۔

بعض سالکوں کی تربیت کے لئے فرمایا کہ عدم اور غیبت کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق ہمارے زمانے کے ارباب سلوک نے جن باتوں کو قابلِ اعتماد سمجھا ہے، وہ حقیقت کے خلاف ہیں بلکہ ان کی مزعومہ غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب ان سالکین کے دماغوں پر معدہ کے بخارات چڑھتے ہیں تو نیند کی سی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں کھو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ابتدا حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا عدم یہ ہے کہ بسیار خوری کی وجہ سے ان پر جب نسیان اور بے خودی کا دورہ پڑتا ہے تو اس کے سبب ان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوت یادداشت ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنے وجود کی کوئی ہوش نہ رہی۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ واللہ اعلم کہ حضرت والا کی خدمت میں کسی شخص نے عرض کیا کہ ان دنوں میرا دل ذکر کے ساتھ جاری ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔ اگر ذکر کے ساتھ جاری ہوا ہے تو مبارک ہے اسکے بعد اس فقیر سے فرمایا لوگوں کا خفقان غلبہ کرتا ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ دل جاری ہو گیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ ہر آدمی کے دل میں بلکہ اس کے تمام اعضا میں حرکت نبض موجود ہے اس کا وجود اور عدم وجود کمال کے اعتبار سے برابر ہے۔ لیکن اگر اس حرکت کو اسم ذات تخیل بہم پہنچائے اور وہ تخیل اس پر غالب آجائے تو وہ یادداشت اسی کا ایک شعبہ ہوگا پس اس یادداشت کا اعتبار ہوگا حرکت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرت والا فرماتے تھے کہ موت کے بعد ترقیِ درجات ایک طے شدہ معاملہ ہے لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب اس عالم میں ایک عاصی دس گنا یا سو گنا ترقی حاصل کرلے گا۔ اور ہزاروں علماء کے مختلف مدارج سے ترقی کرکے انبیاء اولیاء کے برابر ہو جائے گا۔ ایک عرصہ کے بعد ان کے درمیان اور عامی کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا۔ اس کا جواب بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ وہاں ہر شخص کی ترقی غالبًا اپنے اپنے مقررہ مقام کے اندر ہوگی کیونکہ اس جہان کا ہر مقام اپنے اندر بے انتہا درجات رکھتا ہے نہ کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف۔ کاتب حروف لکھتا ہے کہ موت کے بعد ترقی مادی وجود کے تمام اجزاء ختم ہو جانے اور ملکوتی قوت کے ظہور کی وجہ سے ہوتی ہے اور ہر ایک شخص ایک خاص استعداد پر پیدا ہوا ہے وما منا الا لہٗ مقام معلوم مرنے کے بعد جب انسان بہیمی قوتوں اور مادی وجود کے فانی اجزا کے منتشر ہو جانے سے صفائی روح پیدا ہو جاتی ہے تو انسان اپنے اس مقام کو پالیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے جب میں لباس فاخرہ لیتا اور پان چبا تا ہوں تو اپنی نسبت میں ترقی محسوس کرتا ہوں۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ اس قسم کے امور آپ کی نسبت کو بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت والد ماجد سلطان العارفین کے اس قول کہ توبۃ الناس عن ذنوبھم و توبتی عن قول لا الٰہ الا کے متعلق فرماتے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ میں نفی و اثبات ہے۔ جب کل شئی ھالک الا وجھہ کا مشاہدہ ہوا تو نفی کس چیز کی کریں۔ باوجود اس کے کہ خواص کے لئے نفی حقیقت غیر ثابتہ ہو گئی ہے لیکن کبھی کبھی جب غیر اللہ کی طرف سے اطمینان اور خوف دخول دل میں آتا ہے تو اسے مٹانے کے لئے نفی و اثبات کرتے ہیں۔

فرماتے تھے آغاز کار میں میرے ہم سبق شطرنج کی ایک کتاب لائے اور وہ اس کا مطالعہ کرتے تھے لیکن وہ اسے سمجھ نہ سکے۔ وہ کتاب انہوں نے مجھے دی۔ میں نے کہا میں تو شطرنج کے مہروں کے نام اور ان کی چالوں سے بھی بے خبر ہوں۔ انہوں نے مجھے ان چیزوں سے آگاہ کیا پھر میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا اس میں بڑے لمبے چوڑے منصوبے درج تھے اور عبارت میں کچھ تحریف بھی تھی میں نے عبارت کو درست کیا اور اس کتاب میں سے ہر روز ایک دو چالیں بیان کرتا۔ شرکاء درس بہت خوش ہوتے اور اسی طریق سے شطرنج کھیلتے تھے۔ انہیں دنوں

میں بیمار ہوگیا۔ میرا دلی سکون بالکل جاتا رہا۔ میں سخت پریشان ہوا۔ جب چھپر پر میری نظر پڑتی تو وہی شطرنج کے مہرے اور اس کی کھیل یاد آتی۔ حضرت حافظ صاحب سے اس سے نجات کیلئے درخواست کی تو انھوں نے فرمایا تم ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے عادی ہو۔ درود شریف بکثرت پڑھو اور اسی درگاہ میں التجا کرو۔ میں نے بکثرت درود شریف پڑھا اور حضور سے التجا کی۔ آخر بڑی کلفت کے بعد اس مصیبت سے نجات ملی۔ اس کے بعد مہروں کے نام اور کھیلنے کا طریق دماغ سے محو ہوا۔ الحمدللہ۔

فرماتے تھے لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کی خدمت بہت مشکل کام ہے کیونکہ خواہ ان کی کتنی ہی خدمت کی جائے۔ اس سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک بہت ہی آسان ہے کیونکہ وہ معمولی اچھے سلوک سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور انتہائی شفقت کی وجہ سے تھوڑے سے حسن سلوک کو بہت زیادہ شمار کرتے ہیں۔

فرماتے تھے جب حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کو کوئی حالت یا کیفیت عنایت فرماتے تو اس کی حفاظت کا یہ طریق ہے کہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو اور جس جگہ یہ حالت حاصل ہوئی ہے۔ وہاں سے نہ اُٹھے اور بیٹھنے کی ہیئت کو حتی الامکان تبدیل نہ کرے۔ اور اس لفظ کے سوا جس سے یہ بات پیدا ہوئی ہے۔ دوسرا کوئی لفظ نہ کہے۔ جیسا کہ حافظ کا قول ہے ؎

ایں جا فنون شیخ نیرزد بنیم جو　　　دل را بدست آر ہمیں مشرب است بس

فرماتے تھے بعض خود ساختہ مشائخ ایسی باتیں کہتے ہیں جو فراست کشفی و عقلی کی متحمل ہوتی ہیں۔ اور کچھ چیزوں سے بے رغبتی کا اظہار کر کے باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں انھوں نے حق تعالیٰ کیلئے چھوڑ دی ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔

اور کبھی آپ فرماتے تھے کہ اس شعر میں شیخ سے مراد شیخ حقیقی ہے جسے مقام ارشاد عطا ہوا ہے اور دل سے مراد وہ دل ہے جو طلب غیر اللہ سے خالی ہو اور فنون شیخ۔ تصرف اور کشف ہے۔

جب تمباکو نوشی کی بات شروع ہو جاتی تو اس کی برائی کے بہت سے دلائل دیتے لیکن اسے یقینی حرام قرار نہ دیتے۔ ان میں سے ایک یہ بات تھی جو آپ نے فرمائی کہ لاہور میں دو عزیز

تھے۔ ان میں سے ایک فاضل درویش اور جامع کمالات کثیرہ تھا مگر تمباکو سے احتراز نہیں کرتا تھا۔ دوسرا شخص عام قسم کا درویش تھا مگر تمباکو سے بچا ہوا تھا۔ دونوں نے خواب میں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ ایک ہی رات میں اور ایک ہی انداز سے گویا یہ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور اس فاضل کو اس مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملتی اس عامی نے اہل مجلس سے اجازت نہ ملنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ شخص تمباکو پیتا ہے اور آنحضرتؐ اسے ناپسند فرماتے ہیں علی الصبح اس نے ارادہ کیا کہ نصیحت کے تقاضا کے مطابق اسے یہ بات بتائے جب وہ اس فاضل آدمی کے گھر میں داخل ہوا۔ تو اس نے دیکھا کہ وہ رو رہا ہے اور سخت غم میں مبتلا ہے اس نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے وہی اجازت نہ ملنے کی بات بتائی۔ اس نے کہا آپ کو بشارت ہو کہ میں نے بعض اہل مجلس سے اس کا سبب معلوم کر لیا ہے۔ اور وہ تمباکو نوشی ہے۔ اس عزیز نے اس وقت حقہ اور نے کو توڑ دیا اور خالص توبہ کی۔ اگلی رات دونوں ایک ہی مجلس میں ایک انداز سے خواب میں دیکھا گویا یہ فاضل سب سے نزدیک بیٹھا ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بے انتہا عنایات فرما رہے ہیں۔

فرماتے تھے ہمارے احباب میں سے ایک عزیز تمباکو نوشی نہیں کرتا تھا مگر مہمانوں کیلئے حقہ اور نے گھر میں رکھے ہوتے تھے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لائے داخل ہونے کے بعد کراہیت سے واپس چلے گئے۔ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ کے پیچھے بھاگا اور کراہیت کا سبب پوچھا۔ فرمایا تمہارے گھر میں حقہ چلم اور نے ہے اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں

فرماتے تھے ہمارے محلہ میں ایک درزی تھا ایک روز میں نے اسے بلایا۔ آدمی نے دیکھا کہ وہ مر گیا ہے وارث اس پر رو رہے ہیں اور اس پر کفن کی تیاری کر رہے۔ اس کے بعد میں جامع مسجد میں گیا۔ میں نے اسے بازار میں کھڑا دیکھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا۔ میرا عجیب قصہ ہے۔ میں اس محلہ کے ایک کوچہ میں جا رہا تھا اس حالت میں دو ہیبت ناک مرد غصے کی حالت میں پیش آئے۔ ان میں سے ایک نے مجھے تھپڑ مارا۔ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بظاہر مر گیا۔ لوگ مجھے اٹھا کر گھر لے آئے اور کفن مہیا کیا لیکن میں دیکھتا تھا کہ وہ دونوں مجھے لئے جاتے

ہیں۔ یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچا جہاں بہت سے لوگ جمع تھے ان کی شکل وصورت انسانوں کی طرح نہیں تھی وہ مجھے سردار کے پاس لے گئے اس نے کہا یہ وہ نہیں ہے جسے میں نے طلب کیا تھا اسے وہاں پہنچا دو۔ جہاں سے لائے ہو۔ جب وہ میرے ساتھ واپس آئے پیچھے سے پھر ندا دی کہ اسے لاؤ۔ یہ تمباکو نوشی کرتا ہے۔ انہوں نے لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے میری ران پر رکھ دیا۔ میری ران جل گئی میں اس حالت سے بیدار ہوگیا میں نے دیکھا کہ میرے اقربا مجھے نہلانے اور کفن پہنانے کی تیاری میں ہیں۔ حضرت ملا نے ایک روز میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ سید علیم اللہ بن شیخ آدم بنوری کے اکابر خلفار میں سے تھے۔ انہوں نے تمباکو کی حرمت پر ایک رسالہ لکھا۔ اس میں یوم تاتی السماء بدخان مبین اور ان جیسی اور آیات سے استدلال کیا۔ وہ رسالہ دو افغان مولویوں کے ہاتھ دے کر دہلی کے علمار کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے اسے پہلے مجھے دکھایا میں نے کہا ان بے کار دلیلوں سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور علماء نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا تھا میں نے بیان کیا۔ اس کے متعلق روایات اور فقہی اقوال کا مفہوم بھی واضح کیا وہ اس سے قدرے ناخوش ہوئے اس کے بعد وہ ملا یعقوب کے درس میں گئے جو اس شہر کا نامور فاضل تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ مجلس درس میں تمباکو نوشی کر رہا ہے۔ وہ معترض ہوئے۔ اس نے کہا میں اس مجلس درس میں اس لئے تمباکو نوشی کر رہا ہوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مباح ہے اور اگر کسی کو اس مسئلہ میں شبہ ہے تو لائے۔ انہوں نے رسالہ کی بعض روایات اور احادیث بیان کیں۔ تو وہ بھڑک اٹھا اور معمولی توجہ سے انہیں رد کر دیا۔ دونوں غمگین اور شکستہ دل واپس آئے اور صورت حال مجھ سے بیان کی۔ میں نے کہا تم نے حرمت کا دعویٰ کیا اور یہ دلائل پیش کئے۔ بات کیسے بنتی۔ اب جاؤ اور آیۂ کریمہ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک کا شان نزول پوچھو وہ یقیناً یہ کہے گا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد تناول فرمایا۔ باقی ازواج مطہرات کو رشک آیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عرض کیا کہ آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ فرمایا میں نے مغافیر نہیں کھایا بلکہ شہد کھایا ہے۔ انہوں نے کہا ممکن ہے شہد کی مکھیوں نے مغافیر کے درخت سے مغافیر کھایا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہد کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ان سے پوچھو کہ اس ناپسندیدگی کی علت کیا تھی۔ لامحالہ کہے گا کہ اس کی بُری بُو تھی پھر پوچھو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من اکل من ھاتین الشجرتین فلا تقربن مسجدنا یہاں نہی کی علت کیا ہے۔ وہ کہے گا بدبُو۔ پھر پوچھو۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور بدبو سے نفرت کرتے تھے۔ درست ہے یا نہیں۔ پھر کہو کہ تمبا کو میں بدبُو ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہے کہ نہیں ہے تو کہو کہ جو لوگ تمباکو نہیں پیتے ان سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ ان کو اس کی بُو کس قدر ناخوشگوار لگتی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ بدبُو ہے تو محتاط اور اہل ورع کے لئے مناسب یہی ہے کہ اسے ترک کر دیں۔ یہ دونوں گئے اور اسی ترتیب سے سوالات کئے ملا یعقوب نے اسے تسلیم کیا اور چلم ہٹا دی۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے دو قسم کے علوم عطا کئے ہیں۔ علم مصالح اور علم شرائع۔ علم مصالح سے ہماری مراد یہ ہے کہ چار خصلتیں یعنی طہارت، خشوع، سخاوت اور عدالت اور وہ تمام امور جو ان سے متعلق ہیں۔ اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لئے مَلاءِ اعلیٰ کا ارادہ اور وہ مقامات جو اس راہ سے تعلق رکھتے ہیں رضاء الٰہی کا موجب بنیں۔ اور ان خصائل اربعہ اور ان کے متعلق دوسرے امور کے دو مقابل اور مخالف خصائل و عادات غضب الٰہی کا سبب بنیں۔ اور تمام اخلاق فاضلہ شجاعت وغیرہ کی دعوت دی اور یہ تمام امور درحقیقت معقول ہیں۔ اور ان معانی کو ہم مصالح کہتے ہیں۔ اور شرائع سے ہماری مراد احوال و اعمال کے شرعی پیمانے، نظام الاوقات اور وہ امور ہیں جو ان سے متعلق ہیں اور یہ سب محض بندگی ہیں۔ اس معنی میں کہ عقل اگرچہ ان پیمانوں، اصولوں اور ان کے نازل ہونے کی وجوہات کو اچھا سمجھتی ہے لیکن ان کے قائم کرنے کے سلسلے میں انجام اور نتیجے کو کوئی دخل نہیں ہوتا کہ ملاءِ اعلیٰ میں ان میں سے کونسی نیکی کرنے والے کو نفع اور گناہ کرنے والے کو ضرر پہنچائے گی۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو یاد کرنا نجات کا باعث ہے لیکن یہ کہ خاص وقت میں خاص صفت کے ساتھ یاد کرنا صرف فرض کی ادائیگی ہو گا اور کچھ نہیں ہو گا۔ ایسی چیز ہے جس کی ملاءِ اعلیٰ میں ایک خاص صورت ہے۔ اور محض عقل اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ شرائع شریعت کے حکم کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے اور مصالح کو عقل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی

اور بعد بھی سمجھتی رہی ہے پس غیر منصوص اور غیر قیاسی احکام جن کے متعلق کوئی نص نہ ہو حکم شرعی نہیں کہا جائے گا۔ ناراضی اور رضامندی مصالح کے اعتبار سے ہوگی ہم جانتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں اور ریشم کے لباس کی نہی کا سبب حد سے زیادہ آسودگی کو ناپسند کرتا ہے۔ لیکن برائی ریشمی لباس اور برتنوں کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ خواہ کوئی شخص آسودگی کی غرض سے استعمال کرے یا نہ کرے لیکن یاقوت اور زمرد کے برتنوں کا استعمال یا بہت قیمتی شالوں کا پہننا اگرچہ ان سے زیادہ رفاہیت رکھتی ہوں۔ چونکہ برائی ان کی ذات کی طرف متوجہ نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص آسودگی کی غرض سے استعمال کرے گا تو آسودگی کی قباحت اور ضرر موجود ہوگا اور اگر اس ارادہ کے بغیر کرے گا تو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ هٰذا ینبغی ان یعلم ویعتقد واللہ اعلم۔

فرماتے تھے مجھے میرے خواجہ نے وصیت فرمائی تھی کہ درس وتدریس اور غیر ضروری کتابوں اور کہانیوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ان چیزوں میں محو رہا نسبت رُوحانی کے عجیب و غریب آثار مجھ پر ظاہر نہ ہوئے مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت والا سے کسی نے سوال کیا کہ شیخ ابوالفتح اور مخدومی حضرت شیخ محمد قدس سرہ کی نسبت میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی نسبت عشق کی نسبت ہے۔ اور ان کی نسبت شہود کی نسبت ہے۔ فرماتے تھے کہ شیخ ملکیار پران کی نسبت اہل بیت سے کامل مناسبت رکھتی ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک شخص نے مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھا۔ جس میں سلوک راہِ خدا اور حقیقت کیمیا کے وجود یا عدم وجود کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کا جواب لکھنے کے لئے وہ خط آپ نے میرے سپرد کیا۔ میں نے یہ فقرہ لکھا۔

اذا تزوجت الاجساد وتجسدت الارواح حصل المقصود۔

(جب تو نے مادی جسموں کو ملا دیا اور ارواح کو اجسام میں داخل کر دیا تو تجھے مقصود حاصل ہوگیا)۔

حضرت والا کے مخلصین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ لوگوں میں زندگی کیسی گزارنی چاہیئے فرمایا۔ کن فی الناس کاحد من الناس۔ لوگوں میں ان جیسا ہو کر رہ۔ پھر پوچھا کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے فرمایا

رجال لا تلہیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (خدا کو پانے والے وہ لوگ ہیں جنہیں کاروبار اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے نہیں روکتی)۔

حضرت والا سفر میں تھے اور احباب بہلی میں نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے اسی اثنا میں بعض ساتھی اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بہلی کی سواریوں سے دریافت کرو کہ اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی کونسے سیپارہ میں ہے۔ اس جماعت میں سے شیخ بدرالحق بات کا اشارہ سمجھ کر بہلی سے اُتر آئے اور کہا کہ اس آیت کے بعد پارہ یعتذرون ہے۔

شیخ امان اللہ نے کابل جانے کا ارادہ کیا حضرت والا سے دعا کے طالب ہوئے اس وقت آپ نے فرمایا جہاں کہیں بھی جاؤ اہل اللہ کے متلاشی رہو۔ سالک یا مجذوب جس میں بھی اس کی خوشبو پاؤ اس کی صحبت اختیار کرو۔ وہ چلے گئے اور ارشاد کے مطابق عمل کیا جب واپس آئے تو حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

حضرت والا شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو برسر منبر بیان کروں اور اس کے تمام مسائل کو آیات و احادیث سے واضح کروں اور ایسے انداز سے بیان کروں کہ کسی شخص کو کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اس کے باوجود وحدت وجود کی تصریح سے احتراز کرتے تھے کیونکہ لوگوں کی اکثریت اس کو سمجھ نہیں سکتی اور گمراہی اور بے دینی کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی بعض تقریروں سے وحدت الوجود کا اظہار ہوتا تھا۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) وحدت الوجود کے رسائل کے مطالعہ کی رغبت دلاتے تھے۔ اس فقیر نے لوائح، شرح رباعیات اور مقدمہ شرح لمعات پوری توجہ سے حضرت والا سے پڑھی ہیں اور بعض دوستوں نے نقد النصوص تمام کی تمام حضرت والا سے پڑھی۔ فقیر بھی ان کے ساتھ بعض اوقات شامل ہو جاتا تھا۔ آپ اس کے مسائل کو بخوبی حل فرماتے تھے۔ حادث کو قدیم کے ساتھ ربط کی تحقیق میں حضرت والا سے بارہا سنا گیا کہ صور علمیہ کی تمثیل دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ علمی صورتیں جن کو ہم ذہنی طور پر ملاحظہ کرتے ہیں خارج میں ان کا کوئی وجود متحقق نہیں محض ہماری قوت علمیہ سے متحقق ہیں۔ یہ تمام ہمارا علم ہے جس نے اس قدر رنگ اختیار کر رکھے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ذہنی صورتوں کو عین

علم نہیں کہہ سکتے کیونکہ علم تھا مگر یہ صورتیں نہیں تھیں لیکن ان صورتوں کو علم سے جدا نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان تغیر پذیر صورتوں اور ہیولوں کو وجود و شکل دینے والا علم ہے۔ علم بے رنگ ہے اور یہ مختلف رنگ اس کی بے رنگی میں مزاحم نہیں ہیں۔ او کما قال۔

آیۂ کریمہ ھو معکم کی تشریح میں فرماتے تھے کہ یہ معیت محض علم سے نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں بھی موجود ہے اور اس سے کوئی خدشہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ معیت جوہر کی جوہر کے ساتھ یا عرض کی عرض کے ساتھ یا جوہر کی عرض کے ساتھ نہیں ہے۔ ان معیتوں سے زیادہ لطیف معنی ہے۔ جسے ان معیتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

فرماتے تھے ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق معیت کے مسئلہ سے حصہ لیا ہے ایک گروہ نے یہ سمجھا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے علم، قدرت، سمع اور بصر کے ساتھ محیط ہے جیسا کہ فرمایا۔ مایکون من نجوی ثلثۃ۔ اور ایک گروہ نے یہ معائنہ کیا ہے کہ دنیا میں جو فعل و انفعال حرکت اور صفت ظاہر ہوتی ہے حق سبحانہ و تعالیٰ سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے قل کل من عند اللہ وقال وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ اور ایک جماعت نے مشاہدہ کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے، وہی ہے، اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ کل شیئ ھالک الا وجھہ اور فرمایا۔ ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن اور ایک جماعت نے خلق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

تجدد امثال کی جب بات شروع ہوئی تو آپ نے عجیب تقریر فرمائی مگر چونکہ میں اس وقت بہت کم عمر تھا۔ اس لئے وہ اسلوب یاد نہیں رہا۔ حاصل کلام یہ تھا کہ یہاں موجد اور مُوجد کے درمیان اس کی ہمیشگی کے ساتھ ہمیشہ کا تعلق ہے۔ جب کوئی چیز عدم سے منتقل ہوتی ہے تو اس کا نام ایجاد رکھتے ہیں اور جب حالت وجود میں قیاس کرتے ہیں تو اس کا نام ابقا ہے اور اسمار کا اختلاف۔ اختلاف لحاظ کی وجہ سے ہے۔ حقیقت ایک ہے جیسے سورج سے نکلنے والی روشنی جسے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے سورج کے ساتھ تعلق کی ضرورت ہوتی ہے جب اس کی پہلی حالت پر نگاہ کریں تو اشراق اور رفع ظلمت ہے اور دوسری حالت بقائے نور ہے اور اسی کو تجدد کہتے ہیں۔ تجدد مثال کی حقیقت اس مثال سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ قصہ

جو پہلے لکھا گیا ہے کو بیان کیا۔

فرماتے تھے کہ صفات ان معنوں میں عین ذات ہوتی ہیں کہ ذات محض صفات زندہ قائم بالذات سے آثار کے ظاہر ہونے میں کفایت کرتی ہے۔

فرماتے تھے اس عالم میں جو کچھ ہے حُسن ذاتی رکھتا ہے اور بُرائی نسبتی ہے اس بات میں بہت سی مثالیں بیان کرتے تھے۔ مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہٖ عمدہ چیز ہے کیونکہ لوہے کے کمال کا اثر ہے۔ اور ایسے شخص کو قتل کرنا جو قتل کئے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ بری ہے وغیرہ اور مثالیں ــــ فرماتے تھے مخلوق کو اپنے مسمی میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کے عقل فہم اور ادراک اور اندیشہ کو وہاں رسائی نہیں البتہ مسمی اللہ کو اس قدر دخل ہے کہ وہ اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

ایک روز اس فقیر نے ہندی کا یہ دوھا۔

جب جیو نہ تھا تب پیو نہ تھا اب پیو ہے جیو ناتھ   رحیم پیا سوں یوں ملی جوں بوند سمندر ناتھ

حضرت والا کے مجموعہ خاص میں لکھا ہوا دیکھا چونکہ اس قسم کے امور کم ہی استعمال کرتے تھے مجھے تعجب ہوا حضرت والا سے پوچھا کہ کیا بیت ان کی نظم سے ہے یا نہیں۔ فرمایا میں نے اسے نظم کیا ہے۔ اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

ایک روز لطائف ستہ اور متاخرین صوفیاء نے ان کے لئے جو مقامات متعین کئے ہیں کی بات چل نکلی۔ فرمایا قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ جب یہ تمام چیزیں حاضر ہو گئیں تو آپ نے ایک دائرہ کھینچا اور فرمایا یہ رُوح ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک دائرے کے اندر دوسرا دائرہ بناتے رہے یہاں تک کہ مقام انا تک پہنچے۔ پھر فرمایا لطائف کی صورت میں ہمیں سب سے زیادہ پسند یہ مقام ہے اور وہ باقی دل کے رخ اور اعتبارات ہیں۔ اس کے بعد خواجہ نقشبند کے اس قول "آئینہ ما را شش جہت است" کی اس مسئلہ پر انہوں نے تطبیق دی۔

اس فقیر نے بعض دوستوں سے سُنا تھا کہ حضرت والا کا نام عالم ملکوت میں ابوالفیض ہے

ایک روز حضرت والد ماجد ظہر کی نماز کے فوراً بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے ؎

گر تو راہِ حق بخواہی اے پسر   خاطرِ کس رامرنجاں الحذر
در طریقت رکنِ اعظم رحمت است   ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا کہ دوات قلم لاکر اس کو لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ اشعار اچانک میرے دل میں القا فرمائے ہیں۔ تاکہ تجھے وصیت کروں۔ پھر فرمایا یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر ضروری ہے یہ رباعی بھی حضرت والا کے پاکیزہ خیالات سے ہے۔ رباعی۔

اے کہ نعمتہائے تو از حد فزوں   شکرِ نعمت ھائے تو از حد بروں
عجز از شکر تو باشد شکرِ ما   گر بود فضلِ تو مار راہ نموں!

اس فقیر کو اپنی صحبت کی مجلس میں حکمت عملی اور آداب معاملہ بڑی توجہ سے سکھاتے تھے ان میں سے ایک بات جو حافظہ میں رہ گئی ہے کہ فرماتے تھے کہ مجلس میں ہرگز کسی قوم کی بُرائی مت بیان کرو۔ یوں مت کہو کہ اہلِ یورپ یوں ہیں۔ اور پنجابی ایسے۔ افغان ایسے اور مغل ایسے ہیں ممکن ہے اس مجلس میں اس قوم کا کوئی آدمی ہو یا ان سے کوئی باحمیت آدمی ہو۔ وہ اسے بُرا سمجھے، اور مجلس میں تلخی پیدا ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ عوام کے خلاف مجلس عام میں کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہیئے خواہ وہ فی نفسہٖ کس قدر سچی ہو کیونکہ وہ اس کا انکار کریں گے اور صحبت میں تلخی پیدا ہو جائے گی۔

فرماتے تھے اگر تجھے کسی آدمی سے کوئی کام ہو تو پہلے موزوں تمہید باندھو پھر تدریجاً اپنی ضرورت پیش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت اس شخص کے سامنے پتھر کی مانند دے مارو۔

فرماتے تھے مجلس عام میں کسی کی کھلم کھلا تردید نہ کرو۔ فرماتے تھے آدمی کو ایسا لباس پہننا چاہیئے جس سے اس کی صفت کمال کا اظہار ہوتا ہو۔ مثلاً جو دانش مند ہے اسے دانشمندوں کا سا لباس پہننا چاہیے اور ان جیسی زندگی گزارنی چاہیئے۔ اور جو فقیر ہے اسے فقیرانہ لباس پہننا چاہیئے اور فقراء کی سی زندگی گزارنی چاہیئے۔ فرماتے تھے بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ انتہائی مختصر اور بہت آہستگی سے بات کرنا جائز نہیں۔ اگر تم بہادری سخاوت

یا جوانمردی کا کوئی کام کرے تو لوگوں کو اس کا علم ہونا چاہیئے۔ عیادت کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے واقفیت نہیں۔ اسی طرح تعزیت، سفارش وغیرہ ہیں پس وہ شخص جس نے ان امور کو سرانجام دیا لیکن صاحب معاملہ کو اس سے آگاہ نہ کیا۔ اس نے اپنی محنت کو ضائع کر دیا اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہو۔ اسی قبیل میں شمار ہوگا۔ دوسروں کو رخصت کرنے یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

فرماتے تھے وہ لوگ جو مرتبہ میں تم سے کمتر ہیں تجھے سلام کرنے میں پہل کریں تو اسے انعامات الٰہیہ میں سے شمار کر اور اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر۔ ان کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آؤ اور ان کی خیر و عافیت دریافت کرو۔ تمہاری معمولی توجہ جس کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت نہیں ان کی نظر میں بہت بڑی چیز ہو۔ اور اس پر اعتبار کر لیں۔ اور اگر اس توجہ کو نہ پائیں تو غمگین ہو جائیں ؎

صد ملک دل بہ نیم نگاہ می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند

احمقوں کی یہ خصلت ہے کہ لباس یا کسی عادت کو اپنے لئے علامت بنا لیتے ہیں یا کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی خاص طعام سے تنفر پیدا کر لیتے ہیں۔ جس سے لوگ ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں کہ اگر تیری محبت ان کے دل میں تدریجاً جاگزیں ہوتی تو اس کے بعد ان کے دل سے کبھی بھی تیری محبت نہ نکلتی۔ نہ راحت اور نہ تنگی میں ایسے دوست کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اولاد سے بہتر جاننا چاہیئے۔ تمام دوستوں کو ایک ہی مقام و مرتبہ پر نہیں رکھنا چاہیئے۔ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان کی فضیلت کے ظہور اور ان کی ضروریات کا تیرے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچاننی چاہیئے۔ اور سب کو ایک ہی مقام میں نہیں رکھنا چاہیئے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

فرماتے تھے کہ عقلمندوں اور اہل حکمت کا کام یہ ہے کہ امور میں صرف لذت اندرونی

متصور نہ ہو بلکہ دفع حاجت حصول فضیلت ادراداۓ سنت کے ارادے سے کام کرنا چاہیئے۔
فرماتے تھے بول چال سیر و سفر اور نشست و برخواست میں قوی لوگوں کا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔ اگرچہ تو ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر تجھ سے بزدلی بخیلی یا کوئی عیب اچانک سرزد ہو تو اسے چھپانے کی کوشش کرنا چاہیئے اور اس سے شرمندہ ہونا چاہیئے اور اپنے آپ کو تکلف اور کوشش سے اس کے مقابل عمدہ صفت سے متصف کرنا چاہیئے تاکہ نفس اس عیب کا عادی نہ ہو جائے۔ جب آداب سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چوروں اور ٹھگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سفر اکبر آباد میں پیش آئے بیان فرماتے۔
حضرت والا اخلاقِ حسنہ پسندیدہ از قسم شجاعت۔ فراست۔ قناعت اور غیرت کی صفات سے پورے طور پر متصف تھے اور امور آخرت کی سمجھ بوجھ کی طرح معاشی و اقتصادی امور پر بھی کامل عبور رکھتے تھے اور ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی کو پسند فرماتے تھے۔ نہ تو دینداری میں اس قدر مستغرق تھے کہ اسے رہبانیت سے ملا دیں اور نہ اس قدر آداب عبادت اور قیود مذہب سے بیگانہ کہ عبادات کی ادائیگی میں سستی کریں۔ آپ کے لباس اور وضع قطع سے بے تکلفی کا اظہار ہوتا تھا۔ موٹا جھوٹا اور نرم و گداز جیسا بھی میسر آجاتا پہن لیتے تھے۔ اور ان کو برابر سمجھتے تھے لیکن حق تعالیٰ انہیں بلا طلب ہمیشہ عمدہ لباس عطا فرماتا تھا۔
فرماتے تھے جب سے دنیا کو ترک کیا ہے۔ اب تک اپنے لئے بازار سے کبھی لباس نہیں خریدا۔ دستار۔ جامہ اور جوتے ہر چیز بوقت ضرورت بکثرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ دیتا رہا۔ ایک روز حضرت والا نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک خشک صوفی نے اس کے بارے میں بحث کی۔ آپ نے فرمایا میرے لباس کی ہر تار اگرچہ شال در شال ہے محبت الٰہی کی کمند ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے میری کوشش و ارادے کے بغیر عطا فرمایا ہے اور تیرے لباس کی ہر تار اگرچہ موٹے کھدر کی دھاگوں پر مشتمل ہے۔ وہ اژدہا ہے کیونکہ وہ تو نے اپنے ارادہ اور کوشش سے حاصل کیا ہے۔
حضرت والا امراء کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لئے بالکل بند کر دیا تھا اگرچہ لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تو بڑے اخلاق سے ملتے تھے اور سردار قوم کی خاص طور پر عزت کرتے تھے اگر وہ نصیحت کے طالب ہوتے تو انتہائی اور نرمی سے اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ اگر یہ

گمان ہوتا کہ سائل قبول کرے گا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بڑی نرمی اور ملائمت سے کرتے تھے۔ ہمیشہ علم اور علماء کی تعظیم کرتے اور جہالت اور جاہلوں سے نفرت ان کا دستور تھا ہر حالت میں آثار نبویہ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کی شریعت پر استقامت کی ایک یہ دلیل بھی تھی کہ شرعی عذر کے بغیر زندگی بھر کبھی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی تھی۔ بزرگوں نے کہا ہے۔ الاستقامت خیر من الکرامت (سنت نبوی پر استقامت۔ کرامت سے بہتر ہے) آپ نے اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں نہ بچپن میں نہ جوانی میں امور ممنوعہ کی طرف رغبت نہیں کی طریق محمدی کی پیروی آپ کی فطرت تھی۔ اپنے ضروری امور خرید و فروخت خود کیا کرتے عمامہ وغیرہ میں نہ تو خشک فقہاء کی ہیئت اختیار کرتے اور نہ رسوم و قیود سے آزاد فقراء کی حیثیت بلکہ مشائخ صوفیاء کا سا لباس پہنتے تھے مجموعہ طور پر بے تکلفانہ زندگی گزارتے تھے۔ حاجت ضروریہ کے سوا قرض لینا ناپسند کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتے تھے جو قسما قسم کے کھانے اور میوہ جات کے لئے قرض لیتے اور ان کی برائی بیان کرتے تھے۔

آپ کو ہر علم میں بہرہ وافر حاصل تھا کسی فن کو بھی چھوڑنے پر آپ کی طبیعت راضی نہیں ہوتی تھی۔ فن طب میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تہجد کے نوافل آپ بلا قید رکعات جس قدر خوش دلی کے ساتھ پڑھ سکتے پڑھتے تھے۔ اشراق اور چاشت کے علاوہ نماز مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی ارواح کو ایصال ثواب کی خاطر دو۔ دو رکعت پڑھتے تھے۔ اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ آپ بڑی عمدہ آواز اور تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر حلقۂ احباب میں روزانہ تلاوت کے علاوہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار بار درود شریف۔ ایک ہزار بار نفی اثبات بعض صبح کی نماز کے بعد جہر کے ساتھ اور بعض خفی طور پر۔ اور بارہ ہزار بار اسم ذات روزانہ ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ روحانی بے خودی کے علاوہ یہ وظائف کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود ہمیشہ جاری رہتے۔ جب متوجہ ہوتے تو یہ غیبوبیت کا زمانہ طویل ہو جاتا۔

سیدنا و مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض احباب کی استدعا پر اسی اسلوب سے وعظ فرماتے تھے۔ اکثر مشکوٰۃ شریف۔ تنبیہ الغافلین اور غنیۃ الطالبین پڑھایا

کرتے تھے اور آخر میں تفسیر بھی شروع کر دی تھی جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو بہت کمزور ہو گئے اور یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

اس فقیر نے کئی بار حضرت والا سے سُنا۔ فرماتے تھے ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے، درود شریف اور محض توجہ سے حاصل کیا ہے۔ ظاہری غنا کے لئے گیارہ بار سورۂ مزمل اور گیارہ سو بار یا مُغنی پڑھا کرتے تھے۔ ظاہری اسباب کے بغیر حق تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی خدمت میں مصروف رکھتا تھا۔ آخری عمر میں جب رمضان کا مہینہ آیا تو روزے اور تراویح قدیم دستور کے مطابق ادا کئے۔ اگرچہ شریعت کی رُو سے انہیں افطار کی اجازت تھی کیونکہ پیر فانی ہو گئے تھے اور روزے رکھنے کی طاقت نہیں تھی۔ یہ فقیر اور تمام اہل خانہ جب سوال کرتے کہ شرعی رخصت کے باوجود اس قدر سخت مشقت برداشت کرنے کی کیا وجہ ہے فرماتے اس سے زیادہ تو نہیں ہو گا کہ کمزوری کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاؤں اور بے ہوشی کی مجھے عادت ہے اور اسی طرح ہو جائیں گے یعنی حالت غیبوبت۔

جب شوال کا چاند نظر آیا تو یک دم بھوک ختم ہو گئی اور کمزوری آ گئی جس سے ہیضہ ہو گیا یہاں تک کہ زندگی کی امید جاتی رہی اور مُردوں کی طرح گر پڑے۔ یہ فقیر بھی حاضر تھا کہ اس وقت یہ کلمہ استغفر اللہ الذی لا الہ الّا ھو الحی القیوم۔ ان کی زبان پر جاری ہوا۔ اس کے بعد رُو بصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت کم ہو گئی ماہ صفر کے ابتدائی دنوں میں بیماری پھر غالب آ گئی اور صبح صادق سے پہلے جب موت کے آثار ظاہر ہوئے آپ کا عزم یہ تھا کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو۔ کمزوری کی حالت میں چند مرتبہ پوچھا کہ صبح ہوتی ہے یا نہیں۔ حاضرین نے کہا نہیں۔ جب موت قریب ہو گئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ اگرچہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہے مگر ہماری نماز کا تو وقت آ گیا ہے۔ پھر فرمایا مجھے قبلہ کی طرف متوجہ کرو۔ پھر اشاروں سے آپ نے نماز ادا کی۔ حالانکہ نماز کے وقت میں شک تھا۔ پھر زیر لب اسم ذات میں مشغول ہو کر امانت خالق حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ فرخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز ۱۲، صفر ۱۱۳۱ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ حضرت والا کی وفات کے تقریباً پچاس روز بعد قید ہو گیا۔ اور عظیم گڑھ بڑھ ہوتی آپ کی عمر شریف ستتر ۷۷ سال تھی۔ فتح چتوڑ اور جامع مسجد شاہ جہاں آباد کی تعمیر انہیں یاد تھی۔

اپنے سردار اور مخدوم شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کے مناقب کا اختتام ہے اس کے بعد سیدنا و مخدومنا الشیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے مناقب ذکر کریں گے۔

حصہ دوم

جناب معارف مآب امام طریقت و حقیقت مخدومنا و مولٰینا شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ عنہ کے حالات

اگرچہ طبعی وضع اس امر کی مقتضی تھی کہ یہ حصہ مقدم ہوتا لیکن سند اور صحت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے حصہ دوم میں شمار کیا گیا۔ کیونکہ حصہ اول اکثر و بیشتر اس قسم کا ہے کہ جو اس فقیر نے بلاواسطہ دیکھا اور سُنا ہے اور اس دوسرے حصہ کا اکثر مواد ایک یا دو واسطہ سے نقل کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو منتخب کیا پس اپنا ولی بنایا۔ اور انہیں انوار و برکات کا لباس پہنایا اور ان پر اپنی نعمتوں کی راہیں کشادہ کر دیں۔ اور ان کی زبانوں سے علم کے چشمے جاری کر دیئے اور اسی کو ان کا مقصد بنا دیا جس کے نتیجہ میں وہ ہادی و مہدی اور ارباب تقوٰی کے پیشوا بن گئے۔ انہیں کے لئے اس نے زمین و آسمان کو بنایا۔ پاک ہے وہ ذات اور کس قدر بڑی ہے اس کی جود و عطا اور اس کے انعام و اکرام کس قدر مکمل ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جسے انبیاء اور رسولوں میں اپنی رفعت شان اور غایت میں کامل ترین بنایا (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ ما عاقب الصباح ومسائہ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ فقیر سراپا تقصیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ ان سے لطفِ عظیم سے پیش آئے) کہتا ہے کہ عالی قدر پیشوائے اہلِ ذوق عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ الامجد کے علوم و معارف کے متعلق یہ چند کلمات ہیں جن کے مجموعہ کا نام شوارق المعرفۃ ہے حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

ابتدائی حالات

حضرت شیخ ابوالرضا نے بچپن میں علوم ظاہری حافظ بصیر سے حاصل کئے جو زمانہ شاہ جہاں میں ایک بلند مرتبہ عالم تھے۔ ان کے علاوہ خواجہ محمد باقیؒ کے صاحبزادے خواجہ خورد سے بھی علم حاصل کیا۔ دراصل ان کے تمام علوم وہبی تھے۔ یہ ظاہری تحصیل سنت اللہ کی محافظت کی غرض سے تھی، پھر والد ماجد کے مشورہ سے ظاہری نفع کی خاطر ایک امیر کے پاس آمدورفت رکھتے تھے۔ اچانک آپ کی استعداد اور خدا داد قابلیت ظاہر ہوئی آپ نے گوشہ نشینی۔ کامل تنہائی۔ توکل کلی۔ اتباع سنت کا طریق اور صوفیاء کے احوال کو اس انداز سے اختیار فرمایا کہ اس سے زیادہ انسانی طاقت سے باہر تھا۔ صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب تمام تعلقات سے یکسو ہو گئے تو اپنی بیوی سے فرمایا ہم نے یہ راستہ شدائد کی کثرت کے باوجود اختیار کیا ہے اور کسی وجہ سے بھی اس راہ سے نہیں پھریں گے اگر ان تمام تکالیف کو برداشت کر سکتی ہو اور کھانے پینے کے لذائذ اور عمدہ لباس، قبیلہ اور رشتہ داروں سے میل ملاپ سے قطع نظر کر سکو تو تم ہماری ساتھی ہو ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ ان کی بیوی نے ہمت کی نیلے کپڑے پہنے اور تمام زیور اتار پھینکے۔ اس کے بعد حضرت والا نے اپنے والدین کے گھر سے نکل کر مسجد فیروز آباد کے نزدیک حجرہ بنا کر رہائش اختیار کی۔ ان دنوں اکثر دو دو تین تین روز تک متواتر فاقہ سے رہتے اور اگر کچھ معمولی سی غذا میسر آتی تو وہ جو کی چند روٹیاں اور دہی ہوتا جو محمد جان طحان اور ان جیسے اور مخلصین لاتے تھے، آپ انہیں فقراء پر برابر برابر تقسیم کر دیتے تھے۔ خود بہت قلیل پر اکتفا کرتے اور دوسرے روز تک اسی طرح گزارہ کرتے آپ کے گھر میں دیگچہ چولہا اور چکی وغیرہ قطعاً نہیں تھے۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ نے پوری برکت ظاہر فرمائی اور لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کر دیا۔ وسیع حویلی اور کشادہ روزی عطا فرمائی۔ اپنے ابتدائی حالات یوں بیان کرتے تھے کہ ایک فقیر تجرید کے انتہائی مقام اور بے اسبابی کی آخری منزل پر فائز جو حضرت خواجہ محمد باقی کے خلیفہ شیخ تاج سنبھلی کے اصحاب میں سے تھا خواجہ خورد کے پاس آیا۔ اس پر قوی نسبت غیبوبیت طاری تھی۔ خواجہ اس سے جو کچھ پوچھتے بڑی تاخیر اور تکلف سے جواب دیتے تھے۔ حضرت خواجہ خورد نے اس وقت فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ کی معرفت کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ اس مرد سے

مردانہ وار تعلق قائم کرے جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس سے بیعت کرنے اور حصول طریقت کا خیال پیدا ہوا۔ میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روح کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ گویا آپ کشتی پر سوار دریا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دریا کے کنارے پر آپ کی پشت کی طرف کھڑا ہوں۔ اچانک میری طرف متوجہ ہوئے آپ کے ایک ایک بال سے انتہائی چمکدار سورج طلوع ہو رہا ہے مجھے میرے نام سے پکارا۔ اس خواب میں ایسے امور مجھ پر منکشف ہوئے کہ اس فقیر کی محبت میرے دل سے جاتی رہی اور حضرت غوث الاعظمؓ سے استفادہ کا دروازہ کھل گیا۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ بیداری میں میں نے حضرت غوث الاعظمؒ کو دیکھا۔ اس جگہ بڑے بڑے اسرار مجھے تعلیم فرمائے۔ فرماتے تھے ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ آنجناب صفوف اولیا میں تشریف لائے جو مربع شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر صف میں ایک ہزار ولی تھا سیر روحانی کر رہے تھے۔ اس جماعت میں سے ہر شخص کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ میں اس جماعت سے الگ کنارے پر کھڑا تھا میرے دل میں خیال پیدا ہوا جس پر آپ مطلع ہو گئے اور مجھے ایک صف میں داخل فرما دیا اور جو مورچھل آنحضرت کے ہاتھ میں تھا مجھے عنایت فرمایا۔ پھر آپ نے ہوا میں پرواز کی اور مجھے اس پرواز میں اپنا شریک بنایا باقی تمام لوگ اسی جگہ پر ٹھہرے رہے۔ پھر آنحضرت نے عصر کی نماز آسمان سوم میں مسجد عالی میں ادا فرمائی۔ دوسری مرتبہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے طریقہ کے کسی شخص سے بیعت کر لوں تاکہ جو کچھ میں نے آپ سے اخذ کیا ہے۔ اس کی تفصیل اس سے دریافت کر لوں۔ اب مجھے ایسے شخص کی جو اس کام کے لائق ہو نشان دہی فرمایئے۔ فرمایا تیری بیعت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوگی۔ چند روز کے بعد میں نے دیکھا گویا میں راستہ میں چلا جا رہا ہوں جس پر کوئی آدمی نہیں۔ گزرنے والوں کے نشانِ پا دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو راستہ کے درمیان بیٹھے ہوئے دیکھا میں نے اس سے راستہ پوچھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میری طرف آؤ۔ مجھے اس سے انشراح قلب حاصل ہوا۔ اس نے کہا۔ اے شکستہ رفتار! میں علیؓ ہوں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے آپ کی خدمت

میں لے چلوں۔ میں ان کے پیچھے پیچھے تیزی سے چلا جاتا تھا یہاں تک کہ ہم جناب رسالتمآب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پس حضرت امیرؒ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا اور اپنا ہاتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھٰذا ابن ابی الرضا محمد۔ پس حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر کی بیعت لی۔ اس جگہ میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا حضرت امیر اس خدشہ سے مطلع ہو گئے۔ فرمایا میں اسی طرح اولیاء کے درمیان بیعت کا وسیلہ ہوتا ہوں۔ لیکن در اصل تمام   کی بیعتوں کا مرکز تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک ہے۔ پھر مجھے اشغال و اوراد کی تلقین فرمائی اور علوم و اسرار عطا فرمائے جس سے ان کا حصول میرے لئے آسان ہو گیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں ذکر قلبی و نفی میں مشغول تھا فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا کہ آپ نے مجھے اپنی ذات کے ساتھ متحد کر لیا اور خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین تصور کیا۔ اس وقت کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ نے مجھے اشارہ فرمایا میں نے اس کا واضح جواب دیا۔ پھر مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس واقعہ سے پہلے خواب میں حضور اکرمؐ کی زیارت کا بہت شوق تھا۔ جب یہ اتصال و اتحاد حاصل ہو گیا وہ شوق جاتا رہا۔ ایسی لذت حاصل ہوئی کہ کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

آپ کی پسندیدہ زندگی، تصرفات اور قلبی خیالات پر مطلع ہونے کا بیان

احباب کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے کئی بار حضرت والا کی زیارت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ امراء اور دولتمندوں کو آپ ہمیشہ حقیر سمجھتے تھے اور ان کی اور ان کے تحائف کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ کوئی امیر حد سے زیادہ اصرار و مبالغہ کرے۔ لیکن غرباء معتقدین مثل موچی، نانبائی وغیرہ چار پانچ پیسے بھی پیش کرتا تو بڑی کشادہ دلی سے اپنے ہاتھ سے لیتے۔ صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ جید عالم فصیح اللسان۔ بے انتہا متقی۔ علوم معرفت کے ماہر براق نورانی چہرے۔ دراز قد گورے

ہلکی داڑھی۔ نرم گفتار تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہتے تھے۔ تین احادیث بڑی ترتیل کے ساتھ زبانی پڑھتے تھے۔ احادیث پڑھتے وقت مجلس کے ہر گوشہ پر توجہ فرماتے تھے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ کرتے اور اسی صحت اور ترتیل کے ساتھ ہندی میں اس حدیث کے جو مضامین مناسب ہوتے بیان فرماتے تھے جن میں مبالغہ کی بجائے اعتدال ہوتا۔ شروع میں تمام علوم پڑھایا کرتے تھے۔ لوگ بڑے ذوق شوق سے ان کی تقریر سننے کے لئے جمع ہوتے اور آخر میں دو اسباق تفسیر بیضاوی اور مشکوٰۃ کے سوا کوئی اور سبق نہیں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات توجہ الی اللہ میں رہتے یا خواص اصحاب کے ساتھ معرفت کی باتیں بیان کرنے میں گزارتے آپ وحدت وجود کے قائل تھے۔ اس باب میں ان کی بڑی تحقیق تھی اپنی مجالس میں صوفیاء کے مشکل کلام حل فرماتے تھے۔ اس فقیر نے شیخ معظم پھلتی سے سنا ہے کہ عہد اورنگ زیب کے آغاز میں سلطنت کے ایک حصہ پر ستنامیوں نے قبضہ کر لیا تھا ان کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کی افواج متعین کی گئیں سخت مقابلہ ہوا اور مشہور ہو گیا کہ فریقین میں سے کوئی مغلوب نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے بادشاہ اور ارکان سلطنت پریشان ہو گئے۔ اس سلسلہ میں احباب نے دعا کی درخواست کی حضرت والا نے دعا فرمائی۔ جو مقبول ہوئی اسکے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کفار مکمل طور پر تباہ اور شکست کھا گئے۔ دوست احباب جب مجلس سے اٹھ کر بازار و کوچہ میں گئے تو انہوں نے یہ خبر مشہور کر دی رفتہ رفتہ یہ خبر اورنگ زیب کو بھی پہنچی۔ حیران ہوا کہ ہرکارے ابھی تک یہ خبر نہیں لائے یہ افواہ کہاں سے پھیلی۔ تلاش شروع کر دی کسی شخص کو حضرت والا کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے پوری تفصیل سے ان واقعات سے باخبر کیا چند دنوں کے بعد بغیر کسی فرق کے اسی قسم کی خبر پہنچی۔ وہ یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ان کے دل میں خیال آیا کہ ایسا موٹا کپڑا جو ایک دو سال تک کافی ہو۔ تیار کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تقویٰ اور دلی وساوس کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کشمیر کے ایک شخص کے ذمہ یہ کام کیا وہ اون کا نہایت سخت کپڑا لایا۔ حضرت والا نے اسے ایک دن رات پہنا پھر چاشت کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہوتے تھے اور مجلس میں سکوت تھا تو آپ مسکرائے راوی نے تبسم کی وجہ پوچھی۔ تو آپ نے فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے الہام بھیجا ہے کہ شاید ہمارے خزانہ میں کوئی کمی ہے جو تو نے

اس کپڑے کو پسند کیا ہے۔ تمہارے تمام حالات کے ہم کفیل ہیں۔ ہم تجھے ناز و نعم میں رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کپڑوں کو اتار دو جلد ہی تمہارے لائق لباس ہم بھجواتے ہیں۔ اس کو انہوں نے اتار دیا اور لباس موعود کا انتظار کرنے لگے۔ جلد ہی ایک بڑھیا ان کے دروازہ پر آئی اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ راوی کو آپ نے بھیجا کہ اگر کپڑا شال در شال جس کا رنگ فلاں اور اس پر پھول پھول ہو تو قبول کر لو اور کہو کہ تمہارا نذرانہ مقبول ہے۔ اور اگر کسی اور وضع کا ہے تو واپس کر دو۔ آپ کے فرمان کے مطابق نکلا۔ اسے پہن کر خدا کا شکر بجا لاتے۔ اس روز کے بعد سے ان کا لباس ہمیشہ امیرانہ ہوتا تھا اور بغیر طلب کے ہوتا۔ بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں دو تین روز فاقہ رہا۔ کوئی کھانے کی چیز میسر نہ آئی۔ اس وقت مخلصین میں سے ایک شخص آیا اور کہا میرے گھر میں کھانا تیار ہے قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ اٹھے اور چل دیئے جب اس مخلص کے گھر پہنچے وہ عورتوں کو ایک طرف کرنے کے لئے گھر میں داخل ہوا۔ وہاں حضرت والا پر چارپائی جو دروازہ میں رکھی ہوئی تھی گر پڑی اور شدید چوٹ آئی اور بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ کے بعد فوراً گھر لوٹ آئے اور کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ امر معاش میں تمہیں کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کی کفالت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد مہمانی کے طور پر بھی بغیر اشد ضرورت کے کسی کے گھر نہیں جاتے تھے۔ راوی یہ بھی بیان کرتا تھا کہ حضرت والا ایک روز آغاز کار میں صبح کے مراقبہ کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے تکیہ میں جا کر خاموش بیٹھ گئے۔ ان کا ارادہ عصمتِ حق کے ظہور کو دیکھنا تھا جب بھنگ فروش بھنگ کا پیالہ ان کی طرف لاتا تھا تو اہلِ مجلس میں سے کوئی شخص اس کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا کہ اس شخص کو نہ دو۔ چند مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد نماز کا وقت آگیا۔ ان کا دل مضطرب ہوا لیکن ضبط کر کے بیٹھے رہے۔ امام مسجد وہاں قریب ہی رہتا تھا اور بھنگ نوشی بھی کرتا تھا۔ اٹھا اور ان کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ہر چند انہوں نے انکار کیا مگر اس نے نہ چھوڑا اور کشاں کشاں مسجد میں لے گیا وضو کے لئے پانی پیش کیا اور ان کو امام بنایا اس کے بعد ان کا دل مطمئن ہو گیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ عفت اور تقویٰ ایک امر معلوم ہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں ان کے اختیار کے بغیر ان کو اس پر رکھتے ہیں۔

راوی بیان کرتا تھا کہ رستم اور اسد اللہ نے جب اہلِ پھلت کو تکلیف دی تو میں نے اس کا تذکرہ حضرت والا کی خدمت میں کیا اور درخواست کی کہ آپ عاقل خاں کو رقعہ لکھیں تاکہ ان کی فریاد کو پہنچے۔ اس کے بعد حضرت والا کی طبیعت میں اشراق کی نماز کے بعد جوش پیدا ہوا اور فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہارے حالات عاقل خاں کو لکھوں۔ میں تمہارے حالات حقیقی بادشاہ کے پاس کیوں نہ پہنچادوں۔ پھر آپ نے توجہ فرمائی اور ان دونوں کی ہلاکت کی خوش خبری سنائی۔ راوی قصہ دکن ہی بادشاہ کے پاس گیا۔ وہ دونوں گرفتار ہو کر لشکر میں گئے اور جلد ہی شدید مرض میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے رستم بیمار ہو کر مر گیا۔ اس کے بعد اسد اللہ بھی بیمار ہو گیا۔ لشکر خان ایک شخص تھا اس نے راوی سے کہا کہ فلاں کے حق میں دعا کرو۔ اس نے کہا مجھے تو ان دونوں کے دفن کرنے کا حکم ہے۔ جلد ہی وہ بھی ہلاک ہو گیا۔

اس فقیر نے شیخ مظفر رہتکی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مجھ پر زبردست خوف طاری ہوا میں روتا اور ہائے ہائے کے نعرے لگاتا تھا حضرت والا نے فرمایا۔ بابا! خدا تعالیٰ نے اپنے طالبین کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ کو خوشی و شادمانی کے راستہ سے ملایا ہے اور ایک گروہ کو غم و اندوہ کے راستہ سے۔ یہ ازلی تقسیم ہے۔ حضرت والا سے گریہ زاری اور غم وغیرہ کا کبھی اظہار نہیں ہوا ہمیشہ خوش دل اور شادمان رہتے تھے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ جب کسی سالک کے باطن پر اپنی صفات زجر و توبیخ کی تجلیات کا ظہور فرماتے اور اس سے ہر قلیل و کثیر آداب پر مواخذہ شروع کر دے اور برداشت کی طاقت اس میں نہ ہو تو اسے دنیا کی باتوں اور امور معاش میں مشغول ہو جانا چاہیئے یہ عمل اس عتاب کو فرو کر دیتا ہے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں میں جب رہتک سے آتا تھا تو نبات کا تحفہ لاتا تھا۔ آپ اسے ہرگز قبول نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ بستیوں اور دیہات کے لوگوں کی خرید و فروخت شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی۔ پھر میں نے یہ دستور ترک کر دیا لیکن کچھ نہ کچھ ان کے بچوں کو دیتا تھا کچھ نبات ہدیہ کے طور پر پیش کرتا۔ آخر میں ایک بار آپ کی خدمت میں آرہا تھا تو دو نبات کے مرتبان ان کے بچوں کو دیئے۔ بچے حضرت والا کی خدمت میں لے گئے۔ اس میں سے کچھ کر کھایا اس کے بعد ایک روز میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔

ہم نے تمہاری نبات کو کھایا اور ہاتھ اٹھا کر انہیں جھاڑا یعنی ہم نے ان تمام زائدہ تورعات کو ترک کر دیا۔ اب شریعت کے ظاہر حکم پر عمل کرتے ہیں۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب درگ داس کے واقعہ سے رہتک کا گرد و نواح ویران ہو گیا تو میں تمام قبائل کو دہلی لے آیا۔ اس وقت تمام زمیندار درندے بن چکے تھے باوجود کثرت قبائل عورتوں اور ساز و سامان کے ساتھ میرے بغیر کوئی دوسرا مرد میدان نہیں تھا خلاف توقع راستہ کے فتنوں سے ہم محفوظ رہے۔ ایک جگہ دیہاتی جمع ہو گئے اور دست درازی کرنا چاہی میں نے کمان میں تیر چڑھا کر ان پر حملہ کیا۔ وہ شکست کھا گئے۔ خیمہ یا چھپر کے پیچھے چھپ گئے جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو بڑی خوش دلی سے ملے اور فرمایا ہم اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے اور تمہاری امداد اور حفاظت کرتے تھے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب دیہاتیوں نے دست درازی کرنا چاہی اور تو تنہا تھا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے فلاں آفت کو ان پر دے مارا۔ یہاں تک کہ وہ دہشت زدہ ہو گئے اور چھپر کے پیچھے ہو گئے۔

یہ راوی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ آپ سے واضح مسائل کے متعلق سوال کرتے تھے حضرت والا اپنی آنکھوں کو بند کر دیتے اور سوچ میں پڑھ جاتے تھے کچھ دیر کے بعد جواب بیان کرتے تھے۔ کسی ساتھی نے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ جب یہ سوال کرتے ہیں تو میرے سامنے بے شمار جوابات ہوتے ہیں اور وہ جوابات اپنے آپ کو مجھ پر پیش کرتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ کونسا جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہے۔

یہی راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت والا جب مسجد میں جانا چاہتے تھے تو مسجد کے نزدیک کھڑے ہو جاتے تھے اور بائیں پاؤں کو جوتی سے نکال کر اس کے اوپر رکھ دیتے تھے پھر دایاں قدم مسجد میں رکھتے تھے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس صورت سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے اور حدیث لیکن الیمنی اولھما تنعل والاخر ھما تنزع۔ اور حدیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن فی شانہ کلہ۔ یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کی عجیب نظیر ہے۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کے ساتھ منسلک ہوا اور میرے حال کی طرف

متوجہ ہوئے تو مجھ پر توحید کے دروازے کھل گئے۔ ان دنوں کم و بیش تین روز میرا علم مظہر مقید سے علیحدہ ہو گیا اور بظاہر ہستی مطلق کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ حضرت والا نے شیخ عبد الحفیظ سے فرمایا کہ اس کی دیکھ بھال کرو اور حجرے میں قید کر دو۔ ان دنوں میں بعض اوقات کہتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو بارش برسا دوں اگر چاہوں تو مار دوں اگر چاہوں تو زندہ کر دوں اور حضرت والا میرے ساتھ بہت انکساری کرتے تھے فرماتے تھے کہ ادب یہی ہے کہ ہر وہ شخص جس پر یہ حال وارد ہو ایسا ہی سلوک کیا جائے جب افاقہ ہو گیا تو حضرت والا نے یہ ہندی شعر بطور مثال پڑھا۔ دوہرہ

کنتھاران موں تیہ کر کھاندا باہ سنگھ ۔۔۔ با مچہ چرہی ٹرندا پا نانچہ چڑھی کلنکہ

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ رہتک سے ایک جماعت کسی تقریب سے دہلی آئی انہوں نے ایک روز ارادہ کیا کہ اکٹھے حضرت والا کی زیارت کو جائیں۔ راستہ میں ایک شخص نے آپ کے مناقب اور کرامتیں بیان کیں۔ دوسرے شخص نے کہا اس قسم کی باتیں لوگ بہت بیان کرتے ہیں۔ لیکن میں جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں تصدیق نہیں کرونگا۔ مثال کے طور پر یہ ہندی بیت پڑھا۔ ؎

جب لگ نہ دیکھوں اپنی نینا ۔۔۔ تب لگ نہ پچوں گرکے بنیا

اور کہا ان کو آج مجھے خصوصیت کے ساتھ حلوہ اور نان کھلانی چاہیئے۔ جب وہ پہنچے اور ملاقات کی۔ حضرت والا نے ہر ایک کے حالات دریافت فرمائے اور مہربانیاں کیں جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔ پھر آپ نے گھر سے نان اور حلوہ طلب فرمایا اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ خاص اس کا حصہ ہے۔ اور وہی دوھا "جب لگ نہ دیکھوں اپنی" الخ پڑھا

اس فقیر نے سید عمر حصاری سے سُنا ہے کہ ایک روز حضرت والا نے ملیح رنگ کی ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی اور ہرن کی خوبصورت کھال پر بیٹھے تھے۔ وہ چادر اور کھال مجھے بہت پسند آئی اس قسم کی چادر اور کھال کی جستجو اور تلاش کا مجھے خیال اور دغدغہ پیدا ہوا جو کسی طرح دور نہیں ہو سکتا تھا حضرت والا جب مجلس سے اُٹھے۔ مجھے فرمایا، تم بیٹھو مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ اس پر شیرینی کے کچھ داغ تھے۔ اپنے ہاتھ سے ان کو دھویا اور چادر اور ہرن

کی کھال دونوں کو تہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا کہ اس قسم کے خیالات اولیاء کی مجلس میں دل میں نہیں لانے چاہیے۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت والا اور شیخ عبدالاحد ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالاحد نے پوچھا فلاں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مناظرہ کرتے تھے۔ ایک نے کہا کہ وہ صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے۔ دوسرے نے کہا کیا فائدہ جبکہ وہ شرع کے موافق نہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ ایک بزرگ تھے اپنے زمانہ کے بہت سے لوگ اس کے معتقد تھے لیکن وہ بیکار باتیں بہت کرتے تھے۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے گلشن شاعر سے سُنا کہ شورش عشق اور طلب سلوک کی ابتداء ہیں میں نے اپنے چہرہ کو سیاہ کر لیا تھا اور کوچہ و بازار میں پھرتا تھا جب میں محلہ فیروز آباد میں پہنچا میں نے دیکھا کہ حضرت والا تشریف فرما ہیں۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا اور جوتیوں کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس وقت آپ نے حاضرین میں سے ایک کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قسم کی رسوائی و ذلت کے خطرات اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کو دکھلاتے ہیں کہ ہم خدا کے لئے کرتے ہیں۔ اولیاء کی خدمت کرتے ہیں اور اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان کے دل کے راز اس گروہ پر ظاہر ہیں پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا چلے جاؤ۔ میں بڑا شرمندہ ہوا اور ان وساوس کی برائی سے آگاہ ہو گیا۔

سنا گیا ہے کہ حضرت والا کو بچپن میں پنگھوڑے میں سلاتے تھے تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا جھولا جھولتا رہتا تھا۔ لوگ پنگھوڑے کو دیکھتے کہ متحرک ہے۔ حالانکہ اس کے نزدیک کوئی بھی نہیں تو حیران ہوتے۔ یہ بھی سنا ہے کہ ایک جن عبداللہ نامی علوم پڑھتا تھا اور معارف سنا کرتا تھا۔ حضرت والا فرماتے تھے کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کے انکار کا اظہار کیا میں نے کہا اے کتّے تو ان کو کیا جانتا ہے۔ اس نے غصہ سے تلوار کھینچ لی اور مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا میں نے اس پر اپنے قہر و غضب کا تصرف کیا اس نے

نے آگ دیکھی قریب تھا کہ اس میں جل جائے۔ اس نے توبہ کی اور گڑگڑایا میں نے اس ہلاکت سے اسے نجات دے دی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مسجد میں ایک عورت کا جنازہ لائے تاکہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں حضرت والا نے فرمایا اس کی روح ابھی اس سے جدا نہیں ہوئی اس صورت میں اس پر نماز جنازہ درست نہیں ہوتی۔ اس کے ورثا نے مبالغہ کیا کہ یقیناً یہ مُردہ ہے حضرت والا نے فرمایا وہ نہیں مری۔ آخرکار اس کے منہ سے کپڑا ہٹایا ابھی جان اس میں باقی تھی۔ وہ اسے واپس لے گئے۔ ایک روز بعد وہ عورت فوت ہوئی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آپ کے خدام میں سے ایک شخص بُرے فعل کا مرتکب تھا حضرت والا نے کئی مجلسوں میں رمز و اشارہ سے اسے بُرے فعل سے منع فرمایا مگر وہ نہ چونکا اور نہ ہی اس فعل سے باز آیا حضرت والا نے اسے خلوت میں طلب فرمایا اور کہا میں نے تجھے کئی مرتبہ اشاروں کنایوں سے سمجھایا لیکن تُو نے پرواہ نہ کی تیرا خیال ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ اگر چیونٹی زمین کے سب سے نچلے طبقے میں ہو اور اس کے دل میں سو خیالات آئیں تو میں ان میں سے ننانوے خطرات کو جانتا ہوں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ پورے سو خطرات کا عالم ہے پس اس شخص نے توبہ کی۔

حضرت والا فرماتے تھے ایک روز میں روزہ دار تھا مجھ پر بھوک پیاس نے غلبہ کیا۔ ذکر کرتے ہوئے مجھے غیبوبیت اور استغراق حاصل ہوا میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے دودھ کا پیالہ دے رہا ہے میں نے اسے پیا۔ جب میں ہوشیار ہوا تو میں نے اپنے منہ سے دودھ کے قطرات نکلتے دیکھے میں ڈرا کہ میرا روزہ تباہ ہو گیا۔ میرے دل میں الہام ڈالا گیا کہ یہ غذا محض مشیت ایزدی سے عالم مثال میں تیرے اختیار کے بغیر دی گئی ہے عالم شہادت سے اس کا تعلق نہیں۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا

حافظ عنایت اللہ نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے علم حاصل کیا تھا اور مجادلہ اور مناظرہ سے انتہائی شوق تھا۔ ایک بار اس نے مجھے کہا کہ میں اس شہر کے تمام فضلاء کو مغلوب کر چکا ہوں۔ میں نے کہا کبھی آپ شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہوئے ہیں اور ان کی زیارت کی ہے۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ لوگوں کو تفسیر حسینی سے وعظ و نصیحت کرتے ہیں انہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ میں نے کہا ایسا مت کہیئے۔ ان کی زیارت کیجئے تاکہ ان کا علم اور

حال آپ کو معلوم ہو۔ اگلے جمعہ میں وہ وعظ کی مجلس میں آیا اور اس کے دل میں مناظرہ کرنے کا خیال پیدا ہوا حضرت والا اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ اس میں ایسی تاثیر کی کہ اس کا علم جاتا رہا اور اس کے حافظہ میں صرف و نحو کا کوئی قاعدہ نہ رہا۔ دوسرے علوم کا تو ذکر ہی کیا تھا اور بات سمجھنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ اسے معلوم ہوا کہ یہ حال حضرت والا کے تصرف سے ہوا ہے۔ شرمندہ ہوا اور توبہ کی اور باطنی طور پر حضرت والا سے تضرع کی۔ حضرت والا نے اس کا علم اسے واپس دے دیا اور پہلی حالت پر لے آئے۔ اس نے نیاز مندی کا اظہار کیا آپ نے فرمایا میں عالم نہیں ہوں۔ عوام کو تفسیر حسینی سے وعظ و نصیحت کرتا ہوں۔ اس نے اور زیادہ عاجزی و انکساری کی اور کہا میں نے اپنے قول و فعل سے توبہ کی اور آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی اور فرمایا وہ تختی جس پر لکھا ہوا ہو۔ کام نہیں دیتی۔

رحمت اللہ موچی حکایت بیان کرتا ہے کہ حضرت والا جس دوران مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں حضور کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ ایک شخص نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کی کہ بایزید بسطامی بعض اوقات کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو قوت جذب اور نظر کی تیزی سے مر جاتا تھا۔ آجکل ہم مشائخ کا غلغلہ تو بہت سنتے ہیں لیکن کسی شخص میں ایسی باطنی قوت نہیں پاتے۔ حضرت والا کو غیرت آئی۔ فرمایا بایزید روح کو کھینچ لیتے تھے لیکن اسے لوٹا نہیں سکتے تھے۔ لیکن میرے دل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ تربیت دی ہے اور ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ میں اگر چاہوں تو روح کو جسم سے کھینچ لوں اور اگر چاہوں تو لوٹا دوں۔ پھر حضرت والا نے میری طرف دیکھا اور میری روح کو جذب کر لیا۔ میں زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ اور اس دنیا کا مجھے کوئی شعور نہ رہا۔ سوائے اس بات کے کہ اپنے آپ کو ایک بہت بڑے سمندر میں غرق پایا۔ بس آپ سائل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اسے دیکھو زندہ ہے یا مردہ۔ اس نے غور کیا اور کہا مردہ ہے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو اسی طرح مردہ چھوڑ دوں۔ اور اگر تو چاہے تو میں اسے زندہ کر دوں۔ اس نے کہا اگر یہ زندہ ہو جائے تو بڑی رحمت ہو گی۔ حضرت والا نے دوسری مرتبہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حاضرین حضرت والا کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔

حضرت والا کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ آپ کی مجلس میں تصوف کے مسائل زبان سے نہیں دریافت کرتے تھے مگر بہت کم بلکہ سوال قلوب اور خیالات کے ذریعہ ہوتا تھا جب کسی کے دل میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اس سے آگاہ ہو جاتے اور اس کا جواب دیتے اور اگر اس کے بعد دوسرا شبہ پیدا ہوتا تو اس کا جواب دیتے۔ اسی طرح وہ جواب دیتے رہتے یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

سنا گیا ہے کہ محمد عاشق نے ملا یعقوب اور حضرت والا دونوں سے استفادہ کیا تھا توحید کے مسئلہ میں اسے تردد تھا۔ ملا یعقوب کی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا اور حضرت والا کی باتیں اس کے پاس پہنچاتا تھا۔ جب یہ معاملہ طویل ہوا تو ایک روز ملا یعقوب نے کہا میں خود جا کر بالمشافہ بات کرتا ہوں اور آپ کے نظریات کو باطل کرتا ہوں حضرت والا کی خدمت میں پہنچا تو ساکت رہ گیا اور کچھ نہ کہا جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس سے لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا اس نے کہا جب میں آپ کے ہاں پہنچا میرے تمام علوم چھین لئے گئے۔ الف۔ با۔ تا بھی میں نہیں پڑھ سکتا تھا۔

حضرت شیخ ابو الرضا محمد رح کے ملفوظات

فرماتے تھے کہ میں مجلس ذکر میں تھا وہاں میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ اس میں یہ راز تھا کہ یہ مشاہدہ عالم مثال میں تھا۔ ظاہر آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت حالاتِ مختلفہ میں دیکھنے والے کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ کی مانند ہیں۔ ہر شخص آئینہ میں اپنے چہرہ کو دیکھتا ہے۔ اسی لئے بدعتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مریض کی صورت میں دیکھا۔ گویا اس شخص سے متاذی ہوتے ہیں اور اسی وقت متبع سنت نے نوجوان کی صورت میں انتہائی بشاشت میں مشاہدہ کیا۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کا مشاہدہ ہے کہ اس کو عروج ونزول اور تقید نہیں بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اسی طرح ہے جیسا کہ تھا اس

شخص نے عالم مثال یا خواب میں کسی صورت و ہیئت میں مقید دیکھا وہ گمان کرتا ہے کہ آئینہ مقید ہے۔نہیں نہیں۔آئینہ اپنی حالت پر ہے۔جو پابندی بھی ہے وہ دیکھنے والے کی طرف سے ہے۔ایک مرتبہ فرمایا ان چار راویوں میں شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی کو میں نے مسلسل خواب میں دیکھا اور آپ کے عجیب وغریب مقامات اور معارف سے آگاہ ہوا۔اس مقام میں میں نے ان سے سنا کہ حق تعالیٰ کو باعتبار کہارۃ یعنی اس کی ذات کے تصرفات کے ایک نام ہے اور وہ کہار ہے۔فرماتے تھے کہ اس لفظ کو اس واقعہ سے پہلے کسی جگہ نہیں سنا تھا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ کہر عربی کے معنی میں آیا ہے اور ایک قرأت میں اما الیتیم فلا تکھر ہے اور حدیث میں آتا ہے۔فوا اللہ ماکھرنی ولاضربنی اور لفظ قہر کا مرجع اور منشا اپنی تمام امدد واعانت سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اس لحاظ سے کہر کا استعمال ذاتِ حق کے تصرف کے طور پر آیا ہے اور ذات حق پر اس کا اطلاق صحیح ہوا اور صیغہ کہارت کا استعمال صرف لفظ طرفت پر حمل کی وجہ سے ہے۔واللہ اعلم۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں دعا میں مشغول تھا اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا جو دروازہ میں کھڑا ہے اور میری طرف پیٹھ کئے ہوئے ہے۔میں حیران ہوا میرے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے جو اس دعا کے پڑھنے کی وجہ سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔راقم حروف کہتا ہے گویا پشت ان کی طرف اس لئے کی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف ہے اور عالمِ ناسوت کا دروازہ دوسری طرف۔

فرماتے تھے میں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسنات الابرار سیئات المقربین۔کاتب حروف لکھتا ہے کہ اگرچہ بہت سے محدثین علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔بلکہ قول سلف ہے۔مگر حقیقت میں یہ حدیث ہے۔فرماتے تھے ایمان کی ایک حد مقرر ہے جب وہاں پہنچ جاتا ہے تو ہرگز سلب نہیں ہوتا اسی طرح اعمال کی بھی حد مقرر ہے۔جب اس حد تک پہنچ جائیں تو ہرگز مردود نہیں ہوتے۔اور ایمان کی کم از کم حد یہ ہے کہ مومن اپنے سینہ میں نور محسوس کرلے۔پھر فرمایا ایک رات میں نے اپنے سینہ میں روشن چراغ کی مانند نور دیکھا میں نے اس نور کے ساتھ گھر کا تمام سامان

اور گھر کے اطراف دیکھے۔ اور خدا تعالیٰ نے میری طرف الہام کیا کہ وہ ایمان جو میرے نزدیک مقبول ہے۔ اس نور کی مانند ہے۔ میں اسے سلب نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نورِ ایمان کی وجہ سے دبیز پردے مرتفع ہو گئے ہیں۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ نورِ ایمان سے مراد۔ نورِ طہارت اور نورِ طاعات ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے اپنے مقام پر بیان کیا ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے چشمِ حقیقت سے دیکھا کہ میرے دائیں پاؤں کو شیخ بایزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرے بائیں پاؤں کو سید الطائفہ جنید بغدادی کے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ پس میں نے شیخ بسطامی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو انہیں مکمل غیبوبیت اور مدہوشی میں پایا۔ شیخ جنید کو دیکھا تو وہ ہوش میں تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان تھا۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ ہر دو بزرگوں کے جذب و سلوک پر دلالت کرتا ہے کیونکہ شیخ بسطامی اہلِ سکر سے ہیں اور شیخ جنید اہل صحو سے اور سکر کا جذب کے ساتھ تعلق ہے اور صحو کا سلوک کے ساتھ رابطہ ہے۔

فرماتے تھے ایک بار میں اپنے اسماء صفات کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے انہیں ننانوے سے زیادہ پایا۔ جب میں نے ان کا اچھی طرح تجزیہ کیا تو وہ چار ہزار سے زائد تھے میں نے اچھی طرح جستجو کی تو وہ غیر محصور اور لامحدود تھے۔ پس میں نے اس حالت میں اپنے نفس کو دیکھا کہ میں ایک جہان کو پیدا کرتا ہوں اور ہلاک کرتا ہوں اور اس قسم کے حالات ولایت کبریٰ والوں کے بہت ہوتے ہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وجود تمام استعداد کا جامع ہے جس میں نقطہ وجود بیدار اور تدبیر کلی جو کہ طبیعت مدبرۂ کلیہ ما فی الکون کا مقتضی ہے ہو اور روئے روشن ہو تو اس کی زبان سے اس نقطہ وجود کے معارف اور تدبیر کلی بیان ہوتے رہیں گے اور وہ اس حاسہ سے دیکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے بیس سال سے میں نہیں سویا لیٹ جاتا ہوں اور اپنے اوپر چادر تان لیتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں سو رہا ہوں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس بات کی تاویل یہ ہے کہ عرف عام میں خواب غفلت اور ذہول کو کہتے ہیں اور آپ سے یہ دونوں چیزیں اٹھا دی گئی ہیں ___ فرماتے تھے کہ آدمی کی نجات عقائد میں بغیر کسی کمی بیشی کے انبیاء کی تقلید

میں ہے جیسا کہ قدماء اہلِ سنت کا مذہب ہے۔ بجز اس آدمی کے جسے کوئی صاحب کشف بعض عقائد کی تفصیل وتحقیق سے متنبہ کرے۔

فرماتے تھے محقق متکلمین حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان تبائین سے ایسا معنی مراد لیتے ہیں جو صوفیا کی تحقیقات کے خلاف نہیں اور اگر اچھی طرح تو اس کا تجزیہ کریگا محقق متکلمین اور صوفیار کے درمیان بہت معمولی اختلاف رہ جائیگا۔ قدمار متکلمین کے کلام کو صوفیار کے مفہوم پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ کاتبِ حروف کہتا ہے کہ صوفیار علوم جمع اور فرق کی تاریکیوں پر مشتمل ہیں اور متکلمین کے علوم صرف فرق پر منحصر ہیں اسے مخالفت نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ بعض اشیار کو چھوڑ کر بعض پر اکتفا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے کہ توحید کے اعتقاد سے جو یقینی وجدان اور قطعی برہان سے ثابت ہے۔ شکی لوگوں کے وہمی شبہات اور ان کے ترددات جو ناسمجھی اور عدم تدبیر سے پیدا ہوتے ہیں۔ کی وجہ سے رُوگردانی نہیں کی جا سکتی۔

فرماتے تھے تہذیب اخلاق اور صفات ذمیمہ سے خروج کیونکہ اگرچہ آدمی فرشتہ بن جائے بہ نسبت کمال ولایت یہ کوئی کمال نہیں۔ خدا تعالیٰ ملائکہ کی طرف سے نقل فرماتا ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم۔ (ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام متعین ہے) ہاں یہ مرد عنایات الٰہیہ کا مورد اور خارق عادات جو جنس کرامات سے ہیں کا مظہر بن گیا ہے۔ کیونکہ یہ طاعات کے انوار اور بُری صفات کے چھوڑ دینے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ابھی طریقہ ولایت میں دراصل داخل نہیں ہوا۔ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے تو وہ شخص جو صفاتِ ذمیمہ رکھتا ہو اس طریق ولایت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ وما منا الا له مقام یعنی ملائکہ کے مقامات کی مقدار معلوم ہے اور صاحب ولایت خاصہ جو تجلی ذاتی سے مشرف ہوا ہو کے مقامات کی کوئی حد نہیں اور انہیں معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

فرماتے تھے بہترین ریاضت کھانے پینے میں اعتدال کے ساتھ خدا کی طرف ہمیشہ توجہ قائم رکھنے کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ یہ اس کا ملکہ بن جائے۔

فرماتے تھے کہ جب حضور دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو لوگوں سے گفتگو وغیرہ سے زائل نہیں ہوتا ہاں اگر تعلیم و تعلم اور دقیق علوم میں مشغول ہو جائے تو خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے پھر فرمایا جب حضورِ قلب اس طرح حاصل ہو گیا جیسے آنکھ میں بصارت. تو اس کے لئے کوئی چیز حجاب نہیں۔

فرماتے تھے شیخ یاقوت حبشی کے عرشی کہلانے کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ زمینوں آسمانوں اور حدوث وامکان سے گزر کر عرش وحدت سے پیوستہ ہو گئے تھے ورنہ عرش کی طرف دل کا ہمیشہ متعلق ہونا کوئی کمال نہیں. تصوف میں پہلا قدم تمام ماسوا اللہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے سے گزر جانا ہے کاتب حروف کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت اس سبب سے نہ ہو کہ ان کا علم ان کی بلند ہمتی کی وجہ سے عرش بن گیا ہے کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نفی ہے. بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہو کہ تجلی ذات حق کے بعد وہ اور عرش ایک ہو گئے ہوں. اس مناسبت سے کہ عرش حق کی طرح ان کا وجود بھی مظہر اتم بن گیا ہو۔

اس مشہور شعر کے معنی میں فرماتے تھے ؎

اگر تو پاس داری پاس انفاس　　　بہ سلطانی رسانندت ازیں پاس

یعنی سالک کو چاہیئے کہ کسی بھی سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور وحدیت سے دوسری طرف نہ پھیرے اور یہ مقام اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ سالک میدانِ توحید میں مسلسل غور و فکر کرتا رہے یہاں تک کہ عالمِ امکان کے حجابات ختم ہو جائیں اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ باقی رہے. تو اس وقت بادشاہ ہو جائے گا اور نفی سے مقصود متوہمہ غیریت کی نفی ہے اور یہ سالک کے بحرِ وحدت میں استغراق سے حاصل ہوتی ہے۔

فرماتے تھے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ تمام امور سے اہم یہ امر ہے کہ سالک ہر حالت میں حق سبحانہٗ کا مشاہدہ مظاہر حق میں کرے. وہ یہ تصور کرے کہ حقیقت وجود باری تعالیٰ تقید و اطلاق کی صفات سے صور کثیرہ میں مشتمل ہوتی ہے. میرے نزدیک یہ نظریہ قابلِ تسلیم نہیں. بلکہ سب سے اہم امر احدیت کے سورج کی طرف. سالک کا تعینات کے پہاڑوں میں طلوع کی حیثیت سے توجہ کے ذریعہ حجابات کا اٹھانا ہے. اس سے خود بخود تمام اشیاء میں اس کے سرایت کا راز منکشف ہو جائیگا. ہاں جب سالک اس توجہ سے ملول ہو جائے تو مظاہر حق کے ساتھ معیت حق کے

رضا نعرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس طریق پر کہ نور بسیط کو ملاحظہ کرے جو ہر چیز سے پہلے ہے آئینوں اور تمثیلات سے تجاوز کر کے حقیقت متمثلہ تک رسائی حاصل کرے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ انا کے پہاڑ سے احدیت کے سورج کو دیکھنا جذب کا مغز ہے اور مظاہر حق میں معیت حق کا مشاہدہ سلوک کی نسبتوں میں سے ایک نسبت ہے۔

فرماتے تھے جنگ کرنا۔ رضا و غضب اور باقی تمام اوصاف بشریت بعض قوی کے بعض دوسرے قوی سے امتزاج کی وجہ سے ہیں اور سلوک اور مراتب ولایت بھی اسی سے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا اور احکام شرعیہ کا لوگوں کو مکلف بنانا اسی پر مبنی ہے کیونکہ عارف بعض اوقات تلخ اور بدبو دار چیز کو بڑی لذت اور رغبت سے کھاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ بعض قوی سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ قوی سے مراد مختلف انواع و افراد کے اعیان کی استعداد ہے۔ مثلاً انسان کی صورت نوعیہ نطق، راست قامتی اور چہرہ کے ظہور کی مقتضی ہے اور گھوڑے کی صورت نوعیہ ہنہنانے، خمیدہ قامتی اور بال دار چہرے کی مقتضی ہے۔ اور اسی قیاس پر دوسرے انواع ہیں۔

فرماتے تھے کہ ممکنہ عجب اور وہمی انانیت سے چھٹکارا عرفان کا پہلا مرتبہ ہے اور جس شخص نے یہ کہا کہ الصوفی ھو اللہ۔ اس نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا۔ جب ممکن نے اپنے آپ سے امکان کی گرد جھاڑ دی تو اس میں بجز واجب الوجود کے اور کچھ نہ رہا۔

فرماتے تھے وجود حق ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوا ہے اور جو کچھ سمع بصر اور باقی تمام صفات سے ظاہر ہوتا ہے وہ ان کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے اس مقام پر مبتدی جب اپنے بغیر نظر ڈالتا ہے تو وحدت میں متردد ہو جاتا ہے اور جب اسماء صفات کے سایوں سے باہر نکل آتا ہے تمام اعتراضات و تخیلات رفع ہو جاتے ہیں۔ جو خود محجوب نہیں قوی کے اعتبار کے بغیر حقیقت وجود کو سمجھ سکتا ہے۔

فرماتے تھے کہ آنکھ کی ابصارت۔ روح کی بصیرت کا اثر ہے لیکن مخصوص سمت اور فاصلہ کی مقید ہے۔ اس سے مقصد نہ تو قرب ہے اور نہ ہی بعد جیسا کہ کوئی شخص سبز چشمہ لگا لے تو وہ تمام چیزوں کو سبز دیکھے گا۔ جب بصیرت و معرفت قوی ہو گئی تو بصارت اس کے تابع ہو گی

اور اسی کا حکم حاصل کرے گی۔ اسی لئے جہت وغیرہ کی قید رفع ہو جائے گی۔

فرماتے تھے معتزلہ اور شیعہ رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ جہت کا مقتضی ہے اور حجابات کے مکمل رفع کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اہل سنت بلا کیف و جہت اثبات رویت کرتے ہیں اور یہ مکمل انکشاف ہی ہے پس یہ نزاع لفظی ہے۔

فرماتے تھے اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو آخرت میں عطا ہو گا پس وہ اشکال سے منزہ ذات کو رویت اخرویہ کے ساتھ چمکنے والی بجلی کی طرح دیکھتے ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ اور بعض اولیاء کاملین مسلسل دیدار کرتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے لم اعبد ربا لم اره (میں نے جس خدا کو نہیں دیکھا اس کی عبادت نہیں کی)۔

فرماتے تھے کہ اولیاء کے سلسلہ اور ان کے طریقہ میں داخل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس قوم صوفیا کے مشرب اور ریاضات کو قبول کرنا اور عمل کرنا ہے جو شخص اس قسم کا نہیں ہے وہ اولیاء کے طریقہ میں داخل نہیں اگرچہ وہ بظاہر ربط پیدا کرے۔

فرماتے تھے کہ ہمارے زمانہ کے عارفین کو تجلی ذاتی حاصل نہیں ورنہ اپنی اور اپنے متعلقین کی اغراض کی تکمیل کے لئے سلاطین کے محتاج نہ ہوتے کاتب حروف کہتا ہے کہ تجلی ذات کا کبھی اس کے توابع اور متعلقات پر بھی اطلاق ہوتا ہے پس اس جگہ مراد انکشاف کمال تدبیر ہے اور اسباب سماوی و ارضی اسباب پر تدبیر کے لحاظ سے ذات کے غلبہ کا ظہور ہے تاکہ بغیر کسی سبب کے اسے معلوم ہو جائے کہ باری تعالیٰ جس چیز میں جو کچھ چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ یہ جاننا توکل کا ملکہ عطا کرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ وصول الی اللہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے۔ صوفیاء کے قول "تا قبلہ توجہ یکے نمی شود افادہ و استفادہ صورت نمے گردد" (کہ جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو افادہ و استفادہ ممکن نہیں) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کے ایک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی جانب سے اخذ کیا جائے اور اس کے بغیر کسی دوسری طرف التفات نہ کرے اگرچہ وہ غوث و قطب ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن انداز سے سے اس کی تمام دوسروں پر افضلیت کا اعتقاد نہ کرے۔ — فرماتے تھے کہ عارف کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اگر دوسرے عارف کے

مرید کو اپنی طرف راغب کرے اور اس کی توجہ شیخ کی طرف سے پھیر دے اور اگر وہ گڑگڑائے تو بھی اسے اس کے اپنے شیخ کے سپرد کرے۔ ہاں اگر اس کا شیخ فوت ہو جائے یا دوسرے شہر میں چلا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر طعن اور ان کا انکار ائمہ اہلِ بیت سے ثابت نہیں ہوا۔ یہ ان پر بہتان ہے۔ ابن عبدالبر کے اس قول کی توجیہہ کہ وہ بعض تابعین اور ان کے بعد والوں کی بعض صحابہ رسول پر فضیلت کے جواز کی طرف گئے ہیں اور حدیث اجر خمسین منکم الخ سے دلیل پکڑی ہے۔ فرماتے تھے کہ صحبتِ جسمانی کی فرمانبرداری سے صحبتِ روحانی کی فرمانبرداری زیادہ ہوتی ہے۔ کاتبِ حروف کہتا ہے کہ یعنی ابن عمامہ بھی صحابہ سے ہے اور ان کی محبت روحانی ہے اور وہ زیادہ مؤثر ہے۔ واللہ اعلم

فرماتے تھے کہ علماءِ عرفا کی ایک بہت بڑی مجلس میں میں نے وحدت الوجود کے مسئلہ کو ثابت کیا اور متکلمین کے عقائد کی عبارات بطور دلیل پیش کیں اور عقلی و نقلی دلائل پیش کئے لیکن وحدت وجود کا لفظ زبان پر نہ لایا، تمام نے اسے قبول کر لیا۔ اہلِ رسوم کا تعصب صرف الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔ فرماتے تھے کہ رسائل توحید کا پڑھنا بغیر ریاضت یا انجذاب کے نفع نہیں دیتا کیونکہ خط (لکھی ہوئی کتاب کا پڑھنا بغیر مشق کے یا تیر اندازی کے رسائل بغیر HAND WRITING) تیر اندازی کے فائدہ نہیں دیتے۔ ہاں بعض اوقات ان رسائل میں مشغول ہونا مطلوب کیلئے مؤید اور اس کا مقوی ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کہ تمام زمانے میرے نزدیک آنِ واحد کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے وضو کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی لمحے مجھ پر کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ اس کے بعد میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ مدت تو سو ہزار برس کے برابر ہے۔ کاتبِ حروف کہتا ہے کہ طویل ترین زمانوں کو آنِ واحد کے قائم مقام پانا فضا کے ایسی حقیقت کے ساتھ مل جانے سے پیدا ہوتا ہے جو زمانہ یا علم زماں سے بلند تر ہے اور ایک ساعت کو طویل زمانہ کے قائم مقام پانے کا منشا یہ ہے کہ زمان مقدار حرکت کو کہتے ہیں اور عالمِ مثال میں کوئی حرکت نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اس سے زیادہ تیز حرکت ہے۔ اگرچہ یہ حرکت خارج میں ظاہر نہیں ہوتی پس کبھی حرکات مالوفہ سے

زیادہ تیز مقدار منکشف ہوتی ہے اور ان ازمنۂ متطاولہ کے لحاظ سے مختصر ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ بُرے کام کا مرتکب ہے تو جان لو کہ وہ قصداً ایسا نہیں کر رہا۔ تم اسے نصیحت کرو۔ فان الذکریٰ تنفع المومنین ای المنتھین شاید کہ بات سینکڑوں میں سے کسی ایک کے لئے مفید ہو جو امرادی کے موافق ہو۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کی لونڈی بھاگ جائے اور وہ اسے ہر کوچہ وبازار میں پکارتا پھرے اگرچہ اس کی لونڈی ایک خاص جگہ میں ہے اور اسے جاننے والا بھی ہزاروں میں سے ایک ہی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ تمام دنیا واجب کی رسیوں سے بندھی ہوئی ہے۔ اگر فاسق ہے تو اس کا فسق بھی واجب ہے اور اگر صالح ہے تو اس کی نیکی بھی واجب ہے اور واجب بالغیر کے لئے علت تامہ کی ضرورت ہے اور ہدایت مرشد جو کہ علت تامہ کی جزو ہے۔ اکثر نفوس کی اصلاح کا سبب ہے۔ پس تدبیر کلی بعثت رسل اور انزال کتب کی مقتضی ہوئی جیسا کہ وجود تمام اسباب کا مقتضی ہوا۔ فتدبر۔

اس سلسلہ میں کہ بعض آدمی باوجودیکہ متشرع نہیں ذوق مشاہدہ رکھتے ہیں فرماتے تھے کہ جب کسی کو ذوقِ مشاہدہ حاصل ہو گیا تو وہ کسی معصیت سے زائل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شیرینی لذیذ ہے۔ گناہگار کے نزدیک بھی اور نیکوکار کے نزدیک بھی اور گناہوں سے حفاظت محض حق تعالیٰ کے فضل پر مبنی ہے۔

فرماتے تھے کہ شیخ بایزید یعنی بایزید کے ایک ہمعصر نے مجھے بتایا کہ میں خدا کو چشم سر سے دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا تو کون ہے جو اسے دیکھے۔ اس نے کہا کیا دوست کو دوست سے حذر کرنا چاہیئے؟ میں نے کہا اس کا دشمن کون ہے۔ اس پر اس کا غصہ جاتا رہا کیونکہ آدمی انصاف پسند تھا۔ فرماتے تھے ولی دنیا میں جلایا جاتا اور تلوار سے قتل ہو جاتا ہے کیونکہ روح پر عناصر کا غلبہ ہوتا ہے۔ مگر عالم آخرت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں آگ پکارے گی کہ جز یا مومن فان نورك اطفاء۔

لیکن یہ حال اہلِ کمال کا ہے جن کے سامنے سے امکان کے پردے مرتفع ہو گئے ہیں۔

فرماتے تھے کہ ایک فاضل نے صوفی سے سوال کیا کہ صوفی یہ سب ریاضتیں اور مجاہدے کیوں کرتے ہیں اس نے کہا اگر تجھے کہا جائے کہ اگر تو اس طرح کی مشقت کرلے تو تجھے سلطنت

حاصل ہو جائے گی یا بادشاہ تیرے تابع فرمان ہو جائے گا تو یہ تمام مشقتیں اور ریاضتیں تجھے گوارا ہوں گی یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ہر شخص خوشی سے یہ کرے گا اور احسان سمجھے گا۔ صوفی نے کہا ان ریاضات کی وجہ سے ذاتِ حق ان کے دلوں میں عظمتِ الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ "دردل آمدن" صورت الٰہیہ کے ساتھ بقا سے یہ کنایہ ہے۔ اور اس کا اصل اس نقطۂ وجود کی روشنی ہے جو سالک کے نفسِ ناطقہ کے نقاط میں سے ایک ہے۔

عین القضاۃ ہمدانی کے بظاہر غیر شرعی شعر ؎

اے پسر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ خود ز شرک خفی ست آئینہ دار

چیست شرک جلی رسول اللہ خویشتن را ازیں دو شرک بر آر

کی تاویل میں فرماتے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم لا معبود غیر اللہ ہے یعنی خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور معبود کے لئے عابد کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں دوئی کا تصور پایا جاتا ہے جو اصل شرک ہے۔ اور خفی اس لئے ہے کہ عابد عبادت میں مذکور نہیں اور محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مضاف بمضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے اور یہ شرک جلی ہے؛ جب تو وحدت کی حقیقت کو پا لے گا۔ اور تعینات کی غیریت کو اعتباری سمجھے گا اور رسولِ خدا کو بھیجنے والے کا مظہر دیکھے گا تو شرک کی ان انواع سے آزاد ہو جائے گا۔

فرماتے تھے کہ وجودِ عالم عدم واجب کو مستلزم ہے کیونکہ واجب، وجود عالم کی تقدیر پر یا تو عالم سے خارج ہے تو ایسی صورت میں وہ محدود ہو گا اور جو محدود ہے وہ واجب نہیں ہوتا یا عالم میں داخل ہو گا تو اس صورت میں حلول لازم آتا ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ حلول سے منزہ ہے۔

اسی طرح ہر حیثیت سے عدم ممکنات لازمی طور پر باطل ہو گا۔ پس یہ بات متعین ہو گئی کہ ہم کہیں کہ حقیقتِ وجود کے لئے تعینات اعتباریہ کا نام عالم ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ معدوم ہے بذاتِ خود اور غیر کے ساتھ قائم ہے جو اس کا قیوم ہے ——— شیخ اکبر کے قول کا مفہوم ———

فتوحاتِ مکیہ کے باب ایک سو اکسٹھ میں شیخ اکبرؒ کے اس قول "لامن العالم من اللہ"

کے معنی کے بیان میں فرماتے تھے کہ عالم کا وجود وہم کے مرتبہ میں ہے اور حق تعالیٰ کا وجود حقیقی ہے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ الوجود فی الکل ساری والتعینات امور اعتباریہ، وجود حقیقی تمام اشیاء میں ساری ہے اور تعینات اعتباری امور ہیں، پس عالم حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے سب سے زیادہ دُور اشیاء میں سے ہے کیونکہ وجودِ حقیقی اور موہوم محض آپس میں متضاد ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو ان کی جامع ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سراب سمندر سے دُور ترین اشیاء میں سے ہے کیونکہ سراب شعلہ آفتاب کے پرتو سے دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے، حالانکہ ان کے درمیان مغائرت کلی ہے۔ اسی طرح آفتاب وحدت عالم پر چمکا۔ تو عالم وجود میں آیا اور اسے بحر ذات کے ساتھ ایک مناسبت پیدا ہوگئی حالانکہ وُہ فی ذاتہٖ معدوم محض ہے۔

شیخ اکبرؒ کے اس قول کہ ما فی احد من اللہ شیئا کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے اس طریق کے اکابرین کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ غیر حق موجود نہیں ہے ؎

کجا غیر کو۔ غیر کو نفس غیر سوئی اللہ واللہ مائی الوجود

یہاں لفظ فی حلول پر دلالت کرتا ہے۔ ذاتِ حق اور اس کے شیونات کے مظاہر ظاہر ہیں پس اس کی ذات اور صفات غیر میں کیسے حلول کر سکتے ہیں یا غیر سے ظرف کے طور پر متعلق ہو سکتی ہیں حالانکہ یہ دوئی کو مستلزم ہے پس ثابت ہوا کہ خدا کی کوئی چیز اس کے غیر میں نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کے غیر کی کوئی چیز اس میں نہیں ہے۔ چنانچہ صوفیاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ لیس فی ذاتہ سواہ ولا ذاتہ فی سواہ۔ پس ظاہر ہوگیا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدت الوجود کی منافی نہیں ہیں۔

فرماتے تھے بعض عارفین نے کہا ہے کہ قرآن مجھ پر سمندر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اس کی آیات موجوں کی مانند، میں نے ایک آیت پر توقف کیا تو مجھے اس میں بے انتہا معانی ملے اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہی وہ قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ تو مجھ پر قرآنی عظمت واضح گئی۔ اور اولیاء اللہ میں سے کوئی ولی حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بعض لوگوں کے لئے کسی چیز کے طلب کرنے کے لئے متوجہ ہوتا ہے۔ تو اس کی ایک یا دو قرآن کی آیات اس کی حسب مطلوب الہام کی جاتی ہیں۔

فرماتے تھے کہ جب وجود امکانی صورتوں میں جلوہ ریز ہوا تو صفات واجبہ امکان کے پردوں میں چھپ گئیں جیساکہ وہ کاریگر جس نے کبھی نشہ نہ کیا ہو اچانک نشہ کھائے تو اس کی کاریگری کے اوصاف غائب ہو جاتے ہیں، کاتب حروف کہتا ہے کہ مظاہر ممکنہ میں وجود جلوہ ریز ہوتا ہے مگر تنزل کے سبب صفاتِ کاملہ کا ظہور نہیں ہوتا۔

صوفیاء کے اقوال میں تطبیق

بعض صوفیاء کے اس قول کہ مابعد المقام الذی وصلنا لا مقام (جس مقام تک ہم پہنچ گئے ہیں اس کے بعد کوئی مقام نہیں) اور بعض دوسرے صوفیاء کا قول کہ فوق کل مقام مقام مالا یتناھی (ہر مقام کے بعد ایک اور مقام ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے) کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ پہلا قول اہل شہود کی نسبت درست ہے۔ مثل شیخ بسطامی کے۔ اذ لیس وراء عبادان قریۃ والیٰ ربك المنتھی (کیونکہ عبادان کے آگے کوئی قریہ نہیں اور تیرے رب کی طرف انتہا ہے)۔ اور دوسرے قول کے قائل کی مراد اگر مظاہر اسماء میں سیر ہے جیسے ملائکہ، عالم مثال اور عالم ارواح وغیرہ تو یہ درست ہے، لیکن یہ کمال نہیں ہے۔ اور عارف ذات تک پہنچنے کے بعد ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ الا ماشاء اللہ۔ اور مقام کا لفظ اس پر منطبق نہیں ہوتا بلکہ تسامح و چشم پوشی سے اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ وصول ذات کے بعد بھی مقامات غیر متناہیہ نفس الامر میں موجود ہیں تو یہ صریح زیادتی ہے۔

شیخ فریدالدین عطار کے اس شعر سے

عشق را با کافری خویشی بود　　کافری را مغز درویشی بود

کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ کہ اس میں کفر سے مراد نسب اور دوسری اضافی چیزوں کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ شیخ ابوبکر واسطی اور شیخ ابوسعید خراز کے اس قول کہ اکثر العارفین حتی ابی یزید ماتوا فی الوھم والظن (اکثر عارفین یہاں تک کہ ابویزید بھی وہم و گمان میں فوت ہوئے) کی توجیہہ میں فرماتے تھے کہ ولایت کبریٰ کی ابتداء دوئی کی جہت کی فنا ہے اور شہود اور ذات حق تک رسائی بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اکثر عارفین اور شیخ ابویزید بھی ان میں شامل ہیں لازماً اس مقام پر سرفراز ہوئے ہیں لیکن اس شہود کے بے شمار مراتب ہیں کبھی یہ شہود تجلی صفات وجوبیہ

کے ساتھ جبکہ امکان کا باقی فائدہ ساتھ ہوتا ہے۔ متحقق ہوتا ہے اور اکثر عارفین میں یہی غالب ہے اور یہ دائمی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ شہود خالص تجلی ذات کا ہوتا ہے۔ اور وہاں امکان کا باقی ماندہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہی تجلی برقی آنی ہے۔ جو ہمیشہ اس جہان میں نہیں رہتی۔ ورنہ اس سے جسم کے اجزا متفرق ہو جائیں اور روح جسم سے پرواز کر جائے اور جو اس حیثیت سے شہود ذات کو نہیں پہنچا، درحقیقت وہ توحید کے راز تک نہیں پہنچا۔ اور امکان میں سے کچھ بقیہ کی وجہ سے وحدت اس پر غالب نہیں آتی۔

بایزید بسطامی پر جب بعض مراتب شہود مستولی ہوئے اور امکان کی جہت سے اس پر غلبہ کیا امکان میں سے کچھ بقیہ کے باوجود پکار اٹھا "سبحانی ما اعظم شانی" اور یہ الفاظ اس شخص کے لئے جو مذکورہ طریق پر وحدت کے راز تک پہنچا ہو مناسب نہیں۔ کیونکہ ما اعظم صیغہ تعجب ہے اور اس مقام پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنی عظمت وکبریائی پر کوئی تعجب نہیں ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ بسطامی نے ایک دھاگا زنار کے طور پر گلے میں ڈالا اور پھر اسے چھری سے کاٹ دیا اور کہا۔ اللھم ان کنت قلت یوما سبحانی ما اعظم شانی فکنت مجوسیا زندیقا وانا اقطع زناری واقول لا الہ الا اللہ (اے اللہ اگر میں نے کسی دن سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو میں مجوسی زندیق تھا اب میں اپنی زنار کاٹتا ہوں اور لا الہ الا اللہ کہتا ہوں) یہ ایک اور قرینہ ہے اس بات کا کہ امکان میں سے کچھ بقیہ رہ گیا تھا اور آخر میں اس سے آگاہ ہوئے۔

اگر بعض صوفیا یہ کہیں کہ یہ ہدایت وارشاد کے لئے تھا تاکہ تقلید کے طور پر ایسا نہ کہے تو ابن منصور کے متعلق ابوسعید خراز کہتا ہے کہ کان اوحد زمانہ لم یکن فی عھدہ من المشرق الی المغرب مثلہ (کہ ابن منصور میدان وحدت میں یگانہ روزگار تھے اور ان کے زمانہ میں مشرق سے مغرب تک ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا) اسی لئے اس پر توحید غالب آگیا اور اس سے انہوں نے رجوع نہ کیا۔ لیکن قائل کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی توحید حقیقی کے راز کو نہیں پاسکے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ وہ اپنے قول اناالحق پر ڈٹے رہے حالانکہ تجلی برقی ایک آن سے زیادہ نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اکثر عارفین شہود کی ایک قسم سے مطلع ہوئے اور انہوں نے اسے شہود ذاتی سمجھ لیا اور اسی گمان ووہم میں مر گئے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ تجلی تجلی لہٗ (جسے تجلی سے نوازا جائے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز بھی محدود کے لئے ہو وہ حد اور حصر سے خالی نہیں ہوتی۔ لیکن ان نفوس میں جن پر قوی اطلاقیہ کا غلبہ ہوا اور ان نفوس میں جن پر قوی تقییدیہ غالب ہوں فرق ہے۔ وہ نفوس جن پر قوی تقییدیہ غالب ہوں۔ غایت معرفت ظہورِ صفات ہے نہ کہ ذات اور یہ بھی ایک قسم کے اختلاط اور امتزاج کے ساتھ اس کی مثال یوں ہے کہ ہر آئینہ اپنے وجود کی وسعت کے مطابق ہی اجسام کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی لئے آسمان وزمین چھوٹے آئینہ میں آجاتے ہیں اس کے باوجود سبز، زرد، طولانی یا مثلث آئینہ میں کئی دوسری تبدیلیاں بھی وقوع پذیر ہوجاتی ہیں اور ہر تفسیر ایک حجاب ہے۔

فرماتے تھے کہ انا الحق جیسے الفاظ کہنے والا اگر امکان کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو جھوٹا ہے اور فرعون کے حکم میں ہے اور اگر وہ مغلوب ہے تو وہ معذور ہے۔ پھر فرمایا تجلی برقی باطل دعووں سے بے نیاز ہے کرنوالی اور ممکنہ دلیل ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب کوئی شخص کسی حسین و جمیل کو دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اور اپنی تمام صفات کو فراموش کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مصر کی عورتوں کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ واقعہ پیش آیا۔ اس سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ جمالِ حقیقی کا حال کیا ہوگا۔

حدیث ان اللہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہٖ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے یعنی اعیانِ ثابتہ کی حیثیت سے ان کو پیدا فرمایا۔ وہ ظلمتِ عدم کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس حالت میں ان کا خارجی وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر وجود خارجی کا نور ڈالا تو وہ اعیانِ خارجی کی صورت اختیار کر گئے اور حق کو انہوں نے اس موجودیت کے ساتھ پہچانا۔

فرماتے تھے کہ مراتبِ امکانیہ کی طرف انسان کی توجہ اس اعتبار سے کہ وہ شیون ذات ہیں۔ بذاتِ خود کمال ہے اور یہ جو انہیں غفلت کہا جاتا ہے اس اعتبار سے ہے کہ صفاتِ واجبہ کی طرف توجہ سے مانع ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اس حالت میں فوت ہوجاتا ہے اور ذاتِ حق تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

یا تمام اعتبارات سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے اسے غفلت کہا جاتا ہے پس وہ موت کے

بعد نسبت اپنے مالوف کے حاصل نہ کر سکتے اور اپنے کمال کو نہ پا سکنے کی وجہ سے متالم غمگین اور متاذی ہوتا ہے۔

فرماتے تھے۔ ذات باعتبار نفس خود تمام اعتبارات سے نفیاً و ثبوتاً قطع نظر کرتے ہوئے ذات بحت۔ ذات ساذج۔ لاتعین۔ احدیت اور وجود مطلق کے ناموں سے موسوم ہے اور وجود مطلق اس معنی میں ہے کہ تقید و اطلاق کی نسبت سے خالی ہے اس معنی میں نہیں کہ وہ اطلاق کی قید میں مقید ہوتا ہے۔ صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذات بحت موجود ذہنی اور محض معقول ہے اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اس حیثیت سے مقید امر ذہنی ہے کیونکہ ذات کے اعتبارات اس کے اسماء اور صفات ہیں جو کہ ذات کے لوازم ہیں جو ذات سے خارج میں جدا نہیں ہو سکتے اور ذات ان کمالات کے ساتھ ازل سے ابد تک جلوہ ریز ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ وحدت سے پہلے احدیت تمام پہلے آنے والی وحدت سے پہلے ہے اس سے مراد احدیت ذاتی ہے۔ جہاں کسی اعتبار کا لحاظ نہیں نہ سقوطاً اور نہ ہی ثبوتاً۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اس وحدت کے بعد ہے اس سے مراد احدیت صفاتی ہے جس میں نفی ماسوا اللہ کا لحاظ ہے پس ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ غرضیکہ نفی ماعدا ذات کو احدیت کہتے ہیں اور اس کے مرتبہ اثبات کو واحدیت۔ اور یہ واحدیت کمالاتِ وجوبیہ اور امکانیہ کو شامل ہے اور لفظ واجب کا اطلاق تجلی وجود مطلق کے اعتبار سے صفات واجبیہ مؤثرہ پر اور لفظ ممکن کا اطلاق باعتبار تجلی صفات امکانیہ متاثرہ پر ہوتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ان مراتب میں تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ رتبہ کے لحاظ سے ہے جیسا کہ محجوب لوگوں کا وہم ہے۔ رتبہ کے لحاظ سے تقدم کی نظیر جیسا کہ زید ایک ہی وقت میں خارج میں بھی زید ہے۔ انسان بھی ہے اور عالم بھی اور پارچہ باف بھی لیکن اگر خالص ذات پر نظر کی جائے تو اس کا نام انسان رکھا جائے گا اور اگر صفات کی نفی کی جائے تو صرف انسان کہلائے گا۔ اور اگر ان تمام صفات کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو اسے صفات سے متصف انسان کہا جائیگا۔ پھر اگر فرداً فرداً جملہ صفات کی تفصیل بیان کی جائے تو علم کی صفت کے لحاظ سے وہ عالم ہے اور اگر پارچہ بافی کی صفت سے متصف کیا جائے تو وہ پارچہ باف ہوگا اور زید ان تمام حالات میں

واحد ہے اور خارج میں اس کی صفات ہرگز اس سے جُدا نہیں ہیں۔ اور اسماء کا اختلاف محض عقلی اعتبارات کی وجہ سے ہے۔ اور ایک اعتبار کا دوسرے اعتبار پر تقدم رتبی ہے نہ کہ زمانی پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خارج میں محض ذات موجود ہے تو اس سے اس کی یہ مراد ہے کہ جیسے ذات بحت فرض کرتے ہیں وہی مظاہر میں بعینہٖ موجود ہے کج فہموں کے اوہام کو دُور کرنے کیلئے یہ کچھ کہا گیا ہے جو ذات خالص کو علم سے خارج تصور کرتے ہیں اور ظاہریت اور مظہریت کی نسبت ثابت کرتے ہیں۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

فرماتے تھے جس نے سُبحانی یا اعظم شانی یا انا الحق کہا غالباً غلبہ حال اور نظر سے جہت امکان کے خفا کی وجہ سے کہا ورنہ اسماء الوہیت کا اطلاق سوائے تمام معلومات کے عالم کے کسی پر جائز نہیں اور یہ علم ان میں پایا نہیں گیا۔ بلکہ دراصل اس کے مظاہر میں سے کسی ظہور میں بھی نہیں پایا گیا اور نہ ابد تک پایا جائیگا۔

کہتے ہیں کہ تجلی برقی اپنے خواص کے ساتھ دائم ہو جانے تو یہ احاطہ جمیع معلومات ہے لیکن اس کا دوام کیسے ہو سکتا ہے جبکہ تجلی ذاتی سے روح بدن سے جُدا ہو جاتی اور جسم متفرق اور پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ پردوں کے اُٹھنے کے بعد کشفِ ذات جس کا نام رویت ذات اور تجلی برقی ہے اس عالم میں بقیہ امکان کے پوری طرح اُٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ یہ تجلی برقی موت کے بعد ہی ہوتی ہے تو یہ ایک اعتبار سے کہا ہے۔ کیونکہ نوعی حجابات سے چھٹکارا موت سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے کہا ہے۔ اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ (جو مر گیا اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی) لہٰذا اہلِ شہود کیلئے قیامت قائم ہے۔ پس وہ ان حالات کو اب دیکھتے ہیں جنہیں لوگ قیامت موعود میں دیکھیں گے کاتب حروف کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول اومن کان میتاً الخ سے مراد یہ ہے کہ اومن کان میتا ای فانیا رفع عنہ الحجب فاحییناہ ای ابقیناہ لا یری الا باللہ ولا یسمع الا بہ وجعلنا لہ نوراً یعنی التجلی البرقی الاُلیٰ (جو فانی تھا اس

کے سامنے سے ہم نے پردوں کو ہٹا دیا اور اسے قبا عطا کر دی وہ اپنے رب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ سنتا ہے۔ ہم نے اس کو نور یعنی تجلی برقی آنی عطا کر دی)

ایک دن مشائخ میں سے ایک کا نام لے کر فرمایا کہ فلاں کا مقام معشوقیت کا ہے اور میں اس مقام میں ہوں کہ عاشقیت اور معشوقیت کا وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرماتے تھے کہ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ عاشقیت میں وہ لذت ہے جو دوئی کے اٹھ جانے میں نہیں ہے۔ اس نے خطا کی ہے کیونکہ عاشق دوئی کے سبب آتش عشق میں جلتا ہے اور وہ شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ اگرچہ حسنات الابرار میں ہے مگر سیات مقربین میں شمار ہوتا ہے اور صاحب شہود کبریا، استغنا اور جلال و جمال سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اور اس لذت کا درجہ عاشقیت کے مرتبہ سے بہت بلند ہے۔

فرماتے تھے کہ جس کے سامنے سے پردے اٹھ گئے اس نے اپنے پروردگار کو اپنی روح کے پہاڑ میں دیکھا یہی کشف ذات ہے۔ اس وقت عارف عدم تناہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات میں سے ہے کاتب حروف کہتا ہے کہ عارف کا علم حضوری انا کے ساتھ حقیقت الحقائق میں نافذ ہے اور یہ کہ انا محدود ہے اور حقیقت الحقائق غیر محدود ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اس کا نفوذ حقیقت الحقائق میں تمام اعتبارات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہے اور تناہی اور نا تناہی دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔

فرماتے تھے کہ حدیث قدسی کے دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جسے جبرائیل علیہ السلام لائے مگر قرآن میں داخل نہیں ہوئی کیونکہ یہ کلام معجز نہیں تھی۔ اور کاملین کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید عام و خاص تمام کے لئے شفاعت ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا واسطہ بھیجا۔

حدیث اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (جب تم معاملات میں حیران رہ جاؤ تو اصحاب قبور سے مدد لو) کی تشریح میں فرماتے تھے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ استعانت سے مراد مردوں کے حالات کو یاد کرنا اور ان سے عبرت حاصل کرنا دنیوی امور سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور فکر معاش کو کم کر دیتا ہے۔

حدیث ان الدنیا اقبح من جیفۃ منتنہ (دنیا گلی سڑی لاش سے بدتر ہے) کے مفہوم میں فرماتے تھے کہ قلب کے دنیا کے ساتھ تعلق کی وجہ سے وہ حق کی طرف توجہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ بخلاف مردار کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہے۔

فرماتے تھے کہ اقوال میں جھوٹ یہ ہے کہ شریعت کے خلاف بات کہے اور افعال میں جھوٹ یہ ہے کہ شریعت کے مخالف کام کرے اور احوال میں جھوٹ یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدل جائے کیونکہ سچا حال وہ شہود ہی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ تلون سے یہاں مراد سر توحید کا یکبار ظہور اور دوسری بار اس کا پوشیدہ ہوجانا ہے یا ایک بار ایک چیز ظاہر ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ کوئی دوسری چیز اس کے مخالف ظاہر ہوتی ہے اور ان جیسے اور امور — فرماتے تھے کہ لمبی ٹوپی اور ریشمی رسی جو کمر میں باندھتے ہیں اور ہندی زبان میں اسے سیلی کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی علامات میں سے ہے۔ امیر المومنین نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد جاہلوں کی ایک جماعت نے اسے پسند کیا اور اسے اختیار کرلیا۔

فرماتے تھے کہ حجب امکانیہ غفلت کی ظلمات سے ہیں جو دوئی میں ڈال دیتے ہیں۔ کھانے پینے اور سونے سے نہیں ہیں جو کہ لوازم حیات ہیں، بلکہ غصہ، حسد، بغض اور دوسرے افعال ذمیمہ سے ہیں۔ لیکن یہ (کھانا، پینا وغیرہ) غفلت کو تقویت پہنچانے والے ہیں۔

اور حجب وجوبیہ صفات واجبہ ہیں۔ سالک نے جب اللہ کے فضل سے حجب امکانیہ کو قطع کرلیا تو ذات حق کو حجب وجوبیہ کے پیچھے سے دیکھتا ہے جیساکہ دیکھنے والا سورج کو دیکھتا ہے۔ آگ ہوا اور سموات جو سورج سے نیچے ہیں اس دیکھنے میں مانع نہیں ہوتے اسی طرح سالک کے لئے حجب وجوبیہ مشاہدہ ذات سے مانع نہیں ہوتے۔ اس کے بعد حجب وجوبیہ بھی اخص اولیاء کے لئے مرتفع ہوجاتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ مشاہدہ ذات حق سے مراد نفی ما عدا کے لحاظ سے حقیقت الحقائق کی طرف دل کی توجہ ہے خواہ ایک ساعت ہی میسر آئے جس شخص نے ذات حق کو نہ جانا اور اس کے مظاہر کو نہ پہچانا وہ مشاہدہ حق سے بے خبر ہے۔

فرماتے تھے مشاہدہ کے لئے عالم مثال اور عالم ارواح کو عبور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح وہ شہود جو محض جذبہ الٰہیہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس قسم کے شہود کی بقا کا کوئی اعتبار نہیں۔ بخلاف اس شہود کے جو سلوک کے بعد حاصل ہو۔ کیونکہ وہ عبور کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کی بقا پر بھروسہ ہے۔

فرماتے تھے کہ عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ خود عشق ہو جائے اور یہ معشوق کے مادہ کا اشتقاق ہے پھر فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق عشق سے موسوم ہے۔

اہلِ سلوک کے اس قول کہ "دل ریاضتوں سے پستی سے بلندی کی طرف جاتا ہے"۔

فرماتے تھے کہ دل کا پستی سے بلندی کی طرف ارتفاع کا معنی یہ ہے کہ وہ پست اور بُرے کاموں سے اعراض کرے اور علویات کی طرف مائل ہو جائے ورنہ انسان دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے سے تکلیف اٹھاتا اور متاذی ہوتا ہے۔ کیونکہ شرائن قلب کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

شیخ اکبرؒ کے قول "العلم اوسع من الحال" (کہ علم۔ حال سے زیادہ وسیع ہے) اور سعید خراز کے قول "الحال اوسع من العلم" (حال علم سے زیادہ وسیع ہے) کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ علم اس حیثیت سے وسیع ہے کہ عالم میں حال اور اس کے علاوہ کیفیاتِ نفسانیہ، اس میں داخل ہوتی ہیں لیکن حقائقِ خارجیہ حال کے نزدیک کیفیت مخصوصہ ہے اس کا غیر اس میں نہیں سما سکتا اور حال اس حیثیت سے وسیع ہے کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے عجب کیفیات اور انوکھے علوم منکشف ہوتے ہیں۔ علم میں یہ بات نہیں۔

فرماتے تھے ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک جن نے کنکری پھینکی اور وہ لڑھکتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ جنوں کی یہ خاصیت ہے کہ جو چیز وہ پھینکتے ہیں وہ سیدھی چلی جاتی ہے۔

فرماتے تھے کہ شمال کی طرف ایک بستی ہے جہاں ارضی ملائکہ رہتے ہیں اور ان میں توالد و تناسل ہے۔ بخلاف ملائکہ سماویہ اور اکثر ارضیہ کے کہ ان میں توالد و تناسل نہیں ہے۔

فرماتے تھے۔ وجود۔ ماہیات پر قابض ہوا۔ تو ان ماہیات کی استعداد کے مطابق خوشبو بدبو۔ لذت۔ تھکاوٹ۔ دُکھ سکھ۔ ٹوٹ پھوٹ اور اجزاء کا متفرق ہونا وغیرہ پیدا ہو گیا۔ ورنہ نوری وجود تو بسیط ہے ان کیفیات سے منزہ ہے۔ پھر فرمایا میل کچیل خود اور اس کا

مزہ اور بُو انکے ذائقہ اور شامہ کی نسبت سے قبیح ہے اور کیڑے مکوڑوں اور خنزیر کی قوت ذائقہ اور شامہ کے مقابلہ میں وہ اچھا ہے کیونکہ الم کا ادراک مزاج اور طبع کے مخالف چیز سے ہوتا ہے اور یہ مختلف ہوتا ہے جیساکہ سانپوں کا زہر سانپ کے کاٹے کو مفید ہے اور دوسروں کیلئے نقصان دِہ - اس کے باوجود حضرت وجود ہر فرد میں یکساں طور پر ظہور پذیر ہے۔ اگر کوئی شخص بعض ادویہ کو اپنی زبان یا ناک میں استعمال کرے تو اس کی نمکینی اور برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس شخص نے زبان ومکان کی تنگنائی سے چھٹکارا حاصل کر لیا تو کوئی چیز اس کیلئے مشکل نہیں۔ قدماء میں سے کسی کا شعر ہے۔ ع

رق الزجاج ورقت الخمر (شیشہ وشراب دونوں شفاف ہیں) یعنی مظاہر جو کہ شیشہ کے قائم مقام ہیں صاف وشفاف ہیں۔ اور جو محبوب اس میں مستور ہے انتہائی صاف وشفاف ہے۔ ع فتشابها وتشاکل الامر (پس دونوں متشابہ اور ہم شکل ہو گئے)۔ پس صفائی میں ایک دوسرے کے رنگ میں ہو گیا اور لوگوں کی نظر میں پہچان مشکل ہو گئی۔ فکانما خمرٌ ولا قدح۔ گو یہ محض شراب ہے اور شیشہ نہیں ہے۔ فکانما قدح ولا خمرٌ۔ گویا پیالہ ہے اور شراب نہیں ہے اور یہی مراد ہے اس شخص کی کہ جس نے کہا۔

ان شئت قلت حق لا خلق   وان شئت قلت خلق ولا حق
(اگر تو چاہے تو کہے حق ہے خلق نہیں   اور اگر چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں)

فرماتے تھے کہ صفات الٰہیہ میں سے سب سے بڑی صفت علم ہے اور حیات، صفت علم کے شیون میں سے ہے سب سے بڑی نہیں ہے، اور عدم علم عین موت ہے۔ جو لوگ حیات کو صفات الٰہیہ میں سب سے بڑی صفت کہتے ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ غائب کا قیاس حاضر پر باطل ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ انا کا علم حضوری ہے اور تحقق اور تقرر کی مانند ہے۔ اگر وُہ زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے اور حیات اس علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار کا نام ہے۔ جب ان امور کی نسبت جو موت وحیات کے قابل ہوں قیاس کیا جائے۔

کسی شخص نے آپ کی خدمت میں ایک صوفی کا یہ قول نقل کیا کہ وہ کہتا ہے۔

"اقرب الطریق الی اللہ رؤیۃ الامارد" آپ نے فرمایا شاید اس کی مراد یہ ہو کہ وہ تمام محسوسات میں سے زیادہ واضح ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ امارد کی ہئیت سب سے زیادہ مناسب ہے اور نفس کی رغبت ان کی طرف زیادہ ہے۔ اس اعتبار سے ان میں رؤیت حق زیادہ آسان ہوگی۔ اور جن مشائخ نے اس کی قباحت بیان کی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کو دیکھنا سالک کو عالم شہادت میں بند کر دیتا ہے۔ پس وہ جمالِ حقیقی پر مطلع نہیں ہوتا اور دوسری آفات پر بھی احتمال ہے پھر مسکرا کر فرمایا کہ امارد میں خون جمال کی صورت میں جلوہ ریز ہوا ہے۔ اگر ان کے خون کو نکال دیا جائے تو کوئی شخص ان کی طرف التفات نہ کرے۔ اہلِ شہود کی مثال عینک کے واسطہ سے کتاب دیکھنے والے کی طرح ہے۔ اس کی نظر اور التفات عینک کی طرف بالکل نہیں وہ صرف کتاب کو دیکھتا ہے۔ مگر یہ کہ عینک کے آگے پردہ ہو اور کوئی شخص عینک کے آگے ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف ہو جاتی ہے۔

اہلِ شہود خوبصورت عورتوں، حوروں اور امارد کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر ان سے متجاوز ہو کر منتہیٰ حقیقی جل جلالہٗ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے اور جو شخص محجوب ہوتا ہے وہ خوبصورت عورت کی طرف رغبت کرتا ہے اور بدصورت عورت سے اعراض کرتا ہے اور عارف کے نزدیک دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اسی طرح اہلِ شہود سرود کے سماع سے لطف اندوز نہیں ہوتے کیونکہ سرود کا فاصلہ کہنے والے کے منہ اور سننے والے کے کان تک محدود ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اگر گانے والا جہیر الصوت ہو تو ایک تیر کے فاصلے تک پہنچ جاتی ہے اور بس۔ اور یہ عارفین کی قوم اس قسم کے امور سے گزر کر منتہیٰ حقیقی تک پہنچ چکی ہے۔

فرماتے تھے کہ ولایتِ عامہ کے بہت سے متفاوت مراتب ہیں جیسے تقویٰ، ریاضت، وحدت شہودی بہ نسبت اس شخص کے جو ذاتِ حق کی سرایت اور اس کے مظاہر پر احاطہ سے آگاہ نہیں ہوا۔ اور مثل عاشقیت اور معشوقیت کہ یہ اہلِ ولایت عامہ کے خواص کا مقام ہے۔ ولایت خاصہ سے نہیں ہے۔ ولایتِ خاصہ ذاتِ واحد بسیط تک وصول کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شہود عاشقیت و معشوقیت سے بلند تر ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ظاہر ہے۔ محجوبین نے احادیث کے بعض الفاظ سے موسیٰ علیہ السلام کے محب اور حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونے کو استنباط کیا ہے لیکن حقیقت الامر وہی ہے جو کہی گئی ہے۔

فرماتے تھے کہ کبھی کلمہ لاالٰہ الااللہ کی تکرار یا ایک قسم کے جذبہ سے توحید شہودی کا تصور حاصل ہوتا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ عین القضاۃ ہمدانی کی اس شطح کہ۔

"آں را کہ شما خدا مید انید نزدیک ما محمد است صلی اللہ علیہ وسلم وآنکہ شما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مید انید نزدیک ما خدا است" (جسے تم خدا جانتے ہو ہمارے نزدیک وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے) کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے آئینہ اور اس کے مظہر اتم ہیں اور حقیقت محمدیہ تعین اول، جامع تعینات اور مظاہر ہے اور تمام کائنات انکے نور سے ظہور پذیر ہوتی ہے اس اعتبار سے اس نے یہ بات کہی ہے۔ ورنہ حضرت وجود تو ہر ذرہ میں یکساں جلوہ گر ہے اور وحدت معنی کے باوجود تکرار لفظ محض تفنن عبارت ہے۔

فرماتے تھے فنائے نفس یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی جناب سے غفلت کے ہوتے ہوئے اپنے نفس کا شعور نہ ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ قصاب جب گوشت کاٹنے میں مشغول ہوتا ہے اور نانبائی روٹی پکانے میں مشغول ہوتا ہے تو اسے اس حالت میں اپنا شعور نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے کہ جو جذبہ شیخ کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ضعیف القلب اور قوی القلب برابر ہیں۔ مزاج کی صحت، محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ انسان کی روح میں وہ قوت ہے جو لوح مغیبات ہے۔ جب نبی وہاں سے علوم اخذ کرتا ہے تو فرشتہ وحی کا توسط وہاں نہیں ہوتا ہے بعض متکلمین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جب ولی وہاں پہنچتا ہے تو فرشتہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیند کے وقت کبھی انسان کی روح اس قوت کے ساتھ پیوستہ ہو جاتی ہے۔ بس اس سے کسی چیز پر مطلع ہو جاتی ہے بس اگر اس معنی کے خیال کو مناسب تغیر نہ دے تو جیسا اس نے دیکھا اسی طرح وقوع پذیر ہوتا ہے اور اسے کشف مجرب کہتے ہیں اور اگر مناسب صورت میں تبدیل کیا تو جیسا کہ وہ علم کے خیال میں مشغول ہوا تو یہ کسی مشروب کی صورت میں متمثل ہوا یا رمضان میں اذان فجر میں اس کی روح مشغول ہوئی تو لوگوں کے کھانے پینے اور شرمگاہوں پر مہر لگانے کی صورت میں متمثل ہوئی

تو اس کی تعبیر اور تاویل کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے کشف مخیل کہتے ہیں۔ کبھی سونے والے کی روح عالم خیال میں پہنچ جاتی ہے مگر اس قوت سے نہیں پہنچتی۔ پس وہ مخزونہ خیالیہ کو دیکھتا ہے بعض اوقات یہ اشکال غلبۂ اخلاط کی وجہ سے متشکل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ بلغمی مزاج جب نیند میں پہلے پانی پی لے تو وہ بخارات دیکھتا ہے اور گرم مزاج شخص جب بینگن کھاتا ہے تو خواب میں وہ آگ جلتی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ تمام لایعنی قسم کے خواب ہیں۔ ان کی کوئی تعبیر نہیں اور ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرنی چاہیئے۔ اور تعبیر کرنے والے کو چاہیئے کہ خواب دیکھنے کا وقت مثلاً آدھی رات یا صبح ہو اور اس تعبیر کرنے والے کے پاس خواب کو بیان کرنے کا وقت اور خواب دیکھنے والے کی حالت کہ وہ برہمی مزاج کا شکار تھا یا نہیں۔ خوفزدہ تھا یا نہیں وغیرہ امور کی اچھی طرح احتیاط کرے۔ بعض اوقات ان شرائط کے عدم وجود کے باوجود اس قسم کی قوت قدسیہ حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ کفار کے لئے احتیاط کی جاتی ہے۔

علم تعبیر رویا کتاب وسنت سے مستنبط ہے۔ اس فن میں بڑی عمدہ کتابیں ہیں اور بڑے بڑے ائمہ نے جیسے جعفر صادق۔ ابن سیرین ایسے ائمہ کبار ہو گزرے ہیں۔

اس فن میں ماہر خواب دیکھنے والے کی اس خواب کو بیان کر دیتا ہے جسے قوتِ عاقلہ کی کمزوری یا قوتِ قدسیہ میں علوم و اخبار کے ازدحام سے اشتباہ کی وجہ سے اگرچہ وہ اسے بھلا چکا ہو۔ ان کلمات کے ضمن میں فرماتے تھے کہ آدمی کی روح بعض اوقات خواب میں بعض مغیبات کے مطالعہ کے لئے جدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کے لئے رجوع کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور وہ اضطراب کرتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جن بیٹھ گیا ہے۔ پھر فرمایا میں بعض اوقات مراقبہ میں ایسا گم ہو جاتا ہوں کہ ہوش میں آنا دشوار ہو جاتا ہے۔ فرماتے تھے درحقیقت ذات کے لئے قرب و معیت اور احاطہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دوائی مقتضا ہیں اور ایک قسم کی مسافت پائی جاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ نے محجوبین کو سمجھانے کے لئے جو دور دور خیال کرتے ہیں عرش کی جہت بیان کی۔ پھر آپ نے فرمایا ان الفاظ سے مراد وہ قرب معیت اور احاطہ ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے یعنی ان صورتوں میں وہ جلوہ ریز ہے۔

صوفیاء کے ایک گروہ کے اس قول کہ "النقصان مقتضی استعدادات الماہیات" نقصان

استعداد ماہیات کا تقاضا کرتا ہے کے بیان میں فرمایا لیکن ان ماہیات کا مستقل وجود ہے تاکہ ان کا اقتضا ہو۔ اور اگر اقتضا حضرت وجود کا ہے تو ان ماہیات کی نسبت کا کیا مفہوم ہے۔ درحقیقت کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہ سب لوگوں کی نظر کا فریب ہے اور بس۔

فرماتے تھے کہ تمام علوم۔ علوم توحید کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے آٹے میں بھوسی۔ اور علم توحید وصول و شہود کی نسبت سے آٹے اور مغز کی نسبت ہے۔ وصول سے پہلے علم توحید میں مشغولیت مزہ نہیں دیتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ نکاح کرنے والا مشاطہ کے اقوال اور اس کی حکایات کی طرف التفات نہیں کرتا۔ صوفیاء کے اقوال کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے محلہ میں ایک قصہ گو رات کو اپنی طرف سے قصے گھڑتا اور صبح کے وقت لوگوں سے بیان کر دیتا۔

فرماتے تھے کہ اولیاء اللہ کے انکار کے اسباب میں سے سب سے بڑے اسباب یہ ہیں۔ شرکت مکان ہے کہ ایک ولی کے ساتھ ایک ہی شہر اور ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں اور شرکت زماں ہے کہ اس کے ہمعصر ہوتے ہیں اور شرکت نسبت ہے کہ وہ ولی بھائی بندوں سے ہوتا ہے اور عوام غالباً اس شخص کے معتقد ہوتے ہیں جس کے خدام بہت ہوں اور عبادت زیادہ کرتا ہو۔ اگرچہ ریا اور دکھاوا ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی اصلیت کی طرف نظر کی جاتے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ فرمایا کہ ایک صحابیؓ اس کے پیچھے گیا اور بڑی جستجو کی اسے اس کے نوافل کثیرہ نہ ملے اس سے حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا اگر زمین سے آسمان تک جواہر درہم و دینار بھر جائیں اور وہ میری ملکیت میں ہوں اور وہ تمام دفعتہً ہلاک ہو جائیں۔ تو مجھے ان کے گم ہونے سے کوئی غم نہ ہو۔ ورنہ ہی ان کی موجودگی سے خوش ہوں حاصل کلام یہ کہ مقصود تو دل سے ماسوا کا نکال دینا ہے۔ اگر یہ صفت حاصل ہو گئی تو عبادت تھوڑی بھی زیادہ نفع دیتی ہے۔

حدیث "قلوب بنی آدم تلین فی الشتاء (انسانوں کے دل موسم سرما میں نرم ہو جاتے ہیں)" کے معنی کے بیان میں فرمایا۔ انسان کا ظاہری جسم سردیوں میں سرد ہو جاتا ہے اور اس کا باطن گرم ہوتا ہے اور موسم گرما میں اس کے برعکس ہوتا ہے اور جب اس صنوبری دل کی چربی

پگھل جاتی ہے اور قلب معنوی کو صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بھوک کی زیادتی اور ذکر بالجہر سے یہ چربی پگھل جاتی ہے۔ شکم سیر کھانا، غصہ اور شہوت پیدا کرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ خوارق عادات کا ظہور صرف نشانِ راہ ہے کیونکہ عارف کا مطمح نظر تو شہود وصول ہی ہے مگر وہ جو اس حالت سے نیچے اتر آئے تو اس سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ فرماتے تھے عارف خاتمہ پر نظر نہیں کرتے کیونکہ یہ نقصان ہے اگر وہ ہزار بار یہ ندا سنے کہ میں نے تجھے شقی بنا دیا ہے۔ یا یہ سنے کہ تیرا خاتمہ بخیر ہوگا۔ وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا اور فوری نفع جو کہ جمالِ محبوب ہے دُور کی امیدوں کے سہارے نہیں چھوڑتا۔

فرماتے تھے ملائکہ اور جن جس شکل میں چاہیں متشکل ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت نفس اسی طرح باقی رہتی ہے۔ مثلاً جبرائیل علیہ السلام اپنے مقام پر قائم ہیں اس کے باوجود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں متوجہ ہے۔

اگر کوئی عارف جن کو مسخر کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کی شکل کی طرف ہمت کے ساتھ متوجہ ہو تو وہ اس شکل سے نہیں نکل سکے گا مگر یہ کہ حیلے بہانے کر کے عارف کی توجہ کو منتشر کر دے مثلاً اگر کتے کی شکل میں متمثل ہوا ہے اور عارف اس صورت کی طرف متوجہ ہے تو وہ اس صورت سے نہیں نکل سکتا۔ لیکن کبھی بکری کی صورت کو کتے کی صورت پر ڈال دیتا ہے۔ اگر عارف اس کی طرف متوجہ ہو تو بھی اسے بند کر دیتا ہے لیکن وہ کتے کی صورت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں گیا پس توجہ میں فتور واقع ہو جاتا ہے اور وہ جن دوسری صورت میں نکل جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ سورہ فاتحہ کو اس وضع سے کہ آخر بسملہ کا اول حمدلہ سے ملا کر ایک ہی سانس میں ایک ہفتہ تک اکتالیس بار پڑھے تو بعض عرفاء سے منقول ہے کہ مقاصد حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی۔ فوق کل ذی علم علیم کے متعلق فرماتے تھے کہ علیم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ کثیر العلم کے معنی میں ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں پس استثناء کے مقدر کئے بغیر معنی درست ہوئے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ شہود وحدت کے اوپر کوئی مقام اور علم نہیں ہے اور اس آیت کا

تقاضا ہے کہ ہر علم کے اوپر علم ہے اور یہ لا متناہی سلسلہ ہے۔ شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں استثناء مقدر ہے یعنی التوحید الذاتی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے اور شہود اور وحدت توحید ذاتی کے اوپر اسی کی ذات ہے۔ اگرچہ بندہ کیلئے مزید ترقی ممتنع ہے۔

شیخ جنید بغدادی کے قول طارت العبارات الخ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ طارت العبارات کیونکہ وہ ظاہر اعمال ہیں اور فنیت الاشارات یعنی وہ جو ظاہر کے متعلق اور باطن سے خالی ہیں۔ وما ینفعنا نوافل العبادات یعنی مکمل نفع نوافل سے ظاہر نہیں ہوا۔ الا رکعات خفیفۃ صلیناھا فی جوف اللیل۔ یعنی ہم نے راحت چھوڑ دی اور محنت و مشقت اختیار کی تو ہمیں وصول بحق سبحانہ وتعالیٰ حاصل ہوا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ زبانی عبارتوں اور اشاروں پر اکتفا نہیں کرنا چاہئیے۔ جناب اقدس میں مکمل خشوع کے ساتھ توجہ ضروری ہے خصوصاً ایسے اوقات میں جبکہ کوئی مانع مخل نہ ہو یہاں تک کہ حضور اور مشاہدہ دائمی ہو جائے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ فقیر کے نزدیک اس کے ظاہر پر محمول ہے۔ معیت و جذب کی راہ اگرچہ بذاتِ خود بڑا عمل ہے لیکن ثواب اور درجات صرف طاعات کا ثمرہ ہیں۔

حدیث الروح ملک له سبعون الف وجه کے بیان میں فرماتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد روح الارواح ہو کیونکہ وہ جوہرِ ملکی ہے بعض اوقات اسے ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے کاتب حروف کہتا ہے کہ روح الارواح سے مراد تجلی ہے جو حظیرۃ القدس ہے اور ہم ارواح اس کے گرد جسم معنی کے گرد روشنی کی مانند ہیں یا ہم کہتے ہیں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے کہ تمام روحیں اس سے پھوٹتی ہیں۔

لطائف ستہ کی تحقیق میں فرماتے تھے کہ روح کے اختلاف عبارت سے مختلف نام ہیں۔ اس لئے ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کے حکم میں ہے۔

حدیث ثعلبی جو تفسیر میں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دعا کی۔ اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیراً من اھلی۔ اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرے معاملہ کو آسان فرما دے اور میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر بنا، کے بیان میں فرماتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ

واجعل لی وزیرا خامسا من اھلی (میرے لئے پانچواں وزیر میرے اہل سے بنا) کیونکہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم اور دو فرشتے یعنی جبرائیل ومیکائیل پہلے ہی آپ کے وزراء تھے ــــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر سئل رایت ربک ؟ قال ما کنت اعبد ربا لم اراہ فقال السائل کیف رأیتہ. فقال لم تروہ العیون بمشاھدۃ العیان ولکن راتہ القلوب بحقائق الایقان (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے فرمایا میں نے کبھی دیکھے بغیر اپنے رب کی عبادت نہیں کی سائل نے پوچھا آپ نے اسے کیسے دیکھا ؟ فرمایا اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن قلوب نے یقین کے ساتھ دیکھا) کے متعلق کاتبِ حروف کہتا ہے کہ اس توجیہہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں اس طریقے سے رؤیت جو پہلے سے مقرر ہے کے منافی نہیں ہے۔ عیون سے مراد ایسی عیون ہیں جو جہت اور الوان کی متقاضی ہوں مطلقاً عیون مراد نہیں ہے۔ فرماتے تھے یعنی دنیاوی آنکھیں جو جہت والوان اور اشکال کی متقاضی ہیں۔ انہوں نے اسے نہیں دیکھا بلکہ وہ حق الیقین کے ساتھ دیکھا گیا پھر فرمایا علم الیقین یہ ہے کہ دھواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود پر استدلال کیا جائے۔ اور عین الیقین یہ ہے کہ خود آگ کو دیکھا جائے۔ اور حق الیقین آگ کا علم ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ مشاہدہ عین الیقین میں ہوتا ہے۔ اور وصول اور شہود حق الیقین میں ہے۔ لیکن سننے اور کتابوں کے مطالعہ سے اسرار کی معرفت علم یقین نہیں ہے۔ علم یقین یہ ہے کہ کشف حجابات پر اس طرح غالب آجائے کہ شک کا احتمال نہ رہے۔ ہاں یقین عرفی جو اطمینان قلب ہے۔ اس طرح کے امور سے حاصل ہو جاتا ہے۔

صوفیاء کے اس قول کہ "العارف لا ھمۃ لہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ عارف کی توجہ اظہار خوارق کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہ قدرت حق کی طرف اور اس کے حکم کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر بحکم وقت اس کے قصد وارادہ کے بغیر خوارق کے ساتھ اس میں جلوہ ریز ہوتا ہے تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن عارف کامل کو یہ قدرت دی گئی ہے کہ جب چاہے قہر وغضب کا اظہار کرے جیسا کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ عارف کامل کے گھر میں سواری کی حالت میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اسے کہا کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ اس نے تکبر کیا اور کہا ہم نے بہت سے

فقراء کو دیکھا ہے کسی شخص میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ عارف کو غیرت آئی۔ اس کی طرف غضب ناک ہو کر دیکھا اسی وقت اس کے گھوڑے نے سرکشی کی اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور بادشاہ زمین پر گر پڑا۔ عارف نے کہا یہ کام ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ فقراء کو حقیر نہ سمجھیں لیکن بعض کاملین باوجود قدرت کے اس قسم کے امور کی طرف التفات نہیں کرتے چنانچہ شیخ فریدالدین عطار، عین القضاء اور حسین ابن منصور سے حکایت کی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی قضا و قدر پر خوش ہوتے ہیں اور اس میں تصرف نہیں چاہتے تھے۔ شیخ عطار نے اپنے قاتل سے کہا۔ اے ترک زادے! میں تجھے خوب پہچانتا ہوں خواہ کسی روپ میں آؤ۔ اور اپنا سر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے کاٹ دیا۔ ان امور سے خوفزدہ ہونا نقصان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہاں نزل کے وقت مظاہر قہر کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

فرماتے تھے کہ تجلی ذاتی میں علمی ذہنی یا وہمی وجود سے نہیں بلکہ انوار موجودہ بوجود خارجی سے مشاہدہ ضروری ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد یہاں ظہور کمال تدلی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ بکہ آگ کی صورت میں تجلی وقوع پذیر ہوئی۔

فرماتے تھے جو شخص یہ کہتا ہے کہ فنا سے مراد نفی غیریت ہے اور بقاء سے مراد اثبات عینیت ہے۔ اس نے دلیل و کلام کی رُو سے فاش غلطی کی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پانچ لڑکے گھر میں ہوں اور وہ خود تنہا سفر کر رہا ہو۔ اس حالت میں دو چور اس کے سر پر آن کھڑے ہوں اور وہ اپنے لڑکوں کو یاد کرتا ہے اور زبان سے کہتا ہے۔ کہ اے بیٹو! آؤ اور اس چور کو دور کرو۔ یہ حضور وہمی اسے چوروں سے نہیں چھڑا سکتا اور نہ ہی خوف و ڈر سے نجات دلا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو اور وہ پانی کی حقیقت اور برودت یعنی پیاس دُور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کرنا وغیرہ پانی کے اوصاف سمجھ لے لیکن پانی پینا اسے میسر نہ آئے تو اس کی پیاس قطعاً نہیں بجھ سکتی اور اگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے کسی شخص کو مٹھائی کھانے کی ضرورت ہو مگر اسے کبھی نہ دیکھا ہو لیکن اس کی مٹھاس کی کیفیت اور اس کے اوصاف و تاثیرات سنے ہوئے ہوں اور مٹھاس کے اوصاف بیان کرنے میں اپنے تمام ساتھیوں سے فائق ہو تو بھی اسے ان تمام باتوں سے کوئی نفع نہیں۔ اسی طرح وہ شخص جس نے توحید رسمی پر اکتفا کیا اور شرک خفی کا اثر ابھی اس کے دل میں باقی ہے تو اسے کوئی نفع نہیں ہو گا۔

پھر فرمایا مذکورہ تجلیات کے آثار وصول رسمی کے ساتھ نہیں بلکہ وصول شہودی کے ساتھ ہی حاصل ہوتے ہیں حسین بن منصور کا ہاتھ کاٹ دیا اور وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی ہر انگلی سے انا الحق کی آواز آتی تھی۔ اسے سولی پر لٹکا دیا گیا اور وہ انا الحق کہتا تھا اسے جلا دیا گیا اس کی راکھ سے انا الحق کی آواز ابھرتی تھی۔ تین روز کے بعد راکھ کو دریا میں پھینک دیا۔ وہاں سے انا الحق کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ اس نے توحیدِ رسمی پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ توحید حالی سے مشرف ہوا تھا۔ پھر فرمایا توحید حالی کے آثار ہیں۔ توحید ذاتی میں انوارِ موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ ظہور۔ نورِ ازلی کی رویت اور اسی چیز کا ظہور ہے جو کچھ حسین بن منصور سے ظہور پذیر ہوا۔ اور توحید صفائی میں خشوع و خضوع اور انس و سرور ہوتا ہے۔ توحید افعالی میں توکل اور مدح و ذم کا برابر ہونا ہے۔

فرماتے تھے کہ واصل بحق مجذوب سے غالباً خوارق عادات اور کشف صادر نہیں ہوتا کیونکہ وہ وحدت ذاتیہ میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں ہوتی بخلاف سالک کے۔ وہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ مجذوب کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو ایک شہر سے دوسرے شہر اونٹ کے ہودج میں بیٹھا کر لے جائیں اور اس طرح وادیوں اور راستوں کو اسی طرح طے کریں۔ اگر اس سے کسی اس بستی کے متعلق سوال کریں جس کے پاس سے وہ گزرا تھا تو اسے کچھ علم نہیں ہوگا۔ بخلاف سالک کے کہ وہ ہر مقام کو بالتفصیل جانتا ہے۔

پھر فرمایا واصل بحق مجذوب اگر کشفِ کائنات چاہتا ہو تو اسے راہِ سلوک طے کرنا چاہیئے اور اگر کوئی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے تو اس سے معرفت ذات وصفات کے متعلق استفسار کرنا چاہیئے تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے۔ ورنہ جھوٹے مدعیان شیخوخیت نے اپنی دکان چمکانے کے لئے اس بات کو نوک زبان کر رکھا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کرامات تو معمولی چیز ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ ہاں یہ بات عرفا کاملین کے حق میں تو بالکل درست ہے لیکن ان جہلا کو معرفت ذات وصفات اور توحید حالی کے شیونات کا کوئی علم نہیں ان کی طرف سے یہ دعویٰ ناقابل التفات ہے۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی صاحب تسویہ کے مشرب کی تحقیق میں فرماتے تھے کہ انھوں نے

ذات سے مبداء قائم بذاتہ متقوم بشیوناتہ مراد نہیں لیا بلکہ ان کی مراد ماہیتہ ہے جو کہ معقولات ثانیہ سے ہے۔ اسی طرح وجود سے انکی مراد معنی مصدری ہے جو کہ کون وحصول ہے اور تسویہ میں یہ جو کہا ہے کہ ذات الحق لفظ معقول ہے۔ تو یہ محسوس کے مقابلہ میں ہے موجود کے مقابلہ میں نہیں ہے چنانچہ شیخ الرئیس نے شفا میں لکھا ہے کہ معقول موجود کا منافی نہیں ہے چنانچہ ملا جلال دوانی نے بھی تہذیب کے حاشیہ پر یہی بات نقل کی ہے۔ اور اگر ہم اسے موجود کا مقابل کہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معدوم مطلق ہو۔ بلکہ اس سے جو چیز لازم آتی ہے وہ موجود بنفسہ لنفسہ ہے اور یہ بات درست ہے اور موجود یہی ہے پس ان کی اصطلاح میں لفظ معقول موجود بنفسہ لنفسہ کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات کے تیسرے باب میں لفظ معقول استعمال کیا ہے۔ اور اس لفظ سے یہی مراد لیا ہے جو دلیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے پس لفظ معقول اگرچہ ان کی اصطلاح میں موجود بنفسہ لنفسہ کے لئے موضوع ہے لیکن موجود من غیر من خلق الغیر ہے حضرت محب اللہ قدس سرہٗ نے تسویہ میں شیخ اکبر کی اتباع میں یہ لفظ معقول استعمال کیا ہے۔ اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی قدس سرہٗ کی ہے جسے میں نے شبہ کے ازالہ کے لئے لکھا ہے۔ معقول محض۔ ماہیت محضہ اور وجود محض جیسا کہ زید کی ذات حیوان ناطق ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کا وجود افراد کے ضمن میں ہی پایا جاتا ہے ان سے الگ کوئی وجود نہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ افراد الانسان من زیدا۔ عمرو بکر وخالد ینتزع منھم مابہ اشتراکھم وھو الحیوان الناطق الذی ھو من المعقولات الثانیۃ فکذالک ینتزع من الشیونات وجود الحق دافراد و انسان زید عمر و بکر و خالد سے جس طرح قدر مشترک یعنی حیوان ناطق کو حاصل کیا جاتا ہے جو کہ معقولات ثانیہ میں سے ہے۔ اسی طرح شیونات سے وجود حق کو اخذ کیا جاتا ہے اور یہ صریح کفر ہے۔ کیونکہ مظاہر کا وجود قیوم جل جلالہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مظاہر مثال کے طور پر اس کے یوں محتاج ہوتے ہیں جیسے شمع سے بنی ہوئی صورتیں اس شمع کی محتاج ہوتی ہیں۔ اور جو موجود و مشہود ہے وہ تو ذات حق جل شانہٗ ہے۔ اور خلق کی حیثیت طلسم معقول کی سی ہے۔ کیونکہ عالم تو اس کی فانی اشکال اور اطوار موجودات کا نام ہے اور

حق حضرت وجود کا نام ہے اور یہ ان کے اپنے اس قول کے مطابق کہ حق معقول محض ہے۔ اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ عقل اس کی حقیقت کی تہہ کو پہنچ سکتی ہے تو یہ قول باطل ہے کیونکہ واجب کی کنہ کا کوئی عقل ادراک نہیں کر سکتی اور اگر اس سے مراد معقولات ثانیہ ہیں جیسا کہ سیاق وسباق اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی صریح کفر ہے جو کہ دہریوں کے باطل مذہب کی طرف جاتا تھا اور اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبرؒ کی ہے کہ "ذات بحت اعتبار لابقین معقول محض ہے کیونکہ اس کا کمالات سے خالی ہونا اور اس کا عدم لقین عقلی مفروضے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ مظاہر فانیہ میں بھی موجود حضرت حق ہی ہے لیکن یہ مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اس کے محتاج ادر حقیقت میں ذات اور اس کے اعتبارات ومعانی اسی کے مقرر کردہ ہیں یا اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ذات حق محجوبین کے احساس سے بلند ہے تو یہ بات درست ہے لیکن ان کی خود اپنی تصریحات اس مراد کے خلاف ہیں۔ ان کے خطبہ کے آغاز سے ہی احتیاج حق ظاہر ہوتا ہے جہاں کہ وہ فرماتے ہیں الحمد للہ لمن وجد بکل ماوجد (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام موجودات میں موجود ہے) اور یوں نہیں کہا۔ الحمد لمن وجد بہ کل ما وجد (تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں کہ تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے) فرماتے تھے کہ حق حضرتِ وجود کا نام ہے جو خارج میں مشہود ہے اور اپنی حقیقت کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا کہ پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے اختلاف کے باوجود اپنی اصلیت پر باقی ہوتا ہے۔ اور عالم وجود کے اطوار شیونات اور اس کی فانی شکلوں اور صورتوں کا نام ہے جو ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہوتی ہیں۔ پس کفر وفسق اور نجاستیں وغیرہ اگرچہ فی ذاتہٖ کمالات ہیں۔ لیکن ان کا حضرتِ وجود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اوصاف عالم ہیں۔ اگرچہ قیوم کل حضرت حق ہے۔ کیونکہ اگر کفر ومعاصی کا وہ قیوم نہ ہو تو ان کا وجود کہاں سے آئیگا۔ اسی طرح تولد وتولید بھی اوصافِ عالم سے ہیں۔ یعنی یہ بدلنے والی شکلیں اور صورتیں حضرتِ وجود کے اوصاف میں سے نہیں ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے تعینات اور اوصاف امورِ اعتباری ہیں۔ کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات ونسبتیں ہیں اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود ان تمام سے منزہ ہے فرماتے تھے کہ خواہ مخواہ کے عارف کا کلام دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف عارف کے۔

کلام کے۔ عارف اور متصرف کے نزاع کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے مباہلہ کے مسئلہ میں موجود ہے متصرف میں یہ طاقت نہیں کہ عارف کے ساتھ مکالمہ کرے۔ بلکہ اس سے گریزاں رہتا ہے۔

فرماتے تھے کہ مکاشفہ کا طریقہ یہ ہے کہ حجابات دُور کر دیئے جائیں اور اس کا منبع محبت ذاتیہ ہے کہ دونوں جہانوں کو اس حد تک ترک کر دے کہ ملوک و اغنیاء اور تمام دنیا کے لوگ کتوں، خنزیروں اور شیطانوں کے بھائیوں کی مانند اسے دکھائی دیں۔ اسی وقت حق تعالےٰ اپنی ذاتی محبت اس کے دل میں ڈالتا ہے اور فنا کی مبادیات لوگوں سے تنہائی و وحشت ہے۔ اور راتوں کو مراقبہ کے ساتھ زندہ رکھنا ہے پھر اپنے آپ سے فانی اور خدا کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کثرت مشاہدہ، وحدت کے لئے رکاوٹ نہیں ہوتا اور جلوت، خلوت ہو جاتی ہے۔ جیسے بیداری اور چشم بصیرت عنایت ازلیہ کے سرمہ سے سرگیں ہو جاتی ہے۔ "تاریکِ عقل کی غایت ادراک یہ ہے کہ مصنوعات کیلئے کسی صانع کامل کی ضرورت ہے لیکن وہ ذات وصفات اور شیونات ذات کو کیا پہچانے گا۔

فرماتے تھے جاہل صوفیاء صوفیاء محققین کے معنی کو نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ حق کا ظہور مظاہر میں سورج کے کائنات میں ظہور کی مانند بازید کے وجود کا مختلف آئینوں میں ظہور کی مانند ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جزئی محدود جو کہ مظاہر سے جُدا ہے کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

حاشا اللہ عن ذالک۔ ہاں بعض اسلاف نے مبتدیوں کو سمجھانے کے لئے اس قسم کی مثالیں دی ہیں۔ خدا تعالےٰ کی بہ نسبت عالم کا سایہ ہونا شئی کا مرتبہ ثانیہ میں ظہور کے معنے میں ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں جیسے دیوار پر درخت کا سایہ پڑتا ہے، تعالیٰ اللہ عن ذالک۔ مشہور شعر ؎

چوں تو فانی شدی ز ذکر بذکر ذکر خفیہ کہ گفتہ اند آنست

(جب تو ذکر کے ذریعہ ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکر خفی ہے) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ فانی کے لئے امکان کے پردے پوشیدہ ہو جاتے ہیں لہذا اس کا نام ذکر خفی رکھا گیا فرماتے تھے کہ اہلِ شہود سانپ، بچھو، شیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے اسی لئے بعض اکابر نے خود کو آزمایا اور ایسے جنگل میں جہاں درندے بہت تھے اور آب و دانہ میسّر

ہیں تھا جا ٹھہرے۔ جب ان کے دل میں کوئی خوف پیدا نہ ہوا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ کامل ہیں۔
کاتب حروف کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے ان کا نہ ڈرنا اس وقت ہوتا ہے جب یہ عالم کثرت سے بے خبر ہو کر ذاتِ واحد کی تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ورنہ بعض اوقات عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔

کان الشیخ عبد القادر یحضر مجلسہ الانبیاء والاولیاء (شیخ عبد القادر رض کی مجلس میں انبیاء و اولیاء کا ہجوم ہوتا تھا) کی تشریح میں فرماتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ حقیقت روح جو کہ تمام کائنات جاری و ساری ہے سے واصل تھے۔ پس آپ اسی مرکز ہدایت سے گفتگو کرتے تھے۔ جہاں سے دوسرے انبیاء اولیاء گفتگو کرتے تھے۔ اسی بات کو تسامح کے ساتھ اس طرح تعبیر کیا گیا۔

قولہ تعالیٰ اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ تو شیطان سے اظہار برأت کر اور اس کے شر سے دُور رہ۔ اس وجہ سے کہ تلاوت قرآن کے وقت دل مولیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور دنیا و آخرت سے رُوگرداں ہو، درحقیقت یہی تعوذ مفید ہے۔ اگرچہ الفاظ تعوذ استعمال کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔

خالد بن سنان کے اس قصہ کہ " انہوں نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے چالیس روز بعد انہیں قبر سے نکالا جائے تاکہ وہ عالم برزخ کے متعلق بتا سکیں" کے متعلق فرماتے کہ جو ... مر گیا اور عالم برزخ میں پہنچ گیا اس کا اس ناسوتی جسم کے ساتھ جو کہ قابلِ تجزی و تبعیض اور خرق و التیام ہے۔ دوبارہ آنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کا مثالی بدن کے ساتھ جو کہ قابل تجزی اور خرق و التیام نہیں ہے۔ واپس آنا جائز ہے جسد ارواح۔ روح اجساد۔ شخص اعمال۔ اطلاق اور ظہورِ معانی مختلف صورتوں میں ذوات مجردہ جسمانی اشباح میں آ سکتی ہیں۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں متشکل ہونا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی متشکل روحیں اور مشاہدہ خضر علیہ السلام وغیرہ۔ یہ تمام عالم مثال کی نیرنگیاں ہیں۔ اس دنیا میں نفوس کاملہ مختلف اشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں تو عالم برزخ میں بطریق اولیٰ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ قوت حجابات بدنی کے ارتفاع کی وجہ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ پس خالد بن سنان کی مراد بدن مثالی کے ساتھ رجوع ہے۔

جسم عنصری کے ساتھ نہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدن عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت ہے جس کے باطل ہونے پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ بعید نہیں کہ یہ کلام اپنے کلام پر محمول ہو۔ عارف میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ تدلیات ارواح کو ان کی مثالی صورتوں میں لانے کے لئے اپنے مقام سے نزول کرے ان تدلیات کی مثال ان صورتوں کی طرح ہے جو نیند کی حالت میں متخیلہ میں آجاتی ہیں۔ چونکہ آنجناب (شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ) کو عالم ارواح میں مکمل تمکین حاصل تھا۔ اس لئے تدلیات ارواح انبیاء و اولیاء اپنے آپ وجود مثالی سے آپ پر نزول کرتی تھیں۔

فرماتے تھے آج سے پہلے سال پہلے الہام کیا گیا کہ اگر ہماری رحمت کی امید پر نماز ادا کرتا ہے تو تجھ پر رحمت کی۔ اور اگر ہماری رضا کا متلاشی ہے تو ہم تجھ سے راضی ہو گئے ہیں نے عرض کی خداوندا! میرا مقصد تو تعمیل ارشاد ہے اور بس لیکن اب دوسرا معاملہ ہے۔ پھر فرمایا۔

"الصوفیة عبد الظواهر واحرار البواطن"

فرماتے تھے اہلِ شہود عبادت کے مکلف نہیں لیکن خدا تعالیٰ ان پر عبودیت قائم رکھتا ہے۔ اور چونکہ یہ نفس بلکہ روح سے بھی نجات حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے زنا، شراب نوشی ایسی برائیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی مگر شاذ و نادر کا کچھ اعتبار نہیں۔

صوفیاء کے قول القید کفر ولو کان باللہ کی تاویل میں فرماتے تھے کہ عبودیت دوئی کا مقتضی ہے۔ لہٰذا اہلِ شہود کی عبادت حق سبحانہ کی اقامت اور اس کے تصرف سے ہوتی ہے۔ پس عبودیت کی قید کے ساتھ عبادت کفر ایک حقیقت ہے۔ اور اسی کی تاویل صوفیاء کے اس قول محبة اللہ راس کل خطیئة میں بھی جاری ہے کیونکہ محبت، محب اور محبوب کی مقتضی ہے۔ اور دوئی تمام خطاؤں سے بڑھ کر خطا ہے۔ لہٰذا جو شخص تمام خطاؤں سے گزر جاتا ہے وہ خدا کی محبت کو پہنچ جاتا ہے اور جب اس محبت سے تجاوز کر جاتا ہے تو مرتبۂ شہود کو حاصل کر لیتا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبادت عارف اور مبتدی دونوں کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مراتب اخلاص میں فرق ہے۔ پہلا مرتبہ حضور، ترکِ ریا اور شہرت اور فخر کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کے بعد جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف کے بغیر محبت ذاتیہ کے ساتھ عبادت

لرنے کا درجہ ہے۔ اس کے بعد اپنی قوت وطاقت کے ساتھ نہیں۔ بلکہ اللہ کی قوت وطاقت کے ساتھ عبادت کرنے کا درجہ ومقام ہے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ دقیق مرتبہ عبادت ہے جو عوام کی سمجھ سے بالا ہے حاصل کلام یہ کہ حضرت والا کا اشارہ ان مراتب کی طرف ہے۔ معاذ اللہ عبادات کے معاملہ میں تساہل مراد نہیں۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت والا شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخری عمر تک آپ سے کوئی ادب اور سنت ترک نہیں ہوا۔ اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کا ظاہری اعمال کو ادا کرنا خیریت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کا فریضہ ہے جس کی اقتداء کی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ خیریت سے ان کی مراد وہ معنی ہیں جو انبیاء میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

پیر ہرات کے قول ؎

از نفی در اثبات بر دل صحرائے ست کیں طائفہ را دراں میاں سودائے ست
اے دوست چو عاشقے دراں جا برسد نہ نفی نہ اثبات نہ مو را جائے ست

(نفی واثبات سے آگے ایک صحرا ہے جس میں یہ گروہ سرگرداں ہے اے دوست! جب کوئی عاشق وہاں پہنچتا ہے تو نفی واثبات تو کجا ایک بال کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ اصل شہود یہ ہے کہ ثبات کا ثبوت اس طرح ہو کہ مثبت اور مثبت ایک ہو جائے عشق عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں یہاں جب وصل کی گنجائش نہیں تو ہجر کیسے سما سکتا ہے اور اہل سلوک کے ہاں نفی، در اصل توہم غیریت کے لئے نفی ہوتی ہے۔ جب یہ وہم منتفی ہو گیا تو عین کی نفی ثابت ہو گئی اور لفظ "نہ مو را جائے است" بساطت اور صرافت ذات سے کنایہ ہے۔

خواجہ نقشبند نے بعض اسلاف کا جو یہ قول "توحید کوچہ تنگ است" نقل کیا ہے کے بیان میں فرماتے تھے کہ جس وقت عارف کی نظر سے جمع کثیرہ صفاتیہ، اسمائیہ پوشیدہ ہو جاتی ہیں اور وحدت ذات کے سوا کسی چیز کا مطالعہ نہیں کرتا پس یہ کوچہ تنگ ہے۔ لیکن بقاء کے بعد جب اسے وحدت میں کثرت اسماء وصفات میسر آتا ہے تو اس جگہ عظیم وسعت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ محض وحدت پر اکتفا کرنا کمال نہیں بلکہ کمال توحید عین وحدت میں کثرت کا مطالعہ ہے۔

بعض صوفیاء کے قول حقیقۃ الواجب اظہر الاشیاء، اور بعض دوسرے صوفیاء کے قول حقیقۃ الواجب لایدرکہ احد کے بیان میں فرماتے تھے کہ اظہریت اس اعتبار سے ہے

۔ بود وجود مشہود ہے اسی میں وجود حق ہے اور حضرت وجود تمام میں جاری وساری ہے ۔ اور دوسرے تمام امور اعتباری ہیں اور اس کا علم ادراک اس اعتبار سے ہے کہ مخلوقات مرتبۂ مخلوقیت میں اس تک نہیں پہنچ سکتی نبی اسے اپنی نبوت سے نہیں پہچانتا اور نہ ہی ولی اپنی ولایت ۔ زاہد اپنے زہد اور عالم اپنے علم سے پہچانتا ہے لیکن امکانی حجابات اور نفسانی ظلمات کے اٹھ جانے کے بعد وہ خود اپنے نور سے پہچانا جاتا ہے ۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفت ربی لا بنفسی ۔ یہاں ایک دوسرا مفہوم بھی ہے کہ معرفت سے مراد تمام شیونات کے ساتھ اس کی معرفت ہے اور یہ دنیا میں محال ہے ۔ کیونکہ ہر مظہر عین واحد ہے معرفت کل کی طاقت نہیں رکھتا اور تجلی برقی آنی ایک لمحہ سے زائد نہیں ہوتی ۔ اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا ۔

ان اللہ سبعین الف حجاب کی تشریح تعینۂ ذاتیہ کی احدیت کے ساتھ تطابق

ان اللہ سبعین الف حجاب ۔ میں فرماتے تھے کہ مظاہر کے ساتھ ذات وجود کا قرب حقیقی ہے اس کے ساتھ سب سے قریب ترین مثال کلی کا جزئی کے ساتھ قرب ہو سکتی ہے اگرچہ وہ کلیہ اور جزئیہ سے بالاتر ہے ۔ اسی اعتبار سے وہ شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے ۔ حجابات وہمیہ کی کثرت کی وجہ سے اس کا بعد اعتباری ہے ۔ پھر فرمایا کہ حضرت وجود کو مظاہر کے ساتھ نسبت کے اعتبار سے کوئی حجاب نہیں ہے ۔ بلکہ حجاب واجب اور ممکن کے درمیان ہے پس ممکن محجوب ہے کہ صفات تاثریہ قاصریہ سے متصف ہے ۔ اللہ کی طرف وصول جو کہ صفات واجبیہ موثرہ ہے جیسے خالقیت ، رازقیت ۔ بقا ۔ اور قدم وغیرہ سے متصف ہے ۔ کثرت منازل کی وجہ سے صعب الحصول ہے لیکن جو شخص مجذوب ہے اس پر خدا تعالیٰ وصول آسان کر دیتا ہے جیسا کہ دیکھنے والے پر سورج کا دیکھنا آسان کر دیتا ہے باوجودیکہ دیکھنے والے اور سورج کے درمیان جسمانی کثیف حجابات ہیں ۔ یہاں معنوی لطیف حجابات کے سوا کچھ نہیں ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جسمانی اور امکانی حجابات میں محصور ہوگا ۔ اس عدد سے مراد کثرت ہے ۔ تحدید نہیں ہے ۔

خواجہ نقشبند کے قول " پی بسر حقیقت می تواں برد و اما بسر معرفت و علم نمی تواں رسید " کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے جب آفتاب احدیت کو عارف سے طلوع ہوا حقیقت منکشف ہو گئی لیکن سر معرفت و علم تو یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ

محال ہے۔ لوگوں کا صوفیہ کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے سنتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالےٰ وجود مطلق ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اصطلاح میں وجود موجود کے معنی میں ہے۔ اور مطلق سے ان کی مراد یہ ہے کہ ذات حیث الذات میں کوئی اعتبار ماخوذ نہیں ہے، نہ کلیتہ نہ جزیۃ نہ عموم ہے نہ خصوص بلکہ اس میں اطلاق کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔

صوفیاء کے قول "کل نبی ولی ولا عکس" کے بیان میں فرماتے تھے کہ ولایت اصطلاحیہ نبوت کے لئے شرط نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص محبت یا محبوبیت میں ہو اور خدا تعالیٰ اسے نبوت تبلیغ سے سرفراز فرمائے۔ ہاں کامل انبیاء کو ولایت اصطلاحیہ اور نبوت دونوں سے نواز دیتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اولوالعزم پیغمبر علیہم السلام۔

حضرت بایزید کے قول "خضت بحرا ووقف الانبیاء بساحلہ (میں سمندر میں گھس گیا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ انبیاء کی استعداد کامل ترین استعداد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ وہبیت محضہ ہے تکاد زیتھا یضئی ولو لم تمسسہ نار۔ (قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے چھوئے بغیر روشن ہو جائے) لامحالہ وہ حقیقی اہل شہود میں سے ہیں۔ لیکن حکمت ارشاد کی وجہ سے خدا تعالیٰ انہیں مقام مشاہدہ میں اتار رلاتا ہے پس بایزید کے قول کا معنی یہ ہے کہ وقفوا بعد الخواض (غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے) بحر سے مراد شہود وحدت اور ساحل سے مشاہدہ مراد ہے۔

فرماتے تھے کہ توحید افعال کے حصول کی علامت یہ ہے کہ سالک معیشت کی تدبیر چھوڑ دے اسے توکل تام حاصل ہو گیا اور ضارب کی ضرب۔ موذی کی ایذا اور منعم کے انعام کو حضرت قیوم کی طرف منسوب کرے۔ اور توحید صفات کے حصول کی علامات یہ ہیں کہ بالغ نظر سالک اپنے قوی سماعت اور بصارت کو مالک حقیقی کے سپرد کر دے سوائے اس بات کے کہ حضرت وجود کا تعین وتقید میں ظہور تعین صفات کا مورث ہوتا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ کو نہر یا چھوٹے نالوں میں مشاہدہ کرے ضروری نہیں کہ وہ شخص سمندر میں موجود لعل وجواہر اور حیوانات سے مطلع ہو۔ اسی طرح وہ دیکھتا ہے کہ سمیع وبصیر ان مظاہر میں ذات حق ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام مسموعات اور مبصرات پر مطلع ہو کیونکہ یہ واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کے

خواص میں سے ہے۔ حدیث ما تقرب الی عبد الخ کا مفہوم۔ حدیث ما تقرب الی عبد احب الی مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اکون سمعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ توحید میں قرب فرائض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے افعال کے بے مثل و یگانہ ہونے پر ایمان لائے اور اس بات پر کہ عالم میں اس کے بغیر کوئی مؤثر نہیں ہے اور قیوم نہیں ہے اور جسے یہ ایمان حاصل نہیں ہوتا وہ آخرت میں ماخوذ ہوگا

توحید میں قرب نوافل یہ ہے کہ حجابات کے ہٹانے کی کوشش کرے اور یہ قرب نفل ہے اگر بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس تقدیر پر حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی توحید جمالی میں سے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اسے ترک کرنے پر مواخذہ نہیں ہوتا ہے اور توحید تفصیلی میں بندہ ہمیشہ ریاضات شاقہ یا محض جناب قدس کی بارگاہ میں توجہ کے ذریعہ حجابات کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے یہانتک کہ خدا تعالیٰ اسے اس کی خودی سے پھیر لیتا ہے اور دوستی اسی کا نام ہے اور جب بندہ مکمل طور پر اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اس کی ذات فنا ہو جاتی ہے اس کی صفات بھی اٹھالی جاتی ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی صفات سلب جاتی ہیں اور ذات اسی طرح رہتی ہے۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ تمام امکانی حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں۔ پس کیسے کہا جائیگا کہ اس کی ذات باقی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یقیناً جو شخص یہ کہتا ہے کہ صفات اخذ کی جاتی ہیں نہ کہ ذات۔ اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وجود عنصری اس میں زندہ ہے اور اس طرح تمام طبقات خارج میں اسی طریق پر کہ پہلے تھے۔ توحید کے بعد بھی ہیں اور اگر بعض آثار بطور خوارق ظاہر ہوں تو لامحالہ یہ تبدل صفات میں سے شمار ہوگا اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذات بھی فنا ہو جاتی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ایسی فنا جو صوفیاء کے نزدیک معتبر ہے بس لفظی نزاع ہے فرماتے تھے کہ جب ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ وصول حاصل ہو گیا لیکن بعض پردے درمیان میں حائل ہیں۔ تو اس پر غم اور رونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو وہ عام محجوبین کی طرح ہو جاتا ہے لیکن وہ باوجود اس کی رسائی لطائف حقیقت تک ہے وہ غم واندوہ اور دوئی میں ہرگز نہیں پڑتا۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ حجاب جو بکا

اور غم کا سبب ہوتا ہے۔ وہ درشتی اور بہیمیت کی شدت ہے جو خود اس کے نفس کیلئے حجاب ہے۔ کی صورت بن جاتی ہے اور وصل عرفان نصیب نہیں ہوتا اور وہ شخص جس کی بہیمیت لطیف ہے وہ ہمیشہ انس اور سرور میں ہوتا ہے۔

والعصر ان الانسان لفی خسر کی تشریح۔ قولِ ربانی والعصر ان الانسان لفی خسر الخ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ اس جگہ زمانہ کی قسم ،ذات ،بقار ،سرمدیت اور اس کا دوام ہے کیونکہ واصلین کے سوا توہم اور دوئی میں واقع ہیں کسی نے حضرت والا سے سوال کیا کہ سالک کی انتہا کیا ہے۔ تو فرمایا دوئی کو مٹانا اور شہودِ وحدت اور یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس کے اوپر کوئی چیز نہیں۔ شیخ عبداللہ کھائی جو اس زمانے کے مشائخ میں سے تھے نے کہا کہ توحید ایک مقام ہے۔ جو راستہ کے درمیان پیش آتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا۔ مجھے اس سے آگے کی خبر دیجیئے، اس نے کہا ایک بہت ہی گہری چیز ہے۔ فرمایا سالک جب وحدت محضہ کے ساتھ واصل ہوتا ہے اور کثرت اس کی نظر سے غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تنزل کرتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے۔ یہ تنزل ہے اسے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ توحید سے بلند مرتبہ ہے۔ ولیس وراء عبادان قریۃ والیٰ ربک المنتھی

کاتب حروف کہتا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ توحید راہِ سلوک میں ایک مقام ہے اس کی مراد کثرت سے رویت جمع و ذہول ہے اور یہ سکر و غلبہ کی ایک قسم ہے۔ اور جو شخص شہود وحدت محضہ کو راہِ سلوک کا آخری مقام قرار دیتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ لطیفہ انا فی نفسہ سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے۔ جبکہ جمع الجمع۔ وحدت اور کثرت دونوں کو دیکھتا ہے۔ رویت کا منشا لطیفہ انا کی وحدت محضہ ہے۔ اور رویت کثرت کا منشا لطائف سافلہ ہیں پس درحقیقت اعلیٰ مقامات وہی ہیں جو لطیف ترین لطائف کے مدرک ہوں۔ واللہ اعلم

رشحات میں بعض عارفین سے جو منقول ہے کہ "من در ابتدائے مے گفتم ممکن عین واجب است و در انتہا معلوم شد کہ واجب عین ممکن است" کے متعلق فرماتے تھے کہ ان دونوں عبارتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات صفات امکانیہ میں حصر واجب کو مستلزم ہے اور دوسری عبارت کا معنی یہ ہے کہ تعینات امور اعتباریہ اور اعدام محضہ ہیں اور موجودِ حقیقی واجب کے سوا کوئی

نہیں ـــــ فرماتے تھے کہ ہر دورہ میں جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ شیونات کو پیدا فرمائے تو پہلے مثالوں کو پیدا کرتا ہے جو کہ باب انواع سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں اور یہ ہر نوع میں ہوتا ہے۔ جیسے درخت، پتھر، انسان، گھوڑا وغیرہ بس نوعِ انسانی کی مثال اس کے مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ دورہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ارواح بھی فنا ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ ترتیب سے پیدا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ کے افعال وصفات میں تعطل نہیں ہے پس امام جعفر صادق کا قول کہ "نحن اناس سرمدیوں" طول مدت پر محمول ہے۔ یا اس اعتبار سے کہ خدا تعالیٰ سرمدی ہے پس اس کے لحاظ سے ہر وہ شخص جس پر ابد اور ازل منکشف ہو گیا خود کو سرمدی جانتا ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس فقیر کے نزدیک اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ظہور مثال سے پہلے حقائق کاملہ کے یقین کی صورت انسان ہے۔ اور یہ یقین اشتقاق صورت محضہ کی رو سے حقیقۃ الحقائق ہے۔ اس طرح جیسے بساطت میں وہی ہے اور مراتب تنزل میں وہی ہے اور مراتب کونیہ میں غور و خوض کی تیاری کے لئے وہ اشتقاق ارادہ قدیمہ واجبہ میں ہے۔ جیسا کہ وہ ستارے جو حوض میں عکس ریز ہوتے ہیں۔ حوض کا پانی خواہ ہزار شکلیں تبدیل کرے ستارے ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ اکبرؒ کے قول کی تشریح

شیخ اکبرؒ کے قول العبد عبد وان ترقی والرب رب وان تنزل کی توضیح بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ بندہ اگرچہ مراتب عالیہ پر ترقی کر جائے، اپنی عین کی مقدار سے خارج نہیں ہوتا پس تمام کمالات اس کے عین کی استعداد کے اندازے کے مطابق ہیں۔ اور حضرت حق اپنی صرافت اور اطلاق کے ساتھ ہے۔ اگرچہ اس نے مظاہر میں ظہور فرمایا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک اس کلام کا معنی یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص یا کسی انسان کے لئے تجلی فرماتا ہے تو اگرچہ وہ تجلی متجلی لہ کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے سطوت، تسخیر اور قہر وجبر اس میں نمایاں ہوتا ہے اور بندہ مقام فنا میں کسی مرتبہ اعلیٰ مراتب پر پہنچتا ہے۔ انفعال اور تاثر امکان اس میں ظاہر ہے واللہ اعلم

حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے چند مسودات اور مکتوبات

شیخ عبدالاحد جو کہ شیخ احمد سرہندی کے پوتے تھے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے حضرت والا کی خدمت میں خط لکھا جس میں تحریر تھا "میں آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے اوقات مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے۔ بلاشبہ معاملہ دشوار ہے اور راستہ مشکل و خوفناک ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وان امامکم عقبۃ کؤدا (تمہارے سامنے پیچیدہ اور دشوار گھاٹی ہے) شعر ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونہا — قلل الجبال ودونہن حتوف

الرجل حافیۃ ومالی مرکب — والکف صفر والطریق مخوف

(میں سعاد تک کیسے پہنچوں۔ راستہ میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حائل ہیں۔ میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری ہے۔ راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں)

میرے عزیز و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی۔ غیر حق بیان کے لائق نہیں اس لئے بات مختصر کرتا ہوں۔ والسلام۔

حضرت والا نے اس مکتوبات کا جواب اس طرح دیا۔ ھو اللہ احد

آپ کا شفقت و عنایت نامہ ملا جس نے دوستی و یگانگت کو استحکام بخشا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اس مہربانی کی جزا عنایت فرمائے اور اپنے مقصد تک پہنچائے۔ آپ نے لکھا تھا۔ کیف الوصول الی سعاد ودونہا۔ قلل الجبال ودونہن خیوف۔ الرجل حافیۃ ومالی مرکب۔ والکف صفر والطریق مخوف۔ انتہی۔ حق یہ ہے کہ ہویت ذاتیہ مطلقہ کی محبوبہ (سعادۃ) تک اطلاق حقیقی کے ساتھ سیر مستطیل کے ذریعہ وصول دشوار ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد اعتبارات محضہ اور اضافات وہمیہ صرفیہ جو کہ عالم خلق و امر سے ہیں۔ کے پہاڑوں کی چوٹیوں کے عبور پر ہے۔ جو بہت صعب الحصول ہے۔ کیونکہ سالک نے اپنی حقیقت کو اس سے خوفزدہ بنا دیا ہے۔ اور اپنے شعور و ادراک کو اس کی تلاش میں لگا رکھا ہے۔ ورنہ سبحانہٗ و تعالیٰ تو درحقیقت وجوہ خاص کی بنا پر انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کا

راستہ پر امن ہے خوفناک نہیں اس مقام پر ننگے پاؤں ہونے کی گنجائش نہیں۔ نہ ہی سواری کی اور نہ ہی اس جگہ تہی دستی کا سوال ہے جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے۔ لیکن لوگوں میں اس کا ظہور نہیں۔ بس پاک ہے وہ ذات جو اپنے نور کی شعاعوں میں محجوب ہے اور اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے ؎

توھمت قدماء ان لیلیٰ تبرقعت وان لنا فی البین ما یمتنع اللثماد

فلاحت فلا واللہ ماثم مانع سوی ان عینی کان من حسنھا اعمیٰ

(قدماء کا خیال ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے۔ مگر ہمارے سامنے تو یہی جدائی ہے کہ جو حجاب بن کر ہوے مانع ہے جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی مگر ہماری آنکھیں اس حسن کا جلوہ نہ دیکھ سکیں ؎

پردہ برخاست تا بدید ستم دوست با دوست کردہ در آغوش

آں شناسد حدیث ایں دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

(پردہ اٹھا تو میں نے دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے۔ دل مست کی بات وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اس شراب کو پیا ہو)۔ رباعی ؎

وغبی بی منی قلبی فغبنت کما غبنی دکنا حیث ما کانوا حیث ما کنا

روزے آں بتو بودم و نمی دانستم شب باتو غنودم و نمی دانستم

ظن بودم ابن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم و نمی دانستم

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو حق ہے وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اس سے ظاہر مراد تو یہ ہے کہ سننے والوں کے فہموں میں قصور ہے اس لئے بیان میں نہیں آسکتا۔ ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو یہ عین گفت ہے۔ اور اگر نفسی ہے۔ فما من عیان الا ولہ بیان —— دوہرہ

کبیرا کا کہر سکھر ہی جہاں سلسلی سبل دکث بانو پسل کی سودا کون لادی بیل

والسلام علیٰ اھل اللہ الکرام۔

جب شیخ کا نامۂ گرامی پہنچا تو شیخ عبدالاحد نے ایک انتہائی فصیح و بلیغ خط لکھ بھیجا اس میں صعوبت حصول اور بعد راہ کے مضامین کو بیان فرمایا۔

مکتوب شیخ عبدالاحد - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - الحمد للہ وسلام علےٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد - گرامی نامہ جو از راہِ شفقت و تلطف ارسال کیا گیا تھا وصول ہوا - اس کے مطالعہ سے بہرہ ور ہوا - یہ مکتوب باریکیوں سے پر ایک باب اور معارف و حقائق سے بھرپور ایک کتاب تھی - اس کی رنگین عبارتیں پاکیزہ اور اس کے لطیف اشارات دلکش تھے ؎

نکتہائش ہمہ ہمرنگِ چمن　　　کردہ بر دفترِ گل مشقِ سخن

(اس کے تمام نکات باغ کی طرح تر و تازہ و رنگیں تھے گویا پھولوں کے کاغذ پر مشقِ سخن کی گئی ہے)

اللہ سبحانہٗ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور اپنی بہترین خوشنودی سے خوش کرے خط میں تحریر تھا کہ ہویت ذاتیہ کی محبوبہ (سعادت) تک سیر مستطیل کے ساتھ صعب الحصول ہے - ورنہ حق سبحانہ و تعالیٰ تو شاہ رگ سے بھی بندوں سے زیادہ قریب ہے - یہ آپ نے وجود کے متعلق فرمایا لیکن وجدان میں حق سبحانہ و تعالیٰ وراء الوراء سے بھی وراء الوراء ہے - ؎

برگِ بیرنگی بساز اے عندلیبِ بے نوا　　　کیں گلِ ما برنتابد از نزاکت رنگ را

دوھڑہ

پنپ نکٹ سنکم اگم بگریا یہ جیون جہانہ　　　چکہ اکیں مکہ ہن رہی ملنہ بہر بہر مانہ

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے -

بااین ہمہ نزدیکی جاناں چہ بسی دوری　　　در عین وصال تو گشت ایں ہمہ مہجوری -

تحریر تھا کہ اس کی طرف کوئی راستہ نہیں جاتا تھا نہ پُر امن اور نہ خوفناک برہنہ پائی اور تہی دستی کی وہاں گنجائش نہیں - ہاں وہاں کوئی راستہ نہیں لیکن اس سے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان سے ورے نشیب و فراز حائل ہیں - وہاں راہِ حقیقت کشادہ اور مضبوط ہے اور قوموں کی قومیں اس میں رواں دواں ہیں - سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً میں اس کی طرف ایک رمز ہے اور انی ذاھب الی ربی میں اس کی طرف اشارہ ہے - قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ سے یہی مراد ہے " ففروا الی اللہ " اسی معنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور وہ دو شعر جو آپ نے نورِ مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائیگی کے متعلق تحریر فرمائے ہیں نے مجھے بہت محظوظ کیا - لکھنے اور کہنے والے نے کیا کمال کیا ہے -

ہاں معاملہ ایسے ہی ہے۔ انت الغمامة علی شمسك دع نفسك وتعال ۔فارسی اشعار میں جو مطلوب کا وصال اور محبوب کی ہم آغوشی مرموز تھی۔ یہ سب کے لئے دل سوز اور سینہ افروز ہے اور عرفان کی بنیاد بے حجابانہ وصل ہے۔

لیکن واضح ہو کہ یہ تمام باغِ تشبیہ کے پھول اور عالم سکر و مستی کے شعبدے ہیں ۔ مقام تنزیہہ جو حضرتِ ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے۔ ان تمام امور کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہاں تو صرف وہی ہے جو بیان سے بلند تر ہے وہاں حیرت و نکارت میں سے کچھ نہیں اور حقیقت کا ادراک نہ کر سکنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ۔۔۔ کا ینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ما للتراب و رب الارباب (چہ نسبت خاک را بعالم پاک) ۔

تو از خوبی نمی گنجی بعالم ! ۔۔۔ مرا ہرگز کجا آئی در آغوش

یہی وجہ ہے کہ مقربانِ بارگاہ ایزدی کو حزن و ملال دامنگیر رہتا ہے اور یاس و حرمان سرمدی خاصانِ درگاہ کے لئے لازم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ کان علیہ الصلوٰۃ والسّلام دائم الحزن ۔ متواصل الفکر ۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہمیشہ حزیں اور مسلسل فکر مند رہتے تھے) ۔

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون ۔۔۔ تا چیست حقیقت ز پس پردہ برون

اور وہ دوہرہ جو اس کی راہ کی دشواری کے متعلق لکھا تھا وہ بہت دلنشیں اور بے ساختہ تھا۔ اور اس راستہ کی دشواریاں اس سے بھی زیادہ ہیں ۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان دشواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا " ان امامکم عقبة کؤد " یہ تو ہے لیکن ۔

گر موج زند عنایت او ۔۔۔ موراں بکنند کار پیلاں

(اگر اس کی عنایت کا سمندر موج زن ہو ۔۔۔ تو چیونٹیاں ہاتھیوں کا سا کام کریں)

احادیث میں ہے کہ ان اللہ یفعل بالضعیف ما یتحیر فیہ القوی (بلاشبہ اللہ کمزور سے وہ کام کرا لیتا ہے جس سے قوی عاجز آجاتا ہے) ۔

عجائب رہِ عشق اے رفیق بسیار است ۔۔۔ ز پیش آہوئے ایں دشت شیر نر ترسید

(اے دوست رہِ عشق کے عجائبات بہت ہیں۔ اس جنگل کے ہرن سے شیر نر بھاگتا ہے) دو ہڑہ

یہی گر دڑ پیہیم۔ کو ہل جہاں رمنا دیکھ کارج بنہ کو چھپیت ہنجی دہارو

یہ رباعی۔ روزِ آں بتو بودم و نمی دانستم شب باتو غنودم و نمی دانستم

ظن بود بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم و نمی دانستم

جو آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ وصال کی خبر دیتی اور غلبہ سکر و حال کے باب سے ہے ورنہ لیس عند ربك صباح ولا مساء۔ (خدا کے ہاں نہ تو صبح ہے اور نہ شام) لم یلد ولم یولد اس کے جلال کے صحیفہ کا عنوان ہے اور ولم یکن لہ کفواً احد اس کی توقیع کمال کا دیباچہ ہے

ابروئے دوست کے شود دستکش خیال من کس نزدست زین کمان تیر مراد بر ہدف

اور یہ جو کہا گیا ہے ؎ وعنی بی منی مغنیت کما غنتی

وکنا حیث ما کانوا وکانوا حیث ما کنا

یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ ورنہ وہاں تو قیل وقال نہیں ہے اور نہ ہی حیث۔ کان اور انس وجان ہے۔ کان اللہ ولم یکن معہٗ شئی والان کما کان اور آیت وما کان لبشران یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب۔ جواہر سالکاں کے لئے نقاد ہے اور ولا تضربوا للہ الامثال واللہ یعلم وانتم تعلمون۔ عارفین کے پہچاننے کا معیار ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سرخیل محباں نے لن ترانی کا زخم برداشت کیا اور سر دفتر محبوباں نے لیس لك من الامر شیئی کی ندا سنی گویا ایک طرف عنایت ہے اور دوسری طرف بے نیازی۔ تحریر تھی۔ آپ نے لکھا تھا کہ جو حق بات ہے گفتگو میں نہیں آتی۔ اس سے بظاہر یہ مراد ہے کہ سننے والوں کے افہام کے قصور کی وجہ سے کہ وہ ادراک نہیں کر سکتے۔ ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو عین گفت ہے اور اگر نفسی تو ہر عیاں چیز کے لئے بیان ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد خود متکلم کا قصور ہے اور یہ ایسے ہی ہے اور سخن حق سے مراد حقیقت ذات کا بیان ہے۔ کیونکہ ذات کو ہدایت کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اور ظن وتخمین سے گفتگو کرنا بے ادبی ہے۔ فان الظن لا یغنی من الحق شیئا ظاہر ہے کہ جو کچھ ممکن کے قبضہ اور متناہی کے احاطہ میں آگیا لامحالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب تعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے وہ اس سے بہت بلند ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ خدا ان کی قبر کو معطر فرمائے ۔ نے فرمایا جو کچھ بھی دید و شنید ہے تمام غیر حق ہے اسے کلمہ لا کی حقیقت کے ساتھ نفی کرنا چاہیئے۔ ؎

بس بیرنگ ہست یار دل خواہ اے دل قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

پس حاصل کلام یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کے ساتھ تعلق سے منزہ ہے اس سے متعلق تکلم سے بطریق اولیٰ منزہ ہوگی۔ ابصار اس کا ادراک نہیں کر سکتیں یعنی فکر و وہم اور نگاہوں کی بصر اسے نہیں پا سکتی ہے

چساں نشاں وہم آں نشاں یکتا را مگس چہ شرح دہد آشیاں عنقا را

میرے محترم! جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور انی اصطفیتک بکلامی وبرسالتی کی خوش خبری سے معزز کیا اس نے یضیق صدری ولا ینطلق لسانی کی صدا بلند کی جسے اس نے جوامع الکلم عنایت فرمائے۔ تاج معراج۔ اولیت اور خاتمیت سے عزت بخشی وہ بھی پکار اُٹھا "لا احصی ثناء علیک" سبحان اللہ رب العرش عما یصفون ؎

اے تو از گمان خلق بس دور جلوائے تو از پر مگس دور
ہر کس کہ ز کنہ تو سخن گفت خود گفت و ز گفت خود بر آشفت
اے برتر ز آں ہمہ کہ گفتند وانہا کہ بدید ہم نہفتند
توحید تو ہر کہ راند در قیل بر مور چہ زد عماری فیل

لیکن آپ کا یہ ارشاد کہ فما من عیان الا ولہ بیان ۔ ارشاد خداوندی ہے۔ الرحمٰن علم القراٰن ۔ ہاں یہ درست ہے۔ لیکن جو عیاں سے بلند ہے وہ بیان سے خالی ہوگا اور آپ علم کے ذریعہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بعض محققین نے صوفیاء کے اس قول "من عرف اللہ طال لسانہ" کے متعلق کہا ہے کہ صفات شیون اور اعتبارات کے مرتبہ سے ہے۔ لیکن صوفیاء کا یہ قول "من عرف اللہ کل لسانہ" مرتبہ خالص ذات جو صفات و اعتبارات سے خالی ہے کیونکہ وہ مجہول الکیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پہلی بات قول خداوندی "الرحمٰن علم القراٰن" میں بلاشبہ قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اس لئے اسم ذات کی بجائے اسم صفت سے آغاز کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے مبہم رکھا گیا۔

اور عبد کی اضافت ہویت ذاتیہ کی طرف کی۔ گویا کہ پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان "ابھوا ما بھم اللہ" میں یہی بات پوشیدہ ہے۔ یعنی تم ذات کے متعلق بحث مت کرو۔ کیونکہ تم رخ کبریا سے پردہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر چہ گوئم عشق را شرح و بیاں　　　چوں بعشق آئم خجل باشم ازاں

نکتہ ۔ محترم! چونکہ نماز اعمال میں سے سب سے مقرب عمل اور تجلیات و مشاہدات کا مورد ہے۔ حدیث نفیس "الصلوٰۃ معراج المومن" اور خبر معتبر "اقرب مایکون العبد من الرب تعالیٰ فی السجدۃ" اس مدعا پر بین اور واضح دلیل ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت سالک کو بے حجاب کی ہم آغوشی اور بے نقاب محبوب کی ہم دوستی کا وہم پیدا ہو جاتا ہے اور فرط عشق و طلب میں مظہر و ظاہر اور صورت و حقیقت میں فرق نہیں کرتا اسی لئے نماز کے تمام ارکان میں تکبیرات کا حکم دیا اور تسبیح کا امر فرمایا۔ یعنی اے سالک! تیرے دل میں وصال کا جب کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذات باری تعالیٰ اس سے کہیں بلند و برتر ہے اور وہ سبحانہ تیرے خیال سے منزہ ہے۔

حافظ شیرازی نے سالک کے وصول کا توہم جو تجلیات و مشاہدات کے ورود سے پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ در اصل وہ ایسا نہیں ہے۔ اس شعر میں خبر دی ہے ؎

عکس روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد　　　عارف از خندہ مے در طمع خام افتاد

یعنی خون دل عارف جو محبت کے پیدا ہونے کی جگہ ہے، ماسوا کے نقوش کو مٹا کر تجلی ذاتی جو اس کی ذات سے کنایہ ہے کا مرکز بن جاتا ہے۔ اور باطن کی کیفیت سے پہلے سو گنا ترقی کر جاتی ہے اور بے پایاں شگفتگی اور مسرت ظہور پذیر ہوتی ہے تو ناچار عارف ظلال کے پردہ کے بغیر اصل کے ساتھ وصول و وصال کے لالچ میں پڑ جاتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتا کہ تجلی یعنی کان کی تجلی شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ مرتبہ ثانیہ یا ثالثہ ظہور الشئی ہے ؎

خلق مرا روئی کے نماید او　　　در کدام آئینہ در آید او

پس اگر کہا جائے کہ تب تو ذات تک رسائی بالکل ممکن نہیں۔ حالانکہ مشائخ کبار سے اس حد تک رسائی منقول ہے۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے ؎

ذاتِ من نیست جز تجلی ذات ذاتِ بر من زدہ است راہِ صفات

اور ایک دوسرے نے کہا ہے "حق تو یہ ہے کہ میں اسم صفت سے گزرے بغیر ذات تک پہنچا ہوں"۔ اس سلسلہ میں مشائخ کے اقوال اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم وصول الی الذات سے مطلقاً انکار نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی ذات کی کنہ تک پہنچنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور حصول کے طریق پر اس کی کیفیت کے ادراک سے انکاری ہیں لیکن بلا کیف وصول اور ادراک تو وہ ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور اس کے براہین و دلائل ہیں جیسا کہ اپنے باب میں ثابت ہوا ہے۔ اور اسی قبیل سے ایک یہ بات ہے کہ اس وصول کے ساتھ ابدی نگرانی حاصل ہو جاتی ہے اور اس وصول کے باوجود دائمی حزن و اندوہ جدا نہیں ہوتے۔ اور یہ دو امور کی وجہ سے ہے۔ ان میں سے ایک تلون و تلذذ ہے جو اسے اس سے پہلے تجلیات صفاتیہ میں حاصل تھا اور اس کا باطن اس کے ساتھ کچھ عرصہ مانوس رہ چکا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ سالک اپنی تشنگی اور شوق کے باوجود اس مقام کی وسعت کے سبب اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اگرچہ بسیط ترین ہوتا ہے لیکن ذاتِ حق اس سے بھی وسیع تر ہے اور یہ سب کچھ بلا کیف ہے۔ اس مقام میں عارف مستسقی کے حکم میں ہوتا ہے۔ جو کبھی بھی اس سے سیر نہیں ہوتا۔ نہ اس مقام کا کوئی کنارہ ہے اور کوئی اس کی انتہا ہے۔ نہ وہاں انجام نہ اختتام ؎ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی۔

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبر ندیدہ قعر گل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبہ پر رسائی جس کے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانۂ جبروت میں کوئی ایسا جوہر جس کی ضرورت باقی نہ رہے محال ہے۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

اور اگر کہیں کہ جسے نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں اسے کیسے طلب کرتے اور اس کے پیچھے جگر کیسے کباب اور آنکھوں سے پانی کیسے بہاتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جاننا اور پہچاننا طلب کی شرط نہیں ہے۔ آوازۂ حسن معشوق حریف عشق کو بے قرار اور بے آرام کر دیتا ہے اور جمال محبوب کی باتیں اور خوشبو دیوانگئ عاشق کو جوش میں لاتی ہے۔ اس قسم کے پھول اس وادی میں بہت کھلتے اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر ٹپکتی ہیں۔ یہ عشق بازوں کی دیوانگیاں اور

جاں گدازوں کی شیفتگیاں ہیں عشق میں اسی قسم کی بوالعجبیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مولوی عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد   بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ہاں ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے لائق یہی ہے ؎

اے عشق ز عاشقاں عجب نیست   معشوق شناسی از ادب نیست

پھر جاننا چاہیے کہ ذات باری تعالےٰ کو جس طرح کسی عبارت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اور نہ کوئی اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس تک رسائی کسی عبارت سے تعبیر نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کوئی اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ رویت اُخروی۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس کی کیفیت بیان میں مشغول نہیں ہوتے۔ ع —— بلا بودی اگر ایں ہم نہ بودی ——

اگر کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں کیا فرق ہے کیونکہ دونوں سوز و گداز میں ہیں۔ اور دونوں اس راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر دونوں میں فرق کرنے والی چیز اس کا حصول مقصود ہے تو یہ دونوں میں مفقود ہے اور اگر حزن و اندوہ ہے تو دونوں کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مبتدی کا عدم وصول حقیقی ہے اور منتہی کا صوری اور مبتدی کا گریہ و زاری حجابات کی وجہ سے ہے اور منتہی کا گریہ عظمت و کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہے وہ (مبتدی) ابھی ستر ہزار پردوں میں ہے اور یہ (منتہی) انوار کی شعاعوں میں بیقرار قدم رکھے ہوئے ہے۔ اس (مبتدی) نے بارِ ہستی کو اپنے کندھوں سے نہیں اتارا اور یہ اس کی عظمت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ وہ ابھی تک لباس مائی و منی سے باہر نہیں نکلا۔ اسے موہوب وجود کی خلعت سے مکرم کیا ہوا ہوتا ہے وہ خیالوں اور سایوں سے نہیں چھوٹ سکتا اور یہ سایہ سے گزر کر واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ بکار المریدین بکار الشیخ کے مقام پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس جان جہان کے لئے جان جوکھوں میں ڈالنی چاہئیے اور اسم و رسم سے گزر کر اور نام و نشان سے آزاد ہو کر اپنا قبلۂ توجہ تنزیہہ مطلق اور غیب صرف کو بنانا چاہیئے ان اللہ یحب معالی الھمم (بلاشبہ اللہ بلند عزم لوگوں کو دوست رکھتا ہے) کیا خوب کہا ہے۔ ع   آں لقمہ کہ در دھاں نہ گنجد

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقصود موصول ہے حصول نہیں اور مطلوب مقرب ہے ادراک نہیں۔

دوھرا

نانو بجا نو کا اور بارک لا کی جب نو! ۔۔۔ جاتی جہاں کیئے نہاں نانو نہ کا نو نہ تھا نو

گرفتم نا ید ایں عنقا بدامم ۔۔۔ تیند نہائے دامش را غلامم

کسے را گرچہ برگ ایں سفر نیست ۔۔۔ بہ از سودائے او چیزے دگر نیست

ہم اپنے مکتوب کو مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاسنیٰ کے کلام پر ختم کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے امکان کو وجوب کے لئے آئینہ اور عدم کو وجود کے لئے مظہر بنایا اور وجود وجوب اگرچہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے ورا رہے۔ بلکہ تمام اسمار صفات اور شیون و اعتبارات اور ظہور و البطون اور تجلیات و ظہورات اور مشاہدات و مکاشفات۔ ہر محسوس و معقول ہر موہوم و متخیل سے وراء ہے۔

پس وہ سبحانہ وتعالیٰ وراء الوراء پھر وراء الوراء ہے ۔

چہ گویم با تو از مرغ نشانہ ۔۔۔ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم ۔۔۔ ز مرغ من بود آن نام ہم گم

پس وہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز ہے بلکہ تمام تعریفوں کا منتہا اس کے سرا پردوں سے ورے ہے پس وہ وہی ہے جس نے اپنے نفس پر ثنا کہی اور اپنی ذات کی حمد بیان کی وہ خود ہی حامد اور محمود ہے اور اس کے ماسوا تمام اس کی مقصود بالذات حمد کے ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ ان کا کلام قدسی ختم ہوا ۔

ہیہات قلم بو قلمم در کف اندیشہ گداخت ۔۔۔ رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نہ شد

عرفان پناہا! طالب فیض کسی مقابلہ یا مناظرہ کے درپے نہیں۔ بلکہ یہ بات نیم خامی اور ترک جوشی کے باب سے ہے۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

العذر عند کرام الناس مقبول۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ والتزام متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ (سلامتی ہو اس شخص پر جو راہ ہدایت پر چلا اور مصطفیٰ علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کی)

حضرت والا نے اس کے مطالعہ کے بعد یوں تحریر فرمایا۔

جواب شیخ ابوالرضاء۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہر تشبیہ اور نقصان سے نکال کر اپنی ذاتِ اقدس کی طرف جذب کر لیا۔ پس ہم نے اسے بغیر کسی حیرانی۔ نکارت اور جریان کے اپنی شاہ رگ سے قریب پایا۔ اور ہر عارف اور حیران یعنی جاہل جو حقیقت امر تک نہیں پہنچا۔ اور وہ حیران ہوتا ہے۔ کی طرف سے ہمارے نبی و آقا حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر درود وسلام ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ دلکش عبارات کے ساتھ پہنچا۔ گویا اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دعوت وصول غلبۂ حال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو سخن مغلوب کا کیا اعتبار ہے؟ اور اس کی مثالیں رموز و اشارات اشعار کے ساتھ پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات اکنائے اور استعارے تھے میں رموز و اشارات کو سمجھا۔ آپ نے سب سے پہلے یہ تحریر کیا۔

کیف الوصول الیٰ سعاد ودونھا ۔۔۔ قلل الجبال ودونھن خیوف
والرجل حافیۃ ومالی مرکب ۔۔۔ والکف صفر والطریق مخوف

میں کہتا ہوں کہ یہ اشعار راستے کی طوالت اور امتناع وصول میں صریح ہے اور میں نے جو لکھا تھا کہ ہویت ذاتیہ کی سعاد (محبوبہ) تک رسائی سیر مستطیل جو کہ عام خلق و امر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں پر مشتمل ہے کے ذریعہ وصول بہت مشکل ہے۔ تو یہ بات مقصد کی تفسیر طوالت راہ اور اس میں قدموں کے وقوع کا بیان ہے۔ امتناع وصول کی تاویل وصول کی دشواریوں کے ساتھ حاصل ہونے کے ساتھ کی گئی ہے اور میں نے راستہ کی نفی کسی خاص سبب سے بعض اشخاص کے لئے کی ہے جس کا کوئی منکر انکار نہیں کرتا اور اس پر کوئی معترض اعتراض نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مطلق طریق کے اثبات اور وقوع اقدام پر کوئی مصادرہ نہیں میں نے لکھا تھا کہ ،

"وگرنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو وجہات خاص سے بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے الخ"

اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ وجود کے بارے میں ہے۔ لیکن وجدان کے اعتبار سے وہ وراء الوراء ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کی یہ بات درست ہے۔ لیکن یہ اکثریت کے لحاظ سے ہے۔ لیکن اس کی ذات کی طرف کام اعتبارات کے بغیر متوجہ ہونے والوں کے لئے جس طرح سبحانہٗ وتعالیٰ وجود میں

شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح وجدان میں بھی ہے ؂

تجدنی فی سواد الیل عبدی قریبا منک فاطلبنی تجدنی

؂ مرا اندر شب تاریک یابی زجان خویش ہم نزدیک یابی

مرا نزدیک خود پیوستہ میداں نمی دانی اگر دانی بیابی

آپ نے اپنے خط میں یہ دوہرہ بھی لکھا تھا۔

پرت نکرت سنکم اکم نگرمانہ جیون جہانہ جگہ اکیں مکھ ہین رہین ملنہ نہ بہر بہر بابن

اس کے پڑھتے ہی میرے دل میں آیا۔ ؂

ساجن میرے آیا کل لاکھو بہر بانہ بل مارت بچھرت نہیں نس دن کہوں۔

میں نے لکھا تھا ؂

پردہ برخاست تا بدید ستم دوست با دوست کردہ در آغوش

آپ نے اس پر لکھا —— "یہ سب گلشن تشبیہہ کے پھول ہیں"

میں کہتا ہوں کہ ہم آغوشی آپ کی عبارت میں متوقع ہے اور میری عبارت میں حاصل ہے۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد وکل الیٰ ذالک الجمال یشیر

آپ نے لکھا تھا ؂

عنقا شکار کس نشود دام بازچیں کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد عدم ادراک و احاطہ ہے ؂

اے کمان وتیرہا برساختہ صید نزدیک و تو دور انداختہ

آپ نے تحریر فرمایا۔ "ما للتراب و رب الارباب"۔ میں کہتا ہوں کہ قصہ معراجیہ میں یہ مذکور ہے۔ کہ ازراہِ ادب کہا گیا تھا۔ قولِ خداوندی ہے۔ یا محمد! انک اخترت العبودیۃ تادبا انا اخترتک لجمیع الکرامات الانسیۃ تفضلا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ادب کے طور پر عبودیت کو چن لیا۔ اور میں نے آپ کو تمام انسانی اعزازات کے ساتھ ازراہِ فضل چن لیا) پس تادب اور چیز ہے اور تفضل دوسری چیز ہے

خاک راچوں کار یاپاک اوفتاد پیش آدم عرش برخاک اوفتاد

آپ نے لکھا تھا کہ مقربانِ بارگاہ کو ابدی حزن وملال دامن گیر رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ حزن واندوہ دائمی خدا تعالیٰ کا عذاب ہے جو دشمنوں کے لئے ہوتا ہے نہ کہ دوستوں کیلئے۔ دوستوں کے لئے تو ہمیشہ ناز ونعمت اور مقربین کیلئے آرام وراحت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم (اگروہ بندہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آرام وراحت اور جنت کی نعمتیں ہیں) ے

آسود بکامِ خویش از وصلِ حبیب   نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب

خط میں تحریر تھا ے

دلہا ہمہ آب گشت وجانہا ہمہ خون   تا چیست حقیقت ز پس پردہ بروں

میں سچ کہتا ہوں کہ پردہ کے پیچھے جان ودل باقی ہے اور مشتاق کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے لیکن جب کوئی جان ودل سے گزر جائے تو وہ پردہ کے اندر چلا جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے۔

رازِ درون پردہ ز رندان مست پرس   کایں حال نیست زاہد عالی مقام را

آپ نے لکھا تھا۔ دوہرا

بنہی کر دریم پیل جہاں زیبائی   دیکھو کارج بنہ کو چوکچٹ پنچی دہائی

اس دوہرے کے حسن تقابل کے متعلق کیا لکھوں لیکن میرے دل میں یہ دوہرہ آیا ے

سات سمندر ہم کئی نیت الکم اپار   کچت تہی بر کئی بہرلا کی اردار

آپ نے تحریر فرمایا۔ "لاتضربوا اللہ الامثال"۔ میں کہتا ہوں وللہ المثل الاعلیٰ اور اس شعر کے متعلق ے

غنی بی منی فغنیت کما غنی   وکنا حیث ما کانوا حیث ما کنا

عرض ہے کہ اس سے وفاق مراد ہے۔ فراق نہیں پس مضمون عالی میں کوئی تشبیہہ اور ضرب الامثال نہیں جیسا کہ حضرت شیخ احمدؒ کو کہ مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں کے اقتباس میں نہیں۔

چہ گویم با تو از مرغی نشانہ   کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم   ز مرغ من بود آں نام ہم گم

کیونکہ مرغ سے مراد۔ اس سبحانہ وتعالیٰ کے بلند مرتبہ عنقا کے ساتھ ہم آشیانی کا وہم ہے پس آپ کی

گفتگو پرندوں کی بولی ہے۔ اگر دوسرا نہ سمجھے تو کوئی بھلائی نہیں۔

تحریر تھا کہ پیشوائے محبان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے زخم لن ترانی کو برداشت کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے لیکن اس گروہ کے لئے دوسری دنیا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ محبوبوں کے سردار نے لیس لک من الامر شیئی کی صدا سُنی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا شان نزول ایصال ہے نہ کہ وصول کیونکہ آپ کے بلند مرتبہ کے متعلق ہے۔ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ آپ نے لکھا تھا کہ جسے خلعت کلام پہنائی گئی اس نے کہا "یضیق صدری ولا ینطلق لسانی"۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں معانی کے حقائق اور مکشوفات کی باریکیاں بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو اخگر فرعون سے جل گئی تھی اور اس پر عقدہ پڑ گیا تھا، میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اس وجہ سے مَیں تنگ دِل ہو جاتا ہوں اور یہ آیت اس معنی پر دلیل ہے۔ "واحلل عقدۃ من لسانی یفقھو قولی"۔ اور اسی طرح یہ آیت واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسل معی ردءا۔ کیونکہ دعوت دو فصیح و بلیغ آدمی بہتر طور پر ادا کرسکتا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جسے جوامع الکلم عنایت کیا گیا۔ وہ بھی لا احصی ثناء علیک پکار اُٹھا۔ میں کہتا ہوں کہ احصار کا معنی پوری طرح شمار ہے اور معنی یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیاں میں داخل نہیں اور ثناء اور بیان عیاں کے بعد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کا وہ تتمہ جو آپ نے چھوڑ دیا ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ انت کما اثنیت علی نفسک۔ میں نے لکھا تھا کہ ما من عیان الا ولہ البیان۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے۔

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علمہ البیان۔ اس کا یہ معنی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو کہ تمام معارف ذاتیہ، صفاتیہ اور انعامیہ پر مشتمل ہے۔ اور انسان کو باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی تعلیم سے جس پر قرآن مشتمل ہے ممتاز کیا۔

خط میں تحریر تھا کہ ما کان عالیا من العیان کان خالیا عن البیان۔ جو عیان سے بالا ہوگا۔ وہ بیان سے خالی ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "دیگر عیان را چہ بیان" میں کہتا ہوں کہ بیان کی عدم ضرورت

صاحب عیان کے لئے ہے اور بیان کی ضرورت اس کے لئے ہے جو صاحب عیان نہیں ہے، یہ اور ہے اور وہ اور۔ آپ کے اس قول۔ انما نمنع الوصول الی کنہ الذات ودرک کیفیتہ (کہ ہم ذات کی کنہ تک وصول اور اس کی کیفیت کے ادراک کے قائل نہیں) کے متعلق میں کہتا ہوں کہ عطف اور ارجاع کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے موصول کیلئے ہو یا ذات کیلئے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "کسی ایسے مرتبہ تک پہنچ جانا کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ متصور نہ ہو سکے محال ہے" درست ہے مگر صفات کی سیر میں۔ لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ مقصود ہیں نہیں اور یہاں عرفا پہنچتے ہیں۔ ولیس وراء العبادان قریۃ۔

مکتوب میں تحریر تھا کہ "یہ عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں"۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا کام۔ کیونکہ عشق حجاب ہے اور عاشق و معشوق رخ حقیقت کے نقاب ہیں۔ اس کے باوجود عشق دلوں میں ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ پس کیا ہی اچھا جنون ہے اور کیا ہی خوب مجنون۔ کلام قدسی میں ہے۔ (انت عشقی وانا عشقک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ؎

در دِ عشق آمد دوائے ہر دلے   حل نہ شد بے عشق ہر گز مشکلے

گر عشق ہمیں مونس و ہم خانہ ماست   غمہا ہمہ یک جرعہ پیمانہ ماست

از عقل فرو گزر کہ در عالم عشق   او نیز غلام دلِ دیوانہ ماست

لیکن آپ کا قول رویت اخروی کی طرح کہ ہم اس پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے ہیں کہتا ہوں کہ یہ کیفیت رویت کے متعلق صریح ہے۔ اور وصول کے لئے مثلیت کو مستلزم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اسم و رسم سے گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب کو اپنا قبلۂ توجہ بنانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ عزائم کی بلندیوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو گئے ہیں جو اس راہ کا وسط ہے اور مغلوب الحال ہو گئے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے اوپر کوئی چیز نہیں۔ مزید ترقی کی کوشش کیجئے۔ یہ میرا اور میرے بلند ہمت ساتھیوں کا مشرب ہے اسم و رسم سے بے نیاز ہو کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے متعلق آپ نے جو لکھا ہے۔

اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اسم ورسم کے بغیر تو توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کے لئے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ جبکہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسم ورسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہہ پر مرکوز کر دینا چاہیئے اور اسی طرح تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے۔ مگر درحقیقت نہ تو کوئی مقام ہے اور نہ مقیم۔ ان اللہ یحب معالی الھمم۔ لیکن آپ کا یہ قول کہ مقصد تو وصول ہی ہے حصول نہیں۔ آپ نے کہا ممکن ہے یہ بات صوفیاء کے قول صعب الحصول سے سمجھی جاتی ہو تو میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے۔ اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہٗ (مجدد الف ثانی) کے کلام کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ معارف دقیقہ اور حقائق غریبہ میں سے ہے۔ لیکن ان کے کلام کے آخر میں آپ کا یہ جملہ انتہی کلامہ القدسی (ان کا قدسی کلام ختم ہوا) یہ الفاظ کلام القدسی کلام اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس کا اطلاق انبیاء و اصفیاء کے کلام پر بھی جائز نہیں تو ایک ولی کے کلام پر اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا۔

میرے دوست! آپ پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مقربین کے لئے قیود۔ ابدی حزن و یاس اور حرمان سرمدی کی بعدات کا استعمال۔ جبکہ نصوص اس کے مخالف ہیں۔ طالبین کے جذبہ طلب کو کمزور کرتا ہے۔ ہمیں قریب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِذا سالك عبادی عنی فانی قریب۔ اسی طرح کلام قدسی میں ہے قربونی الیٰ عبادی ولا تبعدونی (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ مجھے ان سے دور نہ کرو) ؂

گفتم، ملکا! ترا کجا جویم من ۔۔۔ در خلعتِ وصف تو چہا گویم من
گفتا کہ مرا مجو بر عرش و بہشت ۔۔۔ نزدِ دلِ خود جوئی کہ بر تو یم من

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض نصیحت کی خاطر تھا۔ اللہ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے۔ میں نے بھی جو کچھ آپ کی خدمت میں تحریر کیا خلوص و یگانگت سے محبت و دوستی کے جذبہ سے لکھا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ ان کے قول اس دوسرے مبنی کر دالخ کے حسن تقابل کے بارے میں کیا لکھوں۔ یہ آپ کے دعویٰ کے مخالف ہے۔ اور ایک خاص صورت میں

بعض عشاق کے لئے مفید ہے۔ ان (حضرت شیخ ابو الرضا) کا یہ قول کہ دلِ ناتواں میں یہ آیا سات سمندر الخ۔ یہ دوہرہ پہلے کے برعکس فنا اور بقا دونوں کا حال بیان کرتا ہے۔ ان کے اس قول علی تقادیر العطف والادرجاء یلزم الخ۔ کی تشریح یہ ہے کہ کیفیتہ میں ضمیر مجرور زائد یل شئی کے ذریعہ یا تو وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف۔ دونوں تقدیروں میں یا تو عطف وصول پر ہو گا یا کنہ ذات پر پس یہاں چار تقدیریں ہیں۔ ان میں سے ایک وصول کی کیفیت کے ادراک کو مانع ہے۔ یہ ذات کی کیفیت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ اور تیسری وصول کی کیفیت کے ادراک تک رسائی کی مانع ہے۔ او یہ پہلی تقدیر کی طرح ہے اور چوتھی تقدیر کیفیت کے ادراک تک رسائی کی مانع ہے۔ اور یہ دوسری کی مانند ہے۔ واللہ اعلم

جب یہ مکتوب شیخ عبدالاحد کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھر اس کا جواب لکھا۔ اور وہ یہ ہے۔

مکتوب شیخ عبدالاحد۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں باطن رہی۔ جس نے عدم کے اندھیروں کو اپنے وجود کے نور اور نور کے وجود سے منور کیا اور صلوٰۃ وسلام اس ذاتِ گرامی پر جس کا نور تمام مخلوقات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ حمد کرنیوالے ہیں۔ اور آپ کی آل۔ اصحاب اور تابعین پر بھی ہو۔ جب تک کہ انسان کو مشقت میں پیدا کرے اور نمازی رکوع و سجود بجالاتا رہے۔ ابدالآباد تک۔

امّا بعد۔ جناب والا کی طرف سے مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں عارفین کے حقائق اور علماء کی باریک بحثیں تھیں۔ عمدہ نکات اور بلند کلمات پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ انواع و اقسام کی عنایات جو اعزازات کو متضمن تھا چونکہ آپ کے مکتوبات گرامی میں ہمارے خط کے مضامین پر متعدد بحثیں تھیں۔ اس لئے اپنے قصور اور فہم کے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے ہم نے مناسب سمجھا کہ معذرت کریں اور اپنے خط کے لہٗ وما علیہا کے متعلق گفتگو کریں۔ اور عذر بزرگوں کے ہاں مقبول اور اصلاح وہدایت ان کا دستور ہے۔ السلام علیکم وتحیتہ کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ "امانی الوجد ان فھو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء" بالکل بے غبار ہے اور یہ ایک نکتہ ہے جو اکابر اخیار سے صادر ہوا ہے۔ خزاز نے کہا ہے اور خزاز وہ ہے جس کے متعلق

سید الطائفہ نے فرمایا کہ "وہ ایسی غایت ہے جس کے اوپر کوئی نہیں" اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اکبرؒ نے کہا ہے کہ وہ طریقہ حق کی زبان ہیں، اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ الشیوخ نے فرمایا ہے کہ "وہ ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں" اور وہ نکتہ یہ ہے کہ "الوجد عند وجود الحق مفقود"۔ آپ کا یہ فرمانا کہ ھذا بالنسبۃ الی الاکثرین" اس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام اعتبار سے ہے۔ کیونکہ یہاں وجدان سے مراد کنہ کا ادراک۔ احاطہ اور اس کا ذہن میں حصول ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بالتفصیل ذکر ہوگا لیکن وجدان ساذج جو اس قید سے مقید نہیں تو اس کا بالنسبۃ الی الاکثرین ہونا ممنوع نہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ آپ کی عبارت میں معانقہ متوقع ہے اور ہماری عبارت میں حاصل ہے" ہم کہتے ہیں کہ جس کی تمنا ہو وہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہو۔ ہمارے لئے وصول کی طرح یہ آسان ہو گیا ہے تو ہم نے وصول سے اسی پر اکتفا نہیں کر لیا۔ آپ نے لکھا ہے کہ ؎

عباداتنا شتی وحسنك واحد   فكل الى ذاك الجمال يشير

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

ندانم آن گل رعنا چہ رنگ و بو دارد   کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

لاکھ سہیلی ایک پیر جو دس پی پی ہوئی   ناجانو کس رانو سی کن سہاگن ہوئی

ہمارے اس قول "ما للتراب ورب الارباب" کے متعلق آپ کا یہ ارشاد کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پاس ادب تھا اور تفضل امر آخر ہے" اس کے متعلق عرض ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس میں بہتر نمونہ ہیں۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ ہمارا یہ کہنا کہ حزن واندوہ ابدی مقربان بارگاہ کے دامنگیر رہتا ہے، اور وصال مطلق سے یاس وحرمان خاصان درگاہ کا لازم ہے"۔ اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ "حزن ابدی خواہ کسی وجہ سے ہو مستقل الم اور عذاب ہے، یہ عام مومنین کے بھی لائق نہیں تو مقربین کے لائق کیسے ہوگا یہ تو نص کے بھی مخالف ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں کئی بحثیں ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ بیان کر دیں تاکہ عقدہ پوری طرح کھل جائے۔ پس جاننا چاہیئے کہ بلا شبہ ابدا و سرمد جس طرح خلود پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح عرصۂ حیات پر بھی بولے جاتے ہیں، جیسا کہ لغت اور عرف اس کی گواہی دیتے ہیں چنانچہ قول خداوندی ہے۔ ولا تقبل لھم شھادۃ ابدا۔ اس بنا پر

ہماری گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ وہ حزن وغم جو محبت کو لازم ہے اور وصال مطلق سے یاس جو عظمت محبوب کے مشاہدہ سے ہوتی ہے، مقربین کے ساتھ اس وقت تک لازم ہوتی ہے جب تک وہ اس دنیا میں ہیں۔ اگرچہ وہ تجلیات ومشاہدات سے مکرم ہیں لیکن موعود، موجود سے اتم و اکمل ہے اور قول خداوندی۔ وللاٰخرۃ خیرلك من الاولیٰ، اور من کان یرجو لقاءَ اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لاٰت اسی طرف اشارہ کرتی ہیں پھر یہ حزن ویاس جبکہ مراتب ظلال اصول کی طرف ترقی اور مدارج صفات سے حضرت ذات اور اصل الاصول تک عروج کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ان کا خاصہ ہے جو ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا

فرعون را ندادیم اے دوست دردسر زیرا کہ او نداشت سر درد ہائے ما

اے عارف باللہ! یہ ایسی مدح ہے جو مذمت کے مشابہہ ہے اور وہ کمال ہے جو نقص کے مشابہ ہے۔ قول خداوندی "انہٗ کان ظلوما جھولا"۔ اسی قبیل سے ہے حیرت ہے کہ آپ نے اسے محض مشارکت اسمیہ کی بنا پر دشمنوں کا حصہ قرار دے دیا۔ اور دوستوں سے اسے دور رکھا، پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے "یا عبادی لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون۔ ہم کہتے ہیں کہ لفظ الیوم فصیح ترین جواب ہے جیسا کہ ہم نے شروع باب میں اس کی طرف اشارہ کیا اور یہ آیت ہے" الآ ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ نے اسے بھی امر آخرت پر محمول کیا ہے جیسا کہ منتخبہ اور معتبر تفاسیر میں آپ دیکھتے ہیں اور اہل حقائق نے بھی اسے آخرت کی مبشرات میں سے شمار کیا ہے، یہاں تک کہ بعض تو ولی کی ولایت کے متعلق اس کے علم کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ یہ بات عبودیت کو لازم خوف کے زوال کا سبب بنتی ہے جیسا کہ تصرف میں ہے اور اسی میں سے قول خداوندی۔ فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم ہے، ہم کہتے ہیں کہ اس سے استدل کی کوئی وجہ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عالم آخرت میں روح وریحان مقربین کے لئے خاص ہے۔ اس سے کون انکار کرتا ہے؟ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہٗ لا ییاس من روح اللّٰہ الا القوم الکٰفرون ہم کہتے ہیں کہ اس سے کیسے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ اگر روح سے مراد تمام اقسام من حیث المجموع

ہوں تو اس وقت بعض سے یاس کا کوئی نقصان نہیں اور اگر سلب کلی کے طور پر ایک ایک کر کے کل مراد ہوں تو یہ بالاجماع باطل ہے کیونکہ اس کے افراد میں سے رسالت اور نزول وحی وغیرہ بھی ہے۔ جن سے یاس اور ناامیدی فرض اور ایمان کا حصہ ہے یا اس سے مراد اس کی بعض اقسام ہیں تو یا تو یہ معین ہیں پس مجمل ہیں تو اس کے لئے بیان کی ضرورت ہے اور اگر غیر معین ہیں پس مطلق ہوں گے اور دونوں کا کوئی فائدہ نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس آیت کریمہ مذکورہ کی صراحت کفر ہے اسی طرح امن مطلق کفر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ لا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون اور قول خداوندی۔ وخافون ان کنتم مومنین۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ۔ الایمان بین الخوف والرجاء۔ اور اس سے پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ ان اللہ یحب کل قلب حزین۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہمن اراد اللہ خیرا اجعل فی قلبہ نایحۃ۔ اسی حضور علیہ السلام کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ انہ کان دائم الحزن متواصل الفکر۔ اور یہ بھی ہے کہ آپ نماز میں روتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ غمگین ہوتے مگر ترش رُو نہ ہوتے، جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے "اور داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت کی گئی ہے کہ آپ روتے تھے تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا رب آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور اس گریہ وزاری کا سبب پوچھتا ہے، حالانکہ وہ اسے بہتر جانتا ہے۔ تو انہوں نے کہا، میں دوزخ کے خوف سے روتا ہوں۔ خطیر القدس میں جبرائیل علیہ السلام گئے اور واپس آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کے لئے نہیں بنائی۔ تو داؤد علیہ السلام کو تسکین حاصل ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر رونا شروع کر دیا۔ تو جبرائیل امین نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے۔ عرض کیا کہ جنت کے شوق میں روتا ہوں۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میں نے اپنے دوستوں کیلئے بنائی ہے۔ اس پر داؤد علیہ السلام کو سکون حاصل ہوا۔ کچھ دیر بعد پھر رونا شروع کر دیا، جبرائیل علیہ السلام نے حسب سابق گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے شوقِ وصال سے روتا ہوں۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ "تو پھر جیسے چاہو روتے رہو اس کی کوئی انتہا نہیں

زندگی کا باغ تو طے ہو گیا لیکن عشق کے راستہ کی کوئی انتہا نہیں۔

مشائخ سے جو روایات نمونہ کے طور پر ہم نے بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک خواجہ عبدالخالق عجدوانی (اللہ ان کے مزار کو معطر رکھے) کا یہ قول ہے کہ "اے بیٹے میں تجھے یوں اور یوں وصیت کرتا ہوں یہاں تک کہ فرمایا کہ تمہارا دل ہمیشہ اندوہگیں، آنکھیں گریاں، تیرا عمل خالص اور تیری دعا میں عاجزی ہونی چاہیے"۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے خدا درد مرا درمان مکن ! درد منداں راز بیدرداں مکن

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میرے لئے نہ رات میں نہ دن میں خوشی ہے۔ اس لئے مجھے دونوں میں سے کسی کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ یہ خوشی جیسے شریعت میں کجروی کا سبب بنتی ہے اسی طرح یہ طریقت میں تنزل کا سبب ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بعض حقائق پر پردہ ڈالنے بعض کی پردہ دری سے کنایہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ؎

سات سمندر پیم کے پنت اگم اپار ! بجپت تہی بہکئی بہر لاکی اروار

ہم کہتے ہیں کہ یہ جیسے ابھی گزر چکا ہے ذات باری تعالیٰ کے استغنا اور اس کی کبریائی کے اعتبار سے ہے اس پر میرے ذہن میں دو شعر آئے۔ ان میں ایک تو اسی ذات پر ہے اور دوسرا اس کے جواب میں ہے۔ باوجودیکہ اس سے پہلے میں نے ہندی میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔ دوھرا

سات سمندر پار پیو ہوں اکیا نی نار نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار

پیم سمندر سکھی نہاہ نہیں جس دھار پار لگی لے لاکھوں لوگ بے کس اروار

ہم نے کہا تھا۔ لا تضربوا للہ الامثال۔ اس پر آپ کا قول "للہ المثل الاعلیٰ" کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مکمل ہے اور سابقہ آیت کریمہ کی دلیل ہے۔ آپ کا ارشاد کہ "لن ترانی" سے مراد اس دنیا میں ان آنکھوں سے دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لئے ایک اور جہان ہے"۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہ کا ایک دوسرا عالم ہے۔ جیسا کہ ہمارے والد قدس سرہٗ نے قول خداوندی "بل ھم فی لبس من خلق جدید" کی تاویل کی ہے یعنی وہ حقائق و اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں، نشاۃ جدیدہ، ولادۃ ثانیہ اور فنا کے بعد موہوب وجود سے شک میں ہیں۔ اگرچہ رذائل سے وہ بھر دیا جائے۔

لیکن ابھی ایوانِ استغنا بلند ہے۔ تعرف میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے اور نہ ہی دل کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اور ابنِ عربی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ "تجلی ذات متجلی لہٗ کی صورت میں ہی ظاہر ہوتی ہے پس متجلی لہٗ نے حق کے آئینہ میں اپنی صورت کو دیکھا۔ نہ اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی حق کو دیکھنا ممکن ہے۔ ویحذرکم اللہ نفسہ۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس زندگی میں اس نشاۃ کو ثابت ومحقق کیا۔ ہمارے قول" سردفتر مجوباں نداالیس لك من الامر بشنید "کے متعلق آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شانِ نزول ایصال ہے وصول نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ الخ ہمارا قول کہ جب اس نے خلعت کلام پہنایا وہ پکار اُٹھا "یضیق صدری ولا ینطلق لسانی" کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ" میں حقائق معانی اور دقائق معرفت بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل گئی تھی۔ الخ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن جو ہم نے بیان کیا ہے وہ باب التاویل جو راسخین کے ساتھ مختص ہے سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لکل حرف ظھر وبطن فمنھم من اکتفی بالظھر فاھتدی ومنھم من نفذت بصیرتہ الی البطن فکان اھتدی لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات

(ہر حرف کے دو پہلو ہیں۔ ظاہر اور باطن جس نے ظاہر پر اکتفا کی اس نے ہدایت پائی اور جس کی بصیرت باطن میں سرایت کر گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کاملہ پائی پس اچھائیوں کی طرف بڑھو) ہمارا قول یہ کہ جب اس نے جوامع الکلم عنایت کئے وہ بھی "لا احصی ثناء علیك" پکار اٹھا "۔ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان کے نیچے داخل نہیں ہو سکتے۔ جبکہ ثناء کا احاطہ عیان کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔ آپ کا قول کہ" نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے۔ انت کما اثنیت علی نفسك۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مطلقاً نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے قولِ خداوندی لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفہ میں ذکر کیا ہے۔ پھر کلام مذکور میں نفی کو قید کی طرف

لوٹانا غیر مسلّم ہے اور اس میں بحث کی گئی ہے جیسا کہ شرح المطالع کے حواشی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ ہمارے مطلوب میں مخل نہیں بلکہ اس کی مؤید ہے پس یہ ہمارے حق میں ہوئی نہ کہ ہمارے لئے باعث نقصان۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ قول کہ "عیان راچہ بیان" اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحب عیان کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحب عیان نہ ہو اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا اس سے کیا تعلق۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول آیۂ کریمہ ذلک الکتٰب لاریب فیہ کے قبیل سے ہے۔ ہمارا یہ قول کہ ایسے مرتبہ پر پہنچا جس کے اوپر متصوّر بھی نہ ہو سکے۔ محال ہے۔ یہ بات آیۂ کریمہ۔ قل رب زدنی علما اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔ انکم لن تستطیعوا ان تغلبوا ھذا الدین سے ماخوذ ہے۔ آپ کا قول ھذا فی سیر الصفات الخ کہ یہ سیر صفات میں ہے لیکن حضرت ذات تک وصول کے بعد توفوق کا تصور محال ہے۔" ہم کہتے ہیں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد اجمالی طور پر حضرت ذات تک وصول تو ممکن ہے۔ بلکہ بحمد اللہ سبحانہ واقع ہے لیکن اس سے اوپر ترقی عقلاً ونقلاً محال ہے حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی کنہ کا احاطہ تو وہ بھی اسی طرح محال ہے کیونکہ اگر وہ (طالب) سب سے زیادہ بسیط ہے تو وہ اس کی ذات وسیع تر بلکہ غیر متناہی ہے چنانچہ سیر واسع جو محققین کے نزدیک سیر فی اللہ کہلاتی ہے۔ بھی غیر متناہی ہے اور اس کا انقطاع محال ہے سے

شربت الحب کاسا بعد کاس — فما نفذ الشراب وما رویت

بسر د تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی۔ صاحب تعریف نے کہا ہے کہ۔ القول بالاصلح۔ اس کی قدرت کی انتہا کو ضروری ٹھہراتا اور اس کے خزانوں کو اختتام پذیر بتاتا ہے اور جل جلالہ کو اس سے عاجز کرتا ہے کیونکہ جب اس نے ان کو صلاح کے انتہائی مقام پر پہنچا دیا اور اس کے بعد کوئی شئی نہیں۔ اگر وہ انہیں اس میں ترقی دے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوگا۔ اور انہیں عطا کرنے کے بعد اس کے پاس انہیں مزید عطا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ انتہی

جاننا چاہیئے کہ ایک مقام میں ترقی اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی دو مختلف چیزیں ہیں اور جس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ممنوع ہے اور دوسری فی الواقع

موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو واصلین ذات کے مراتب میں کوئی باہمی فرق نہ ہو اور وہ تمام قرب میں برابر ہوں۔ اور وہ تمام ایک ہی مقام میں بند ہوں۔ حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ اگر کہا جائے کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں فرق اس وجہ سے ہے بلکہ یہ تفاوت درجات کسی اور وجہ سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تسلیم کرنے کے بعد منع تصور فوق میں آپ کے لئے یہی ہمارا جواب ہے۔

اے عارف باللہ! وہاں ترقی اور تفوق اس ترقی اور تفوق کی طرح نہیں جو مکان کی صفت ہوتی ہے اور مکان سے سطح مکان تک ہوتی ہے اور سیر و سلوک سے بھی جسمانی حرکت مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایک وجدانی چیز ہے۔ بیان میں آنے والی نہیں جس نے اس کا ذائقہ نہیں چکھا۔ وہ اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور اس کی قریب ترین تعریف جو کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف ایک حرکت کیفی اور انتقال علمی ہے۔ لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے لیکن مرتبہ ذات کے اعتبار سے تو اس سے مراد معرفت وانکشاف کی زیادتی اور بطن البطون میں نظر کا نفوذ ہے جس کی شہادت کشف صحیح دیتا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں اور حقیقت امر تو عالم الغیب والشہادۃ ہی جانتا ہے۔ ہمارے اس قول کہ رویت اخروی کی طرح کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے "کے متعلق آپ کا ارشاد کہ یہ کیفیت رویت کے متعلق صریح ہے اور مثلیت وصول کو مستلزم ہے اور یہ دونوں بلاکیف ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت میں مشغول ہونے کی ممانعت کیفیت کے انتفاء سے کنایہ ہے۔

عبارتوں میں اس قسم کے تسامح اکثر ہوتے رہتے ہیں اور سیاق وسباق عبارت مدعی پر شاہد عدل ہے۔ بعض اکابرین نے کہا ہے کہ ذات باری تعالیٰ مجہول الکیفیت ہے۔ یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں۔ پھر بعض امور میں تشبیہ سے مثلیت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ انہوں نے علم بیان میں اسے بیان کیا ہے۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد بھی دو بے کیف امور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو مستلزم نہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کی تمام صفات میں ہے۔

ہمارا یہ قول کہ اسم و رسم سے گزر کر تنزیہ اور غیب صرف کو قبلہ توجہ بنانا چاہیئے۔ "ان اللہ یحب معالی الھمم"۔ اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ متوجہ اور متوجہ الیہ میں توجہ ایک نسبت ہے پس متوجہ کا لفظ اسم ہے اور ذات متوجہ رسم تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے عارف باللہ! جب معرفت و ولایت کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تو وہ فنا اور ہر اس چیز کو جو ماسوا کہلاتی ہے کو مٹا دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ تمام قوم صوفیار کی نسبت اس پر گویا ہے ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا　　　نیست راہ در بارگاہِ کبریا

صاحب تنزیہہ کے قول کو معرفت قرار نہ دے لینا ؎

گویند عنان خود چہ تابی　　　گم شو کہ چو گم شوی یابی
ایں نکتہ نمود ناصوابم　　　چوں گم شوم آنگہی چہ یابم
یابندہ اگر کسی دگر خواست۔　　　از گم شدنم پس او چہ میخواست

کیونکہ یہ فلاسفہ کی موشگافیوں میں سے ہے۔ ان میں معارف کا شائبہ تک نہیں اور سالک کے لئے مناسب نہیں کہ وہ باتیں بناتا پھرے اور اگر آپ دیکھیں کہ محققین نے اس کا کیسے محاسبہ کیا ہے اور اس کے اعتراض پہ کیسے اعتراض کئے ہیں اور اس کے اعتراض کو اس پر رد کیا ہے اور اس کے شافی کافی جواب دیئے ہیں۔ باوجودیکہ یہ کلام تبکلف تاویل کے قابل ہے۔ ہمیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں عارف کامل قدوتنا حضرت خواجہ احرار (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) کی تحریر پیش کرتے ہیں جو اس گفتگو میں مفید ہے۔ خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ سالک کی ذات و صفات کی فنا کے متحقق ہونے کے بعد (اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے ترقی دے اور اسے بقا تک پہنچائے) اسے اپنی طرف سے ایک نور عطا کرتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو گویا ذات باری تعالیٰ کو اس کا غیر مشاہدہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ پھر یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ ذات تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے کے لئے ذات کے ساتھ ثابت اعتبارات اور اضافات کا حذف کرنا ضروری ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ اور آپ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ پس اسم و رسم اور اعتبارات نفس کیسے حذف ہوتے۔

اور آپ کا یہ قول کہ تنزیہہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے بہر حال وہ مقام ہے اور حقیقت میں نہ کوئی مقیم ہے نہ مقام") اس کے متعلق ہمارا قول یہ ہے کہ شاید یہاں

حقیقت سے مراد مرتبۂ ذات بحت ہے۔ ورنہ اس سے اس کی معنی کرنے کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا پس وہ ہمارے لیئے لطف و عنایت اور توجہ ہے اور آخرت میں ہمارے قول بلکہ تمام محققین کے قول کے مطابق فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی کنہ ذات ادراک سے بری اور اضافات و اعتبارات سے معرا ہے۔ پس اس کی طرف نہ تو اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی عبارت سے اسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

در افگندہ دف ایں آوارہ از دوست ۔۔۔ کز و بر دست دف گویاں بود پوست

اصدق الصادقین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہے کہ لا یخالطہ الظنون ولا یصفہ الواصفون۔ ذوالنون مصری نے کہا ہے کہ۔ التفکر فی ذات جھل والاشارۃ الیہ شرک وحقیقۃ المعرفۃ حیرۃ ؎

آفاق روشن و مہ تاباں پدید نیست ۔۔۔ پُر شور عالمی و نمکداں پدید نیست

از مہر تا بہ ذرہ و از قطرہ تا محیط ۔۔۔ چو گوئے در تردد و چوگان پدید نیست

حسین بن منصور قدس سرہ نے کہا ہے کہ قبل اس پر سبقت لے جانے کے بعد اسے طے کرنے، من اسے ظاہر کرنے، عن اس کی موافقت کرنے، الی اس سے قریب ہونے، فی اس میں رچ جانے، اِن اس سے مشورہ کرنے، فوق اس پر سایہ کرنے، تحت اسے گھٹانے، خذا اس کا مقابل بننے، عند اس کی مزاحمت کرنے، خلف اسے حاصل کرنے، امام اسے محدود کرنے، قبل اسے ظاہر کرنے، بعد اس کی نفی کرنے، کل اسے جمع کرنے، کان اسے موجود کرنے، اور لیس اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے۔ حدث کو قدم اور عدم کو وجود پر تقدم حاصل نہیں ۔ اس کی ذات میں کیف نہیں اور اس کے فعل میں تکلف نہیں۔ اکابرین میں سے کلا بازی نے کہا ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا اس کی ذات میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابن عربی قدس سرہٗ نے قولِ خداوندی۔ وان من شیئ الا یسبح بحمدہٖ۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں ضمیر شیئ کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ کسی کی تسبیح کو جناب قدس کی بارگاہ میں رسائی حاصل نہیں ہوتی۔

قونوی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ حق اپنے اطلاق کی حیثیت ۔۔۔ یہ درست نہیں کہ اس پر کوئی حکم لگایا جائے یا کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کوئی اضافت کی جائے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

حق منزہ ہست از ہر اسم و نام ۔۔۔ تو چرا می چفشی ہر اسم اے غلام
ہر چہ گوئم عشق را شرح و بیان ۔۔۔ چوں بعشق آئیم خجل باشم ازاں

صاحب گلشن راز نے کہا ہے۔

بود اندیشہ اندر ذات باطل ۔۔۔ محال محض و آں تحصیل حاصل

حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ بسرہ الاسنی نے فرمایا ہے کہ میں اس خدا کو جو احاطہ شہود میں آئے یا متخیل و متوہم ہو ہرگز نہیں پوجتا۔ میں تو اس لقمہ کو طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے اسے سمجھا جس نے سمجھا۔ بعض اہل التحقیق نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کے بارے میں جب فرعون کے سوال۔ جب اس نے ماہیت حق کے متعلق پوچھا۔ کہ وَمَا رب العالمین کے جواب میں کہا رب السموات والارض وما بینھما۔ کہا ہے یہ حکیمانہ اسلوب بیان ہے جبکہ ان سے ماہیت حق کے متعلق سوال کیا گیا جو کہ ناممکن البیان ہے۔ تو آپ نے ان نشانیوں سے جواب دیا جو صانع پر دلالت کرتی ہیں ؂

جانہا پر آب گشت و دلہا ہمہ خون ۔۔۔ تا چیست حقیقت ز پس پردہ بروں

اس نے کیا خوب کہا۔ جبکہ چیست کہا۔ اور کیست نہ کہا۔ ہمارے اس قول کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول کے متعلق آپ کا قول کہ شاید یہ میرے صعب الحصول سے سمجھا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کے قول سے نہیں بلکہ سبحانہ وتعالیٰ کے قول "ولا یحیطون بہٖ علما" سے سمجھا گیا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ "نبی کے کلام کا اطلاق بھی کلام قدسی پر جائز نہیں۔ تو ولی کے کلام پر کیسے جائز ہوگا"۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کے متعلق کوئی اثر یا معتبر خبر ہو تو سر آنکھوں پر۔ ورنہ کسی چیز میں حرمت کا حکم نہیں لگایا جائیگا کیونکہ اشیاء میں اصل ان کی اباحت ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ ہاں۔ انہوں نے حدیث کو قدسی اور غیر قدسی میں تقسیم کیا ہے۔ پس احادیث میں اشتباہ کی وجہ سے اس کا اطلاق غیر قدسی پر جائز نہیں۔ لیکن جس جگہ اشتباہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر جب ارض مقدسہ اور بلاد قدسیہ کہا جا سکتا ہے تو نبی اور ولی کا کلام بطریق اولیٰ مقدس اور قدسی کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ قدس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، تو کیا اس کا اطلاق غیر خدا پر جائز ہے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قدس خدا تعالیٰ کے مخصوص اسماء میں سے نہیں ہے

کہ اس کا اطلاق غیر پر جائز نہ ہو اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ ان کے قول اسرائیلیات الٰہیہ کے قبیل سے ہوگا تو اس صورت میں اصلاً کوئی محظور نہیں۔

اے عارف باللہ! گفتگو کی طوالت اور قیل و قال کی کثرت وحشت ہی کو بڑھاتی اور نفرت پیدا کرتی ہے قلیل، طویل سے بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار، اعجاز سے زیادہ قریب ہے

ع خموشی فیض دیگر مے دہد دیوانہ مارا ۔۔۔ چراغ کشتہ روشن میکند ویرانہ مارا

ہم آپ سے اوقاتِ مخصوصہ میں نیک دعاؤں ہی کی امید رکھتے ہیں۔ یہ میری زبانِ حال ہے۔

ع ماخود بگرد دامن مردے نمی رسیم ۔۔۔ شاید کہ گرد دامن مردے بمارسد

ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنے بعض اشعار آپ کی خدمت میں لکھ بھیجتے تاکہ وہ آپ کے مطالعہ کے شرف سے مشرف ہوتے لیکن ہم نے اس خیال سے اس لئے اعراض کیا کہ آپ اکتا نہ جائیں اور ان چار اشعار پر اکتفا کی ؎

کجا ہر ذرہ دارد تاب حسن بے حجابش را ۔۔۔ کہ باشد چشمۂ خورشید شبنم آفتابش را

نگنجد نشاء حیرت دریں خمخانہ کثرت ۔۔۔ ازیں نہ شیشہ بیروں یافتم موجِ شرابش را

در خانہ ما جلوہ گراں رشکِ چمن شد ۔۔۔ ہر خار و خس گلخن ما برگ و سمن شد

عمر لیست کہ در حلقۂ زلف تو اسیریم ۔۔۔ مجنون ترا خانہ زنجیر وطن شد

سبحان ربك رب العزت عما یصفون ۝ سلام علی المرسلین ۝ والحمد للہ رب العالمین

فائدہ جلیلہ۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ جب بات یہاں تک پہنچی۔ تو ضروری ہوا کہ چند باتیں بطور محاکمہ کہی جائیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت کے راستہ کی طرف راہ نمائی کرے۔ اس فقیر کو بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا کلام تہذیب باطن اور تحصیلِ سینہ مثل پاکیزگی خشوع و خضوع پر محمول ہوتا ہے اور اضداد سے پاک ہے اور خدا تعالیٰ نے انہیں ان معانی کی تبلیغ کے لئے بھیجا اور ان کی قدر اس کے ساتھ اس لئے زیادہ ہے کہ ان کی زبان سے جس چیز کے لئے وہ بھیجے گئے ہیں صراحت سے یا اشارہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات مقامِ احسان سے نیچے اتر آتے ہیں اور عام مومنین کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس مقام کی خبر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے اس مقام میں نمونہ ہوں۔ ذٰلك تقدیر العزیز الحکیم۔

اس لئے صوفیاء کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف فنا۔ بقا اور توحید وجود وغیرہ پر استدلال عبارتِ نص، اشارات اور ایماء واقتضاء کے اعتبار سے نہیں بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے سماع کے وقت ان کے دل پر مترشح ہوتا ہے۔ اکثر اوقات وہ ایک چیز سے دوسری کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور کسی چیز کے متعلق کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں پس اس سلسلہ میں مناظرہ واستدلال مخالف کے لئے مفید نہیں۔ یہ اصل ہے یہ بھی معلوم رہے کہ تمام الجذب مجذوب کو ذات بحت کے ساتھ خاص ربط حاصل ہوجاتا ہے اور معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کی معرفت سے اس کے ذہن میں کوئی چیز آتی ہے کہ اسے متعین کرنے میں تقریر کافی نہیں ہوتی اسے وصول وحصول کہیں یا ادراک نام رکھیں یا نہ رکھیں بہر صورت کاملین کا اس کے بنیاد اور اصل ہونے پر اتفاق ہے اس کے بعد اس میں اختلاف، نزاع لفظی ہے۔ شیخ عبدالاحد نے کہا کہ "ہم مطلق وصول الی الذات کے منکر نہیں"۔ اور شیخ مجدد قدس سرہٗ العزیز نے شرح الرباعیتین کی شرح میں کہا ہے کہ مرتبہ لاتعین میں ہر چند شہود تجویز کریں۔ مگر شہود کے اوپر بہت مراتب ہیں کہ تمام اس مقام میں گزرگاہ ہیں۔ شہود، وصول کی دہلیز ہے اور مراتب وصول اس سے بلند ہیں۔ لیکن ہر شخص کے فہم کی وہاں تک رسائی نہیں بلکہ بعید نہیں کہ وہ انکار کرے۔ یہ ایک دوسرا اصل ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ شیخ کامل سے محبت ذاتی کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اور اپنی واصل حقیقت کے ساتھ۔ اس کی حقیقت مظہر کی سی ہے اور متبوع کے ساتھ تعلق مانع ہے اور متصرف فیہ میں ارتباط متصرف ہوتا ہے لیکن بے قراری، غم واندوہ اور وجد تو یہ کامل کے مزاج کے تابع ہے لیکن اس کے اصل کمال سے خارج ہے پس اگر اس کے مزاج میں قوتِ بہیمیہ قوی ہے تو یہی ذاتِ ذاتیہ اس کے حق میں قلق، عشق اور غم و اندوہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور اگر قوتِ بہیمیہ کمزور ہے تو مجرد الفت وانسیت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایک اور اصل ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہلِ کمال کا اس بات میں اتفاق ہے کہ مرتبۂ ذاتیہ کی طرف دو راستے ہیں۔ ایک راستہ براہِ راست شاہ راہ وجود سے نکل کر بڑھتا ہے اور اسی کے ساتھ فی الحقیقت اس مرتبہ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے۔ یہ راستہ صرف اقطاب کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اور دوسرا راستہ متوسط سالکین کا ہے اور یہی اکثریت کی راہ ہے اور در اصل یہ راستہ ذاتیہ تک پہنچانے والا نہیں ہے۔ اگر صوفیہ میں سے کسی نے معرفت ذات

کا انکار کیا ہے۔ تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اسی کا قائل ہے پس یہ نزاع لفظی ہے۔ اور یہ اس کا اصل ہے جب تو نے ان اصولوں کو حاصل کر لیا تو نزاع رفع ہو گیا۔ مگر چند دانشمندانہ مقدمات جن کو معمولی توجہ سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

ان تمام باتوں کے بعد جاننا چاہیئے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی ملاقات میں لکھنے کا اتفاق ہوا تھا چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ہم نے ترک کر دیا ہے اس کی تصریح کرتا ہے اور جب دوسری ملاقات ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے کے مقام کو دیکھا تو دوسرا معاملہ ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ یہ مکتوب جو شیخ عبدالاحد نے حضرت والا کی خدمت میں ارسال کیا اس پر دلالت کرتا ہے۔ خط یہ ہے۔

"بعد حمد صلوٰۃ کے واضح ہو کہ بلاشبہ آپ کا مکتوب۔ مکتوب رحمان ہے اور آپ کا خطاب، خطاب منان ہے جس نے آپ کو طلب کیا اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا۔ اور جس نے واجد کو پالیا اس نے آپ کو طلب کیا۔ اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا۔ اور جو آپ سے غافل ہوا وہ اپنے رب سے بے پرواہ ہو گیا۔ ہم آپ کے ہیں اور اس کے جس نے آپ کو دوست رکھا۔ میں نے آپ کو معروف کے قریب اور رؤف کا ندیم پایا۔ پس آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے ؎

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ۔۔۔ بیاد آر حریفاں بادہ پیمارا

اب عذر کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ تجلی حق کو عشاق کے آئینہ میں سمو دے۔ ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ۔۔۔ کانگشت نمائی عالمی خواہی شد نہتی!

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحد نے یہ دو اشعار اپنے خط میں لکھے ؎

یار از آغوش دل مے جو شد و دورم ہنوز ۔۔۔ صد تجلی ساقی بزم ست و مخمورم ہنوز

لن ترانی اگرچہ یک وادی خرامم کردہ است ۔۔۔ میکند کاشانہ رنگیں آتش طورم ہنوز

حضرت شیخ نے اس مکتوب میں لکھا۔

مخدوما و مشفقا! کام کا انحصار قلب پر ہے جب تک آغوش دل فراموش نہ ہو جائے تخلئی از تجلی حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہاں خانۂ دل کا کاشانۂ غیرت کی آگ سے نہیں جلتا اور

خجلۂ حقیقت سے بے رنگی کی دلہن اپنا رخ نہیں دکھاتی اور دوری و مخموری کے حجابات درمیان سے نہیں اُٹھتے۔ وسقاکم ربکم دھاقا لا یصدعون بعدھا شقاقا ولا تفترقون فراقا ۔

برنگیرد جہاں عشق دوئی چہ حدث ست ایں حدیث توئی

شیخ عبدالاحد نے پھر لکھا۔ "تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں بنایا پھر ہم نے اسے پالیا اور ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا۔ تو ہم نے تاریکیوں کو چھوڑ دیا اور ہماری طرف بشیر اور نذیر بھیجا۔ ہم نے اس کی اتباع کی۔ اس نے ہم پر کتاب مبین نازل فرمائی۔ ہم نے اس کی تلاوت کی۔ اس نے ہم پر جمالی اور جلالی تجلی ڈالی اور اپنے انعامات اور وصال سے معزز کیا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر قہر کی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور جب اس نے عالم قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لئے کوئی پریشانی اور دکھ باقی نہ رہا۔ اس نے ہمیں اپنی عظمت دکھائی تو ہم ایک زمانہ تک حیرانی میں پڑے رہے۔ ہم نے اس کی شراب معرفت پی تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ ہم نے اسے چشمہ مکاشفہ سے دیکھا۔ تو اس نے ہم سے محبت کی۔ ہم نے چشم بصیرت سے اسے دیکھا تو ہم اس کے قریب آ گئے۔ اس نے صفات سے ترقی دے کر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا۔ اور اس نے اپنے کلمات اور کمالات کی شان کے مطابق ہم سے سلوک کیا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی عبارت سے اسے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔

ومن بعد ھذا ما تدق صفاتہ واکتمہ احظی لدیہ واجمل

یہ تو ہوا اگر پیاس باقی ہے، جب تک پنڈلی پنڈلی سے نہ لپٹ جائے۔ وعدہ پورا نہ ہو جائے اور چلنا تھم نہ جائے بس اس دن روزِ فراق ختم ہو جائیگا۔ اسی پر ہمارا یقین ہے۔ پھر مولانا ہم اپنی باتوں اور تمام لغزشوں پر اے اللہ کے بندو تمہارے وسیلہ سے اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں ۔۔۔۔ حضرت والا نے ان کے جواب میں یوں لکھا:

شیخ ابو الرضا کا مکتوب۔ پیاس کا باقی رہنا پیاسے کے موجود ہونے پر دلالت کرتا ہے اور فراق کے اثر کا نشان مہجور کے وجود کے بقا کی دلیل ہے۔ اور قیود کی نشانیوں کے باوجود

فراق کا ہونا تشنگی کی علامت ہے اور قائل وجود کے نزدیک تشنگی کا باقی رہنا۔ ترقی سے رک جانا ہے پس جس طرح قیود کی نشانیوں پر وقوف کے باوجود اطلاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح وصال محبوب کے ساتھ فراق کا تصور نہیں ہو سکتا۔ لہذا محدث جمیم کی صفات کے ہوتے ہوئے محدث قدیم کی صفات کی طرف عروج ممکن نہیں تو ذات حضرت واجب کریم کی طرف ترقی کیسے ممکن ہو گی۔ پھر پنڈلیوں کا لپٹ جانا اور ہلنے کی انتہا بعض کے حق میں موعود ہوتی ہے اور بعض کے حق میں موجود۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کلا یعنی حقیقتا اذا بلغت التراقی یعنی جب نفس انسانیہ اپنے سینے کی بلندیوں یعنی اس کی انتہا کو پہنچ جائے تو عالم امر میں مشاہدہ جمال الٰہی کے اشتیاق کا یہی نقطۂ عروج ہے وقیل من راق یعنی اس کے باطن سے کہا جائیگا کہ کون ہے جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور زہر جدائی سے شفا بخشے۔

لسعت حیۃ لھوی کبدی فلا طبیب لھا ولا راق
الا الحبیب الذی شغفت بہ انہ رقیتی وتریاقی

(محبت کی ناگن مجھے ڈس گئی ہے اب اس کے لئے نہ کوئی طبیب ہے نہ کوئی جھاڑ پھونک والا۔ بلکہ میرے لئے میرا محبوب منتر بھی ہے اور تریاق بھی)۔

وظن انہ الفراق یعنی بقایا لحبیب کا پیاسا سمجھے گا کہ اس پر جو قلق واضطراب نازل ہوتا ہے۔ وہ محبوب کے علاوہ تمام چیزوں سے جدائی کی وجہ سے ہے۔ والتفت الساق بالساق یعنی عالم کون وفساد کی ساق۔ عالم رحمان کی ساق سے مل گئی یعنی وہ ان دونوں کا مشاہدہ کریگا اور یہی مقام مشاہدہ ہے۔ الیٰ ربك یومئذن المساق یعنی جس دن ایسا ہوگا تو اسے اس روز عالم الٰہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائیگا اور وہاں اسے ماء زلال پلایا جائیگا اس کے بعد کسی کو تشنگی وصال باقی نہیں رہے گی۔ اس مقام پر عین۔ اثر مخبر کوئی بھی باقی نہیں رہے گا نہ تو سعادت سرمدیہ سے سعادت مند ہوگا اور نہ حضرت الٰہیہ کے انتخاب میں آنے کے بعد دور کیا جائیگا

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب

ایک بار پھر حضرت شیخ ابو الرضا نے شیخ عبدالاحد کو خط لکھا۔

شیخ ابو الرضا کا مکتوب۔

یا منی الیٰ وجہ حجی و معتمری. وحجر قوم الیٰ ترب واحجار
لبیک لبیک من قرب و من بعد سرا بسر و اجہار ابا جہار

(۲) سبحانہٗ و تعالیٰ کے حسن و جمال کو احاطۂ تحریر میں کیسے لاؤں اور اس کی عظمت و جلال کے متعلق کیا لکھوں کسی کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے اور کسی کو شان بے نیازی سے چھوڑ دیتا ہے افسوس تفاوتِ راہ پر۔ ایک ہی جگہ سے لوہے کے دو ٹکڑے میں ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے اور دوسرا بادشاہ کے لئے آئینہ ۔ دوہرہ

بہت ابہا کی کلسری جاگ رہی لورائی ایک جو پیو کیوں چاہی سوتی لینہ جگائی

شیخ ابوالرضا نے ایک بار پھر شیخ عبدالاحد کو لکھا۔

حکایت۔ محبت نے محنت کو لوح محفوظ میں دیکھا۔ کہا کہ میرا نقش تیرے نقش کی مانند اور تیرا نقش میری طرح ہے۔ صرف ایک نقطہ کا فرق ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا کہ جہاں تو ہوگی وہاں میں ہونگی اور جہاں میں ہوں گی وہاں تو ہوگی ؎

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم و نمی دانستم

کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ شعر حکایت کا جز نہیں ہے بلکہ وحدت کی طرف ترقی کی طلب اور درجہ محبت میں تصور تنبیہ کے لئے اس پر اضافہ ہے۔

پھر ایک مکتوب میں لکھا۔

"معرفت خاصہ، اضافہ کے دور کرنے اور انت کے نورانی شعلوں کے تسلسل سے انا کو جلا دینے کا نام ہے۔ ؎

طوارق انوار تلوح اذا بدت فتظہر کتمانا و تخبر عن جمع

(نورانی ستارے جب ظاہر ہوتے ہیں تو وہ چمکتے ہیں۔ وہ پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتے اور تمام کی خبر دیتے ہیں) اور خاص الخاص معرفت نظر احدیت کے ساتھ اضافت کا مشاہدہ کرنا ہے۔ ؎

فامطر الکاس نار من ابارقہا فانبتت الدر فی ارض من الذہب
و سبح القوم لما ان راوا عجبا نورا من الماء فی نار من العنب

محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارہ لکھا کہ میں نے حال حاصل کرنے

کے لئے جو ہلیلہ اسہال استعمال کیا تھا اس سے ابھی تک حال کا اسہال ظہور پذیر نہیں ہوا۔

حضرت والا نے جواباً لکھا۔

" میری ناقص رائے میں یہ آیا ہے کہ آپ کا مزاج مبارک صفراوی گرم خشک ہے جو کہ راہ حق کے سلوک کے لئے مفید ہے لیکن بعض رسمی باتوں کے سننے اور قیاسات فاسدہ عقلیہ کی وجہ سے غیر طبعی سوداوی اخلاط جو کہ سالک کو منزل مقصود پر پہنچنے سے روکتے ہیں، غالب آگئی ہیں چونکہ حکیم حاذق نہیں تھا۔ اس لئے اس نے بیماری کی تشخیص نہیں کی اور ہلیلہ سیاہ بجائے ہلیلہ زرد دے دیا۔ اس نے صفرا کی حفاظت کے بجائے سودا کی مدد کی، کام الٹا ہو گیا اور مزاج کی حالت بگڑ گئی۔

حاذقانِ طریقت اور ماہرینِ حقیقت حکمتِ نظری و عملی کے ساتھ گرم خشک شربتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مزاج کی اصلاح کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کا حجاب نہیں اور وہ باطن ہے کہ اس کے سوا کوئی باطن میں نہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مناجات میں فرمایا۔ اللھم انت الظاھر لاظاھر فوقك وانت الباطن لاباطن دونك۔

توھمت قد ما ان لیلٰی تبرقعت   وان لنا فی البین مایمنع اللثما

فلاحت فلا واللہ ماثم مانع   سوی ان عینی کان من حسنھا اعمٰی

ے   گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

حقیقت کا سرمہ ڈالنے والے سرمۂ عنایت آنکھ میں لگاتے ہیں اور اندھوں کو بخش دیتے ہیں۔ انی اُبرئُ الاکمہ والابرص۔ یہ لوگ سرمۂ عنایت کو زبان طیور سے ہی لکھتے ہیں، سمجھ دار نے سمجھ لیا اور ناسمجھ محروم رہ گیا میں لکھتا ہوں خدا ہدایت دینے والا ہے۔

سرمۂ عنایت دو اجزا سے مرکب ہے۔ ترقیق اور تسحیق۔ ترقیق یہ ہے کہ قلم اعلیٰ نے حروف سے عالیات کو شگاف دیا تو وہ دو زبان ہو گیا۔ ظاہر الوجود، دوسری باطن الوجود، پھر باطن الوجود نے دو راستے اختیار کئے جس سے امر و خلق ظہور پذیر ہوئے، ہر شخص کو قسماً قسم کی اجناس عنایت فرمائیں ے

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم   مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

تسحیق یہ ہے کہ قریب کو بعید اور اسفل کو اعلیٰ میں پیس کر آنکھوں میں ڈالیں تا اس سے

شہود کی بجلیاں چمکتی ہیں اور دلوں کی زمین جمال مطلق کے نور سے منور ہو جاتی ہے واشرقت الارض بنور ربہا۔ اور احدیت ذات کی سطوت کی چمکدار کڑک طالب کی ہستی کو عالم نیستی میں لے جاتی ہے۔ کل شئی ھالک الا وجھہ کا مفہوم ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس وقت ہر شخص اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور محمد مرزا، محمد مرد اہو جاتا ہے ؎

جز یکے نیست نقد ایں عالم ۔۔۔ باز بیں وبعالمش مفروش
گل ایں باغ را تو ئی غنچہ ۔۔۔ سر ایں گنج را توئی سر پوش
آں شناسد حدیث ایں دل مست ۔۔۔ کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

کاتب حروف کہتا ہے کہ ہلیلہ اسہال سے مراد، ریاضات شاقہ ہیں اہل سلوک رذائل سے باطن کی صفائی۔ گوناگوں محبتوں اور دنیا کے نقوش سے دل کو فارغ کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ اور اس کا قول "دست اسہال حال ردئی نداد" سے یہ مراد ہے کہ ان اعتکافات اور ریاضات سے تخلیہ اور تفریغ حاصل نہیں ہوئی بلکہ عجب، خود بینی اور کثرت وسواس ان رذائل کی مددگار اور معاون ہو گئی ہیں اور ان کے قول "صفراوی مزاج" کے متعلق جاننا چاہیئے کہ صفرا کی خاصیت ہر معاملہ میں گرمی، خشکی، تیزی اور سرعت ہے۔ لہذا وہ عاشق جس کی طلب میں گرمی ہو، سریع السیر اور قوی دل ہو، تعینات بھی اس کے نزدیک نہ بھٹک سکتے ہوں، صفراوی المزاج ہے۔ اور وہ جو شکوک وشبہات۔ قطع علائق میں بزدلی، حدیث نفس، وسوسوں اور زمہنہ وساوس وخطرات میں مبتلا ہو، سوداوی مزاج کے مشابہ ہے۔ جو شخص ان معنوں میں صفراوی مزاج واقع ہوا ہو وہ اپنی اصل فطرت میں وصول کے لائق اور اس کی اس میں استعداد ہے اور جو شخص سوداوی مزاج ہے وہ وصول وحدت سے محروم ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل فطرت میں صحیح الاستعداد ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ سوداوی مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اور ان سے اس قسم شکوک وشبہات حاصل کر لیتا ہے۔ خصوصاً اہتمام اور کامل توجہ کے ساتھ کیونکہ دین الٰہی شبہات کے اتباع کا نام ہے، اور یہ کمال نہیں ہے تورع ہے۔ نفس ناطقہ اس کو ملکہ بنا لیتا ہے۔ اور یہ روحانی بیماری ہے۔ اعضاء میں ہوتی ہے اور وصول سے باز رکھتی ہے اور ان کا قول "بجائے ہلیلہ اسود، ہلیلہ اصغر بداد" کا مفہوم یہ ہے کہ ہلیلہ سیاہ، سوداوی اخلاط کا مسہل ہے اور وسواس

جو سودا کو لازم ہیں بٹھا دیتا ہے۔ اور ہلیلہ زرد صفراء کا مسہل ہے۔ یہ گرمی خشکی اور سرعت کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ سخت مشقتیں نشاط کو دور کر دیتی ہیں لہذا یہ ہلیلہ زرد کے مشابہ ہونگے اور انکشاف توحید وسواس کو دور کر دیتا ہے پس یہ ہلیلہ سیاہ کے مشابہ ہوگا۔ ائمہ سلوک کا طریقہ نشاط، گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن وہ تمام ذاتِ حق میں ہوتے ہیں اور ریاضات شاقہ سے نشاط اور گرمی دور ہو جاتی ہے۔ وقولہ حافقان طریقت الخ" جاننا چاہیئے کہ صوفیاء سالکین کی تربیت کے لحاظ سے دو گروہ ہیں۔ ایک متقدمین کا مذہب ہے جس کو امام محمد غزالی نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کرتا ہے تو اسے وہ کہتے ہیں خلوت میں بیٹھیئے اور لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھیئے اور تمام حالات میں اپنے نفس کی مخالفت کرے۔ اپنے آپ کو ایسا بنالے کہ لوگوں کی گالی گلوچ اور مار پیٹ سے اس کا نفس شورش نہ کرے اور لوگوں کی تعریف اور برائی اس کے نزدیک برابر ہو جائے اور نوافل اعمال کو بکثرت کرے۔ ریا، غرور اور عجب کی باریکیوں کو اچھی طرح سمجھے اور ان کی جستجو و تلاش کرے اور طعام میں پوری احتیاط کرے مشتبہ چیز چھوڑ دے۔ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے اور تمام حالات میں آداب کے لحاظ کو ضروری سمجھے وغیرہ ذالک اور ان امور میں اسقاطِ رذائل کو ساقط کرنے اور زائل کرنے) اثباتاً کمالات کو حاصل کرنا اور قائم رکھنے کیلئے) ان معالجات کے ساتھ جو اشعار وعطیات کے ذکر کے قبیل سے ہوتے ہیں تمسک کرتے ہیں۔ جب تمام سے پاک ہو جائے تو اسے خدا تعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ جیسا کہ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں بالتفصیل بیان ہوئی ہیں۔

دوسرا مذہب متاخرین کا ہے جن کے فیض سے کئی عالم منور ہوئے ہیں نقش بندیہ، قادریہ اور چشتیہ سے ہے اور یہ وہ مذہب ہے کہ جب کوئی شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے تو اسے ایسے افکار و اذکار جو حضوری اور شوق وعشق کی زیادتی، توحید، نفی ماعدا، گوناگوں تعلقات اور خلق کی محبت سے کنارہ کشی کا باعث ہوتے ہیں میں مشغول ہونے کا حکم دیتے ہیں اور فرائض اور سنن موکدہ کی ادائیگی کے بعد ان اذکار کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول کرتے ہیں، نہ تو تخلیہ نہ ہی نوافل اعمال اور نہ ہی کھانے پینے میں احتیاط کی ہدایت کرتے ہیں بجز اس چیز کے جو کتب سنت میں ظاہر اور نہ ہی محافظت آداب معاش وغیرہ کے لئے کہتے ہیں۔

جب سالک اللہ کے فضل سے گرمی شوق اور نفی ماعدی حاصل کر لیتا ہے تو اوصاف رذیلہ خود بخود مٹ جاتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا نے اپنے رسالہ قدسیہ میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور گرم خشک اشربہ یہی اذکار ہیں۔ اور حکمتِ نظری قبول شیخ ہے اور حکمتِ عملی۔ اس کا ذکر میں کوشش کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حکمتِ نظری انکشاف توحید ہے اور عملی دوام حضور ہے۔ اور قولہ ترقیق و تسحیق الخ محل عنایت سے مراد شہود وحدت و کثرت اور وحدت میں شہود کثرت ہے اور یہ حقیقت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک کثرات کی صورت میں ظہور مبادی کی معرفت کے ذریعہ ہے اور اس کا نام ترقیق جو کہ نفس امارہ کو پیسنے اور اس کی قوت کا باقی نہ رہنا ہے جو کثرت میں ظہور کے لوازم میں سے ہے، رکھا ہے۔ اور دوسری چیز وحدت میں اندراج کثرت کی معرفت کے ذریعہ ہے اور اس کا نام تسحیق اس لئے رکھا گیا کہ یہ تحصیل اجزاء۔ وجود کی ماہیت کی مغائرت کا ملاحظہ اور تمام ماہیات کا ماہیتہ الماہیات میں مندرج ہونا اور وجودات کا وجود الوجودات میں مٹ جانے کی خبر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ "ہر کسے از مرزائی خود آگاہی یابد" یعنی حقیقت میں حضرت وجود ہے اور مرزا محمد گرد سے مراد یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ واللہ اعلم

محمد مرزا نے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا۔ ؎

مردم دیدہ تیمم کردہ از خاکِ درت   گرچہ در خانہ خود آب روانی دارد

مکتوب شیخ ابوالرضا۔ حضرت والا نے ان کے جواب میں لکھا۔

مخدومنا! تیمم طہارت مجازی ہے۔ مردم دیدہ تو طہارت حقیقی حاصل کرتے ہیں اہلِ حقیقت کی درگاہ خاکِ مجاز سے پاک ہے۔ مردان دیدہ ور مردان کور دیدہ ہیں۔ گھر میں پانی تو موجود نہیں سراب کو پانی سمجھ لیا اگر انہوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا ؎

مردم دیدہ آب باید کرد   خانۂ خود خراب باید کرد

تاکہ احدیت ذات کا آفتاب سر پردہ عزت سے جلوہ گر ہو اور تمام اشیاء کلیتہً لاشئی ہو جائیں۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار کا راز آشکار ہو جائے ؎

آں سر کہ از گوش شنیدیم ز خلقی   از علم بعین آمد واز گوش باغوش

کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اقتباس سوءِ ادب ہے کیونکہ مردم دیدہ چشم سالک کی روشنی مردم دیدہ ہے یا مردم نادیدہ ہے یعنی انسانِ کامل کو پہچان کر اس کا معتقد ہوا ہے یا نہیں لیکن وہ جو مردم دیدہ ور ہوتا ہے وہ ان کی درگاہ کو محض حقیقت جانتا ہے اور شہود اتم کا فائدہ حاصل کرتا ہے پس اس کے حق میں تیمم کرنا نہیں کہہ سکتے کیونکہ تیمم طہارت مجازی ہے اور اگر مردم نادیدہ ہے تو انسانِ کامل کا معنی ظاہری احوال کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ ابھی تک حجاب اور اشتباہ میں ہے۔ اگر پانی کو دیکھا ہوتا یعنی انسان کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور نگاہ کی روشنی ہوتا اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا۔ اگرچہ شاعر نے "دو چشم برخاک نہادن" جو کہ انتہائی تواضع ہے، کو اس طرح رنگیں لباس میں بیان کیا ہے۔ لیکن بظاہر اس کے معنی کی غرض یہ تھی کہ اگرچہ کمالات طریقت کو مشائخ آبا و اجداد سے میں نے حاصل کیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ جناب شیخ سے بعض فوائد اخذ کروں پس خود بینی کے ساتھ یہ غرض جو کہ فائدہ تام کے لئے رکاوٹ ہے وقوع پذیر ہوئی۔ اس معنی کا قرینہ یہ ہے کہ مکتوب کے آخر میں انہوں نے یہ لکھا ہے۔ دوھرہ۔

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ   دریں کر انپوں ہو سو واہی معنی لکھ دیکھ

حضرت والا نے دوسری مرتبہ محمد مرزا کو لکھا۔

اظہار اسرار بیقرار عشق نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے۔ خزانہ دنیا پر تقسیم کر دیا۔ صبح ظہور نے پہلی سانس لی اور نسیم عنایت ازلی چلنے لگی۔ عاشق آب حیات کے سراب میں گم ہو گیا۔ کمر شوق باندھ کر صدق کے قدم کو راہِ طلب میں رکھا۔ انہی پہلی نظر کھولی تو اس کی نظر جمال معشوق پر پڑی تو اس نے خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا۔

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز   کہ حقیقت کند برنگ مجاز

تا بدام آورد دل محمود   بطراز دلشانہ زلف ایاز

مکتوب دیگر۔ حضرت والا نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کو حقیقت جامعہ کی زبان میں لکھا۔ ۔ ہو الحی القیوم۔

اے میرے مرزا اور اے میرے جلال! تو میری وحدانیت کو طلب کرتا ہے حالانکہ تو اپنی انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کرتا ہے یہ تو سراسر شرک جلی ہے شرک خفی نہیں

کیا تو میری عزت سے نہیں ڈرتا اور تجھے میری فردانیت سے حیا نہیں آتی۔

اے مرحوم! تو تو موہوم ہے اور میں معلوم ہوں۔ میں نور اور تو ظہور ہے۔ میں حق اور حقیقت ہوں اور تو مجاز اور طریقت ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو تعظیم کرنے والا موحد ہو تو موہوم کو اٹھا دے اور معلوم کو قائم کر اور اپنے قلب سلیم اور سر قدیم کے ساتھ کہو کہ کسی عیب اور شک کے بغیر ہر مکان اور ہر زمان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں اور میں نہیں۔ بلکہ وہ ہے۔ جب تو نے دوئی کو اٹھا دیا۔ تو عین کے ساتھ مل گیا۔ اگر تو نے اس میں شک کیا تو تو مریض ہے اور اگر تو نے تردد کیا تو تو معزول ہے اگر تو نے اپنے ایمان و یقین کے ساتھ قبول کر لیا تو تو مقبول ہے پس تو شک کرنے والوں اور رد کئے گئے لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ میں نے تجھے اپنی رحمت کے پیش نظر جواب دے دیا لیکن تم میری عظمت سے غافل نہ ہونا اور تجھ پر لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تیری طرف القا کیا ہے اسے دھتکارے ہوئے انسانوں پر ظاہر نہ کرے۔ راندہ ہوا وہی ہوتا ہے جو معطل اور بیکار ہو اور مرحوم وہی ہوتا ہے جو واصل ہو۔ اگر تو نے میری کلام کو سمجھ لیا ہے۔ تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔

ایک اور خط میں حضرت والا نے لکھا۔

خدائے واحد اور احد کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھے حق اور شہنشاہ مطلق نے کہا۔ اے میرے فرد اور میری رضا! مجھے اپنی عزت اور جمال کی قسم میں احد ہوں اور میرے وراء کچھ نہیں اور میں ہی موجود ہوں۔ میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے شیونات اور صفات ظاہر کئے۔ اور مخلوق کو پیدا کیا۔ میں ہی حق اور حقیقت ہوں میں ہی ہر چیز کے لئے ذات اور ذی روح کی حیات ہوں خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر ہے جو شخص میرے ساتھ بقا چاہتا ہے۔ تو وہ میری خلا کا مراقبہ کرے اور مجھے میرے ذکر لاہوتی کے ساتھ یاد کرے۔ جبروتی اور ملکوتی کے ذکر کے ساتھ یاد نہ کرے۔ وھولاھوالاھو جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔ ایک اور مرتبہ حضرت والا نے لکھا۔

وہ بے چون ہے اور تمام کیفیات اس کی بے کیفی سے پیدا ہوتی ہیں وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی غایت اور ان بلند مرتبتوں کی نہایت بواطن میں رفیع الشان ذات کی سرمدی احدیت اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر اسرار ہیں لیکن چونکہ

کثرت کی ذات میں کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت احدیت میں رسائی احدیت کے طریق کے سوا ممکن نہیں اور اس سے مراد صراط مستقیم کی عینیہ کی وحدیت میں کثرت اعیانیہ کا ختم کرنا ہے جو کہ تمام انبیاء و رسل اور اولیاء کاملین کا راستہ ہے اور نمازی اپنی نماز کی فاتحہ میں اِھدِنا الصراط المستقیم سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں سید الطائفہ جنید قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ توحید ایک معنی ہے جس میں رسوم مضمحل ہو جاتے ہیں اور علوم اس میں مل جاتے ہیں اور اللہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ازل میں تھا اور بندہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے پہلے تھا

؎ دیدہ ور شو بحسن لم یزلی کو ز غیرت بسوز معتزلی
چہرۂ آفتاب خود فاش است بے نصیبی نصیب خفاش است

حضرت والا نے شیخ عبد الحفیظ کی طرف جو آپ کے خاص دوستوں میں سے تھا لکھا۔

"سمجھ لو کہ تم دریائے نور کے ایک نورانی بلبلہ ہو جو اکثر سرعت تمام گزر جاتا ہے اور اس حباب سے منہ پھیر لیتا ہے تو خود کو اس نور کا دریا پاتا ہے۔ اور اس سمجھ کو دلی توجہ اور قصد کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھ کیونکہ قصد و توجہ حالاتِ قلبی کو باقی رکھنے میں کامل اثر رکھتا ہے۔ جب قصد ٹوٹ جاتا اور غیر کے خطرہ کو راستہ مل جاتا ہے تو فوراً اس کے خیال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ کہ تُعرف الاشیاء باضدادھا۔ اور اس نور میں دل کی تنہا تاریک جگہ میں اسم ذات۔ اسم متکلم کے ساتھ حاضر ہو کر۔ فی الغد و والآصال علی التوالی والاتصال کہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ اور تمام سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے اور تمام فرشتوں اور انبیاء کی ارواح کو عالم بیداری میں دیکھتا اور ان سے فوائد عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ؎

چشمِ دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید عین دریا گشت چوں بیدار شد چشم حباب

ایک بار شیخ عبد الحفیظ نے حدیث قدسی جو قصہ معراج میں آئی ہے۔ قف یا محمد فان اللہ یصلی کا معنی دریافت کیا حضرت والا نے لکھا۔

"میری ناقص رائے میں آیا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیمرغ نے عالم خلق و امر کی فضا میں پرواز کی تو عالم کون و مکان کی سرحد کے آخری نقطہ پر پہنچے تو عالم قدس

حضرت الٰہی کی دلکشا ہوا دکھائی دی۔ اپنی علو ہمتی کی وجہ سے ارادہ کیا کہ اس عالم میں بھی پرواز کریں۔ اسی وقت پاکیزہ خطاب پہنچ گیا۔ "قف یا محمد" یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عالم امر کے آخری نقطہ پر ٹھہر جائیے کیونکہ یہ عبودیت کی حد ہے جس کے ساتھ مشاہدہ ربوبیت ہے فان اللہ یصلی۔ یعنی وہ چاہتا ہے کہ آپ کے ذریعہ عالمین پر نبوت و رسالت کا فیضان کرے اسلئے ضروری ہے کہ رسول اسی برزخ میں ٹھہرے تاکہ حضرت الٰہیہ سے معارف و احکام کا استفادہ کر کے عالم خلق و امر پر ان معارف کو بہائے اور فیضان کرے اور آپ کا میری حسب منشا قیام کرنا میری رحمت کو آپ پر زیادہ کھینچ لانے والا ہے۔ اس قیام سے جو آپ کی اپنی منشا کے مطابق ہو سے

ارید وصاله و یرید ہجری فاترک ما ارید لما یرید

فانی فی الوصول عبید نفسی و فی الهجران مولی للموالی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی علو ہمت کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ عالم الٰہی کی فضا میں پرواز کے بعد اس برزخ میں پھر لا کر ان سے خطاب کیا ہو اور بعض دوسرے دوراز کار معانی بھی جو محض متاخر صوفیاء کے مقلدین کے مذاق کے مطابق لکھے گئے ہیں۔

جب وہ بلند پرواز کے بعد اس برزخ وصفاتِ الٰہیہ کی فضا سے گزر کر مقصورہ برزخیہ کبریٰ جو مراتب تعینات میں سے پہلا اور حقیقتِ محمدیہ کے نام سے موسوم ہے، پر جا کر دم لیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ حقیقت ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے خطاب پہنچا "قف یا محمد" یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس برزخیہ کبریٰ پر ٹھہر جائیے جو کہ عارفین کے مقامات کی انتہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔ یعنی اس بلند مرتبہ اور مقام قربت پر فائز اپنے کامل بندوں پر وہ رحمت فرما رہا ہے یا ٹھہرنے کا حکم دے کر اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے کیونکہ ماوراء کی طلب کا شوق۔ وقت ضائع کرتا ہے اور ایسی چیز کو طلب کرنا ہے جس کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ اپنی ذات کی کر رہا ہے یعنی اپنے کمالات ذاتیہ کی ثنا کہتا ہے۔ اس کی طرف متوجہ عالمین سے بے نیاز ہے۔ اس کی حریم ذات اور اس کی عزت و جلال کی طرف کوشش کی کوئی گنجائش نہیں

تعالی العشق عن هم الرجال و من وصف التفرق و الوصال

متی ماجل شئی عن خیال یجل عن الاحاطة و المثال

(ترجمہ) عشق لوگوں کی ہمتوں اور وصال کے وصف سے بلند ہے جب کوئی شئی خیال سے بلند ہو جائے تو وہ احاطہ و مثال سے آزاد ہوتی ہے)

ایک اور مرتبہ شیخ عبد الحفیظ نے محققین کے قول "من شرط الولی ان یکون محفوظاً" اور اس میں جو جنید قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ "العارف یزنی یا ابا القاسم" کیا عارف سے زنا سرزد ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر انہوں نے سوچا پھر سر اٹھایا اور کہا۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً میں توفیق و تطبیق کی وجہ دریافت کی۔ تو حضرت والا نے اس کے جواب میں لکھا۔ دونوں اقوال صحیح اور معتبر اکابرین کے متفق علیہ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے قول کا مخالف نہیں۔ کیونکہ ولایت کی تین اقسام ہیں۔ ولایت ایمانی۔ ولایت عرفانی اور ولایت احسانی۔ ولی بولایت ایمانی و عرفانی محفوظ نہیں ہوتا۔ اس سے عمداً گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے چہ جائیکہ صغیرہ۔ لیکن ولی بولایت احسانی گناہ کبیرہ سے مطلقاً اور گناہ صغیرہ کے عمداً ارتکاب سے محفوظ ہے۔

حضرت والا کے ایک خط سے منقول ہے۔

طریقہ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد دس کلمات پر ہے (۱) تنزیہہ المقصود (۲) تفرید الہمۃ (۳) تجرید التوحید (۴) مطالعۃ الجمال فی الانفس و الآفاق والاطلاق (۵) فنا فی اللاہوت و (۶) البقا باللاہوت (۷) ذکر بالاجماع (۸) جمع بین الجہر والاخفاء (۹) الحد مع الاصفیاء (۱۰) الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الابتداء والانتہاء۔

آپ کے بعض مسودات میں آپ کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں ہے۔ الباء مقدر عام متعلق ہے جو کہ وجود ہے اور اسم سے مراد صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ذات کا ظاہر ہونا ہے اور لفظ "اللہ" واجب الوجود ذات کا علم ہے۔ جو کہ وجود بنفسہ تمام صفات کمال کا جامع اور ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے اور الرحمٰن الرحیم تفضل و احسان کے معنوں میں اس کی رحمت کے اسماء ہیں۔ پہلا اس فیض اقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعہ صور عظیمہ جو حقائق و ماہیات کے نام سے موسوم ہیں۔ اپنی استعدادات کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں اور دوسرا اس فیض مقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعہ یہ ماہیات خارج میں اپنے

لوازم اور توابع کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔

اس طرح اس کا معنی یوں ہوگا کہ وہ پہلے علمی طور پر حقیقتوں اور ماہیتوں کا بخشنے والا اور فیاض ہے اور اس کے بعد خارج میں ان تمام حقیقتوں اور ماہیتوں کو وجود بخشنے والا فیاض ہے۔ لہٰذا رحمان اور رحیم دونوں اسم ذات کی صفات ہیں یا اس کا بدل ہیں یا دونوں اس کا بیان ہیں یا رحمٰن یا رحیم دونوں صفات اس مقدر کی خبر ہیں جو اسم کی طرف لوٹتا ہے یا دونوں اسم کے بیان کے لئے اعنی کے مفعول ہیں اور لفظ اللہ کے متعلق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ الرحمٰن الرحیم کی ذات نہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اسم ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود ذات واجب تعالیٰ کے ظہور کی وجہ سے حضرت غیب وشہادت میں ہے۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں مرقوم ہے۔

الحمد للہ۔ حامدیت اور محمودیت اللہ تعالیٰ سبحانہٗ سے مختص ہے۔ یہ یا تو جمع الجمع کی حیثیت سے ہے جبکہ اس نے مرتبہ غیب و معانی میں پہلی اور دوسری تجلی کے ساتھ اپنے کمالات ذات کو اپنی ذات پر ظاہر کیا۔ اسی طرح اس پر مشتمل شیونات واعتبارات کا اولاً اور حقائق الٰہیہ کونیہ کا ثانیاً اظہار کیا۔ یا یہ مرتبہ جمع علی الفرق کی بنار پر ہے کیونکہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فیض مقدس کے ساتھ حقائق پر نور وجود کے افاضہ سے ان کی موجودہ استعدادات اور خارج میں ان کے تابع کمالات کو ظاہر فرمایا یا یہ مرتبہ فرق علی الجمع کی بنار پر ہے کیونکہ موجودات روحانیہ، مثالیہ اور حسیہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے افعال۔ صفات اور کمالات کو تمام زبانوں میں قولاً فعلاً اور حالاً ظاہر کرتی ہیں۔ یا مرتبہ فرق علی الفرق کی بنار پر ہے کیونکہ مظاہر خلیقہ اور مجالی الکونیہ نے اگرچہ احوال۔ افعال اور اقوال کی زبانوں میں اپنے کمالات کو ظاہر کیا ہے لیکن وہ سبحانہ وتعالیٰ کی اپنی ذات پر حمد ہے۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ جمال ہانسوی کے اقوال میں سے ہے

"تاہت عقول الاغیار فی احوال الاخیار" (اخیار کے احوال میں اغیار کی نظر نظریں بھٹک گئیں) اس کے متعلق فقیر نے کہا ہے

"تاہت عقول الابرار فی اسرار الاخیار و تاہت عقول الاخیار فی اسرار الاحرار" (ابرار کی عقلیں اخیار کے اسرار اور اخیار کی عقلیں احرار کے اسرار میں بھٹک گئیں)

یہ بھی مرقوم تھا کہ وجد تیرے اس وجدان کا نام ہے کہ حق اپنے اسمار وصفات کے ساتھ تیری ذات میں جلوہ گر ہوا اور تو تو نہ رہے اور وہی ہو بس بندہ ایسا ہو جائے جیسا کہ نہیں تھا اور حق ہو جیسا کہ لم یزل سے تھا۔ یہ بھی مرقوم تھا۔ فقیر کے نزدیک تفرید ایک لطیفہ ہے نسب اور اضافات کی انانیت میں تفرید نہیں ہے۔ یہ بھی تحریر ہے۔

محققین نے کہا ہے کہ عجز آخری مراتب پر پہنچنے والوں کی انتہا اور سب سے آخری ترقی ہے۔ اس سے آگے نہ کسی کامل کا گزر ہے اور نہ کسی کامل کے لئے عروج کی جگہ ہے لیکن اس سے مراد عجز مذموم نہیں جس کی طرف محجوبین کے ذہن منتقل ہوتے ہیں۔ بلکہ اس عجز سے مراد ادراک ازلی کے حصول کے بعد کا کمال ہے۔ پس اس ادراک کو حاصل کرنے سے عجز متحقق ہے اور اسی طرح صدیق اکبر نے کہا ہے۔ العجز عن درك الادراك ادراك۔ (ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ادراک ہے) یہ بھی تحریر ہے۔

"کمال مطلق سے مراد ولی کا وہ مقام ہے جس میں کامل کو حقائق اشیاء بکمال و تمام عطا کئے جاتے ہیں پس وہ ربوبیت کی تمام صفات عبودیت کی تمام اوصاف کے ساتھ ایک ہی وقت میں متصف ہوتا ہے۔ یہ بھی تحریر ہے کہ غنا لوازم بشریت کے فقدان کا نام ہے۔ یہ فقدان یا تو ان لوازم سے ذہول کی وجہ سے ہے یا ان کے منعدم ہونے کے علم کی بنار پر ہوتا ہے یا حقیقی حال کی وجہ سے ہے اور فنا کے نو مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ اس سے مراد۔ بندے کا اپنے نفس کے متعلق اہل حجاب کے لئے ذکرِ حق میں استغراق کے وقت اور اہلِ کشف کے لئے انوار جمال کے ظہور کے وقت عدم شعور ہے۔

دوسرا مرتبہ ذہاب ہے۔ اور اس سے مراد افعال حق کے شہود سے بندے کی اپنے افعال سے اس طرح فنا ہے جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں ہو۔ اور کبھی اس کا اطلاق ترقی پر بھی ہوتا ہے تیسرا مرتبہ سلب ہے اور اس سے مراد صفات حق کے ظہور کی وجہ سے صفات خلق کا فنا ہونا ہے۔ چوتھا مرتبہ اصطلاح ہے اور وہ بندے کا اپنی ذات سے وجود ذات حق میں فنا ہے۔ پانچواں مرتبہ انعدام ہے اور یہ بندے کا اپنی فنا سے فنا ہونا ہے پس اسے یہ شعور بھی باقی نہیں رہتا کہ وہ فانی ہو چکا ہے۔ چھٹا مرتبہ محق ہے یہ نفس عبد سے جس کے زوال

کا نام ہے پس وہ صفات الٰہیہ کو بغیر عمل اور تکلف کے اس طرح قبول کر لیتا ہے جیسا کہ وہ اپنی صفات کو قبول کر لیتا ہے اور یہ تحقق باللہ کے مقامات میں سے پہلا مقام ہے۔

ساتواں مرتبہ محق ہے۔ یہ بندے کی جسمانیت اور روحانیت کی حد اور حصر کے زوال کا نام ہے۔ آٹھواں مرتبہ طمس ہے اور یہ اس کی طبیعت، عادت، ظاہر اور باطن سے تمام لوازمات بشری اٹھ جانے کا نام ہے پس اس میں سخت بھوک، ہمیشہ جاگتے رہنا وغیرہ کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے۔

نواں مرتبہ۔ محو ہے۔ یہ تمام آثار طبیعت کے زوال اور ظہور آثار حقیقت کے کمال کا نام ہے پس پہلے پانچ مراتب اہل فنا کے ساتھ اور آخری چار اہلِ بقا کے ساتھ مخصوص ہیں اور بقا صفت الٰہیہ ہے۔ جس سے بندہ اس وقت متصف ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس سے فنا ہو جاتا ہے۔

حضرت والا نے رسالہ "اصول الولایۃ" میں۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ولایت کبرٰی کے فرائض چھ ہیں۔

فرائض ولائیت کبریٰ۔ چار فرائض آیت مذکورہ کی ترتیب کے مطابق یہ ہیں۔

اوّل۔ دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کے ساتھ ایمان لانا۔ دوم۔ نواہی سے اجتناب اور اوامر کے مطابق عمل کر کے تقویٰ حاصل کرنا۔ سوم۔ شیخِ طریقت کی طلب کیونکہ وسیلہ سے یہی مراد ہے۔ دوست تک پہنچنے کا راستہ اس سے واضح ہوتا ہے۔ چہارم۔ انانیت کو فنا کرنے اور عبودیت کے اثبات کا جہاد ہے اور شہود دوست کی گرفتاری کے ساتھ بقا کے ذریعہ خود سے آزادی کو دُور کرے۔ کیونکہ فلاح اسی کا نام ہے اور یہی ولائیت کبرٰی ہے۔ اسی رسالہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ۔

"جب مرید صادق خلوت میں آئے۔ پہلے وہ مکمل طور پر اپنے ملک سے نکل جائے کامل غسل کرے، جائے نماز اور لباس پاک چاہیئے تاکہ پاک ذات کے لائق ہوں خدا کی طرف متوجہ توبہ کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنی نجات خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں سمجھے اور تضرع وزاری کے ساتھ خلوت میں بیٹھے جمعہ اور جماعت تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کرے سلام کے بعد جلدی سے خلوت میں چلا جائے اور ہمراہ سے بچے دائیں

بائیں نہ دیکھے۔ لوگوں کی نظروں سے بچے، اور لذت نفس سے دور بھاگے۔ آمد و رفت میں غفلت اختیار نہ کرے۔ جو خلوت ایسی نہ ہو وہ بیکار ہے۔ ذکر و مراقبہ اور طہارت و انکساری سے کام رکھے۔ اگر ملال رونما ہو تو جلدی سے تجدید وضو کرے۔ اگر نیند غلبہ کرے تو سو جائے تاکہ حدیث نفس پیدا نہ ہو اور برائی کے راستہ سے بچ جائے۔ دن اور رات کا تیسرا حصہ آرام کرے تاکہ جسم میں بے چینی پیدا نہ ہو۔ یعنی چھ ساعت رات اور دو ساعت دن کے وقت آرام کرے۔ روز و شب کے کم و زیادہ ہونے کی نسبت سے دن رات کے مقررہ آرام کے اوقات کو گھٹاتا بڑھاتا رہے اور ثلث سے کمی تدریجی حاصل کرے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مکمل طہارت کے ساتھ مصلی پر رو بقبلہ ہو کر ذکر و مراقبہ میں نمازِ مغرب کا انتظار کرے۔ اور مغرب و عشا کے درمیان ذکر نماز اور مسلسل مراقبہ کرے، کیونکہ یہ قلب کو منور کرنے میں پورا اثر رکھتا ہے جب صبح طلوع ہو تو یہ چار دعائیں پڑھے تاکہ دنیا میں غرق نہ ہو اور نفس و شیطان کے شر سے امان میں رہے۔

پہلی دعا:۔ اللھم یارب انت الہ عالم وانا عبد جاهل اسئلك ان ترزقنی علما نافعا حتی اعبد بعلمك والاھلکت

دوسری دعا:۔ یارب، انت الہ غنی وانا عبدك فقیرا اسئالك ان تحفظنی حتی لا اسئل من سواك کفاف الدنیا، والا هلکت

تیسری دعا:۔ یارب انت الہ قوی وانا عبد ضعیف اسئلك ان تعیننی حتی اغلب الشیطان بقوتك والاھلکت۔

چھوتھی دعا۔ یارب انت الہ قادر وانا عبد عاجز اسئلك ان تجعلنی قاھرا علی نفسی حتیٰ اقھرھا بقدرتك والاھلکت۔

پس دو رکعت سنت گھر میں ادا کرے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے کہ جو شخص صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس بار یا حي یا قیوم یا حنّان یا منّان یا بدیع السموات والارض یا ذوالجلال والاکرام لا الہ الا انت اسئلك ان تحی قلبی بنور معرفتك یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ پڑھے۔ اگر تمام لوگوں کے دل بھی مردہ ہو جائیں، تو اس کا دل نہیں مریگا اور ایمان سلامت لے جائیگا۔ جب نماز کی نیت سے گھر سے نکلے تو

کہے۔ بسم اللہ و باللہ والی اللہ والتکلان علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور جب مسجد کے دروازہ پر پہنچے تو کہے۔ اللھم عبدك ببابك مذنبك ببابك وجه الیك عمن سواك یستغفرك ویطلب رضاك ان لم تفتح باب فضلك فای باب سوی بابك۔ دایاں پاؤں مسجد میں رکھے اور کہے۔ بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔ اور جب داخل ہو جائے تو کہے اعوذ باللہ العظیم وبوجهه الکریم وسلطانه القدیم من الشیطان الرجیم شیطان کے شر سے مامون رہے گا جب مسجد کے اندر داخل ہو تو سلام کہے اور اگر کوئی شخص وہاں موجود نہ ہو یا مشغول بہ نماز ہو تو۔ السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین۔ کہے۔ نماز ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ پر قبلہ رُو بیٹھ کر پوری کوشش سے ذکر اور مراقبہ میں مشغول ہو۔ کیونکہ اس وقت نیند سخت مکروہ ہے۔ اگر نیند غلبہ کرے تو ذکر کرتے ہوئے اُٹھنے بیٹھنے سے اسے رفع کرے۔ یہاں تک کہ سورج جب ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دو رکعت نماز شکرانے کی نیت سے ادا کرے۔ اس کے بعد مسجد یا خلوت میں جس جگہ جمعیت خاطر حاصل ہو۔ دن کے چوتھائی حصہ تک ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو۔ پھر چار رکعت نماز چاشت ادا کرے۔ اگر تعلیم و تعلم یا کوئی اور ضروری کام ہو۔ حاجت کے مطابق اپنے کام میں مصروف ہو۔ ورنہ پھر سے تازہ وضو کر کے ذکر و مراقبہ میں بیٹھے۔ اگر کھانے کی کوئی چیز موجود ہو تو کھالے اور کھانے کے دوران زبان سے ذاکر اور دل سے حاضر ہو۔ پھر تازہ وضو کر کے ذکر کرتے ہوئے قیلولہ کرے اور سورج ڈھلنے سے پہلے بیداری کو غنیمت جانے۔ تاکہ زوال کے وقت طہارت کاملہ کے ساتھ مصلی پر قبلہ رو ہو کر ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو چکا ہو۔ جب سورج پھر جائے چار رکعت نماز زوال ادا کرے۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی ضروری کام زیارت عیادت، بچوں کو پڑھانا اور ان کے حالات کی دریافت ہو تو بقدر ضرورت ان میں مشغول ہو اور جلد ان کے پاس سے اُٹھ جائے اور استغفار کرے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ اس کے بعد طہارت کی تکمیل کر کے عصر کی نماز کی تیاری کرے۔ اور عصر اور مغرب کے درمیان وقت میں ذکر و مراقبہ میں مصروف رہے سے

ے عمر برف است و آفتاب تموز | اندکے ماندہ خواجہ غرہ ہنوز
دل گفت مرا علم لدنی ہوس است | تعلیم کن ؤگرت بدیں دست رس ست
گفتم کہ الف گفت دگر ہیچ مگو | در خانہ اگر کسے است یک حرف بس ست

حضرت شیخ ابوالرضا قدس سرہٗ کا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف سفر

شیخ محمد ظفر رہتکی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ ابتدائی زمانہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہوگی۔ جب آپ کی عمر پچاس برس سے گزر گئی تو میرے دل میں ہمیشہ یہ خطرہ رہتا۔ جب آپ پچپن برس کی عمر کو پہنچے تو میرے لئے کسی کام کے لئے رہتک جانا ضروری ہو گیا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے مسکراتے ہوئے اس بات کے اظہار سے پہلو تہی کی اور فرمایا تمہیں وطن ضرور جانا چاہیئے ۔ اس خطرہ کو دل سے نکال دو حضرت شیخ کے یہ آخری کلمات تھے جو میں نے سُنے۔ گلشن شاعر کو یہ کہتے ہوئے میں نے سُنا کہ حضرت شیخ کی زندگی کے آخری دنوں میں شیخ عبدالاحد ایک روز آپ کی زیارت کے لئے آئے اور میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا۔ جب شیخ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ خلاف عادت پلنگ پر تشریف فرما ہیں اور تمام احباب نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے شیخ کو دیکھا تو تبسم فرمایا اور خندہ پیشانی سے ملے اور اسی پلنگ پر انہیں بٹھایا۔ کچھ دیر یہ مجلس رہی لیکن زبان سے گفتگو نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا دل تمام تعلقات سے منقطع ہو گیا ہے۔ اور فرط رمیدگی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چونکہ آپ کے اہل خانہ شیخ عبدالاحد سے قرابت رکھتے تھے۔ شیخ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اسی طریق پر بظاہر گفتگو کے بغیر مجلس رہی۔ پھر مؤذن نے مغرب کی اذان کہی۔ شیخ فخرالعالم آپ کے بڑے صاحبزادے نے عرض کیا کہ اذان ہو گئی ہے۔ باہر جانا چاہیئے۔ حضرت والا نے یہ نکتہ ارشاد فرمایا۔ بابا! ابھی تک اندر باہر کا فرق رہ گیا ہے۔ پھر باہر آئے اور مسجد میں نماز ادا کی۔ شیخ عبدالاحد نے اختتام مجلس کے بعد فرمایا کہ گویا آپ اس طرح بیٹھنے پر مامور تھے اور گویا ان کی موت کا وقت نزدیک آگیا ہے اور رفیق اعلیٰ کی طلب

ان پر غالب آگئی۔ اس واقعہ کو گزرے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انتقال فرمایا۔ احباب کی ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ حضرت والا کو کچھ کسل تھا۔ اس دوران میں آپ نے دو تین روز طعام کی رغبت نہیں فرمائی اور آپ کے دل میں بہت بے تعلقی پیدا ہو گئی۔ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔ اس کے بعد جب عصر کا وقت آیا تو نماز ادا کر لی "مقاماتِ خواجہ نقش بند" طلب فرمائی اور اس میں سے کچھ پڑھا۔ اسی دوران میں معتقدین میں سے ایک شخص نے پان پیش کیا۔ اس میں سے آپ نے ایک دو ٹکڑے تناول فرمائے اور خنداں و شاداں اس تکیہ پر جو پہلو میں پڑا ہوا تھا کا سہارا لیا۔ اسی وقت ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ نے اپنے دستِ مبارک سے شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کی طرف اشارہ کیا بعض احباب ان کی تلاش میں اُٹھے اور بعض نے آپ کو اس خیال سے کہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اٹھایا اور گھر کے دروازہ پر لائے۔ اسی حالت میں شیخ عبدالرحیم پہنچ گئے۔ انہوں نے تحقیق کی۔ دیکھا کہ روح پرواز کر چکی ہے۔ یہ ستر۱۷ہ محرم الحرام ۱۱۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ بعض احباب نے آفتابِ حقیقت سے تاریخ نکالی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وجعل اعلی الفردوس مثواہ۔ یہاں پر مخدومنا وسیدنا شیخ ابوالرضا محمد کے متبرک حالات جن کے جمع و تالیف کا میں نے ارادہ کیا تھا۔ ختم ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے رشتہ داروں اور اساتذہ کے حالات

یہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔

الحمد للہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات وعلیٰ فضلہ المعول فی جمیع الحالات وبسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وصلی اللہ علیٰ سیّدنا محمّد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ امابعد فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم کان اللہ تعالیٰ لہما فی الآخرۃ والاولیٰ، کہتا ہے کہ یہ چند اوراق اس فقیر کے بعض اجداد کے حالات کے بیان میں ہیں اور اس کا نام "الامداد فی مآثر الاجداد" رکھا گیا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ جاننا چاہیے کہ اس فقیر کا سلسلہ نسب امیر المومنین

عمر بن الخطاب کے ساتھ اس طرح پہنچتا ہے۔ فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم بن الشہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قارن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدھ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پرانے نسب ناموں میں جو کہ رہتک اور شاہ ارزانی بدایونی کے خاندان میں موجود ہیں۔ جن کا نسب سالار حسام الدین بن شیر ملک سے ملتا ہے۔ ان میں ایسا ہی پایا جاتا ہے اور ملک پرانے زمانے میں تعظیم کا لفظ تھا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں خان ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

واضح ہو کہ ہمارے خاندان میں سب سے پہلے جس نے رہتک میں رہائش اختیار کی۔ شیخ شمس الدین مفتی ہیں۔ اور یہ رہتک، ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک شہر ہے جو تیس کوس دہلی سے قبلہ کی طرف واقع ہے۔ شروع میں جب ہندوستان فتح ہوا اور سادات اور بہت زیادہ قریش نے وہاں اقامت اختیار کر لی۔ تو اس طرف کوئی شہر اس سے زیادہ آباد اور پر رونق نہیں تھا۔ مگر زمانہ کے گزرنے کے ساتھ وہ رونق اور آبادی جاتی رہی اور یہ شخص عالم اور عابد آدمی تھا اور سب سے پہلے قریش سے جو شخص اس شہر میں آیا اور شعائر اسلام کا ظہور اور طغیانِ کفر فرو ہوا وہی تھا۔ ان کے عجیب و غریب حالات میں سے ایک یہ بھی کہ واللہ اعلم۔ انہوں نے وصیت کی کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد اس کے جنازہ کو اس مسجد میں جو ان کی عبادت گاہ اور اعتکاف گاہ تھی میں رکھیں تھوڑی دیر اسے خالی رکھیں اس کے بعد اگر وہاں جنازہ موجود ہو تو دفن کریں ورنہ واپس آجائیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک ساعت کے بعد جب تلاش کیا تو جنازہ کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا حضرت والد بزرگوار اقدس سرہٗ جب اس حکایت کو بیان کرتے تھے تو اس کی تائید فرماتے تھے۔ اس وجہ سے اس زمانہ کے سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کے حالات کی کتابوں میں مَیں نے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ اگرچہ وہاں اس بزرگ کا نام نہیں لکھا بعض قرائن سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے ہر ذی وقار شخص جو

اس قسم کے قصبات میں قیام کرتا تھا۔ شہر کی سیاست از قسم قضا احتساب اور افتاد وغیرہ اس کے سپرد ہوتی تھی۔ ان مناصب کے بغیر بھی اسے قاضی اور محتسب کے نام سے پکارتے تھے واللہ اعلم۔

اس بزرگ کی زندگی ختم ہونے کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا کمال الدین مفتی ان امور میں اپنے والد کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے قطب الدین اور اس کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک نے اسی طریق زندگی بسر کی۔ ان بزرگوں کے بعد ان شہروں میں باقاعدہ طور پر قضات کے تقرر کا دستور ہو گیا۔ قاضی بدہ بن عبدالملک نے اپنی موروثی ریاست کی حفاظت کے لئے منصب قضا اختیار کیا۔ اپنے بعد اس نے دو بیٹے چھوڑے۔ ایک قاضی قاسم جو باپ کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا اور دوسرا منکن۔ اس کے بعد ایک بیٹا اس کی یادگار رہا۔ قاضی قاسم کے دو بیٹے تھے۔ ایک قاضی قارن جو کہ اپنے باپ کا جانشین اور شہر کا رئیس تھا بظاہر اس کا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہے۔ ہندوؤں کی زبان پر اس کی تحریف ہوئی واللہ اعلم دوسرا کمال الدین تھا جس کا ایک بیٹا نظام الدین نامی تھا۔

قاضی قارن کے دو بیٹے تھے۔ شیخ محمود اور شیخ آدم جو بہاتی خاں کے عرف سے مشہور تھا۔ اس کی نسل باقی ہے۔ شیخ محمود جو اپنے خاندان میں بزرگ تھے۔ اس نے کسی سبب سے قضا قبول نہیں کیا۔ بادشاہی نوکری کر لی۔ اس دوران اس نے زمانہ کا بہت تجربہ کیا۔ اس کا ظاہری حال رہتک کے صدیقیوں کی طرح تھا۔

اس کی شادی سونی پت کے بعد گھرانے کی ایک لڑکی آفریدہ سے ہوئی جس سے شیخ احمد پیدا ہوا۔ شیخ احمد بچپن میں ہی رہتک سے چلا گیا تھا۔ اور شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ پرورش پائی۔ موصوف نے اس کی شادی اپنی لڑکی سے کر دی اور ایک مدت تک اس کی تربیت کرتے رہے۔ اس کے بعد رہتک میں دوبارہ آکر قلعہ کے باہر عمارت تعمیر کی اور اپنے عزیزوں اور خدام کے ساتھ وہاں قیام کیا۔ شیخ احمد کی نسل اس کے فرزندوں میں سے اس کے دو بیٹوں کی اولاد میں منحصر رہی ایک شیخ مقصود جو بہادری حلم وغیرہ صفات ریاست سے متصف تھا۔ اس نے پہلے شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی مذکور کی ایک بیٹی

سے شادی کی جو اس کا ماموں تھا۔ اس سے شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے۔ اس کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جس سے شیخ عبدالغفور اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ دوسرا شیخ حسین تھا جو خوشحال اور فارغ البال تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ محمد سلطان اور محمد مراد۔ حضرت والد بزرگوار نے محمد مراد کو دیکھا تھا اور اس کی قوت گرفت کے عجیب و غریب واقعات مشاہد کئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسّی سال کی عمر میں دینار کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی میں لے کر رگڑتے اور اسے دوہرا کر دیتے۔ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) کو بچپن میں جب وہ دیکھتے تو کہتے کہ اس بچے کے دیکھنے سے مجھ پر رعب اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کے دادا معظم کو دیکھنے سے ہیبت طاری ہوتی تھا اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسے مطالعہ کرنے والا نسب کے اس حصہ پر مطلع ہو جائے۔ جو صلہ رحمی میں ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے۔

تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم فان صلۃ الرحم محبۃ فی الاھل مثراۃ فی المال منشاۃ فی الاثر۔ (رواہ الترمذی) اپنے نسب کا علم حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم صلہ رحمی کر سکو کیونکہ صلہ رحمی خاندان میں محبت کا باعث ہے۔ دولت اور شہرت اس سے بڑھتی ہے)

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ عبدالغنی مذکور کی بعض اولاد سے سنا ہے کہ وہ عالم متقی اور پرہیز گار تھے، اور جلال الدین اکبر ان کی تعظیم و توقیر کرتا تھا جب بادشاہ نے الحاد اور بے دینی اختیار کر لی تو وہ دوستی کا رشتہ ٹوٹ گیا، بلکہ ایک دوسرے سے شدید نفرت پیدا ہو گئی ایک مدت کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آگئی۔ اس طرف مسلسل افواج بھیجتا تھا لیکن فتح نہیں ہوتی تھی۔ اسی اثنا میں ایک رات امام ناصر الدین شہید ابن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مزار کے بعض معتکفین نے عالم بیداری میں دیکھا کہ ایک رئیس مسلح جماعت کے ساتھ آئے ان کے ساتھ ایک مشعل تھی وہ روضۂ امام میں داخل ہو گئے۔ دیکھنے والے نے سمجھا کہ مسافر ہیں جو زیارت کے ارادہ سے آئے ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ وہ بزرگ قبر میں داخل ہو گیا ہے اور اس جماعت میں سے ہر شخص ایک ایک قبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان میں سے بعض سے سوال کیا کہ یہ سردار کون ہے اور یہ جماعت کیسی ہے۔ اس نے کہا یہ شہداء کی ایک جماعت

کے ساتھ امام (ناصر الدین) ہیں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ یہ لوگ کہاں گئے تھے اور کیا کام کیا۔ اس نے کہا چتوڑ فتح کرنے کے لئے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں برج کی طرف سے فتح کر لیا۔ شیخ عبد الغنی کو جب اس عجیب واقعہ کی اطلاع ملی۔ فتح کی خوش خبری اور صورت واقعہ پورے کا پورا بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ کچھ دنوں بعد فتح چتوڑ کی خبر اسی کے مطابق موصول ہوئی جس میں سر مو فرق نہیں تھا۔ بادشاہ نے بارہ گاؤں حضرت امام ناصر الدین کے مزار کے لئے وقف کر کے شیخ عبد الغنی کے سپرد کر دیئے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد گرامی (شیخ عبد الاحد) ایک مدت تک شیخ عبد الغنی کی ملاقات کے متلاشی رہے کیونکہ شہر سون پت کے بہت ہی عمر رسیدہ بزرگ سے ایک راز ان تک پہنچا تھا اور وہ راز یہ تھا جو کہ اس نے بتایا میرے پیر مرشد جو کہ میرے جد مادری تھے اپنے انتقال کے وقت ایک شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بلایا تاکہ نسبت اور فیوض باطنی عطا فرمائیں۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حقیقت کا ایک راز ہمیں بتایا جسے سنتے ہی وہ درویش جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اسی طرح حیران و سراسیمہ رہ گیا حضرت والد بزرگوار اس راز کو سننے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت شوق رکھتے تھے۔ اچانک شیخ مذکور کسی مہم کے سلسلہ میں سرہند سے گزرے۔ جب سرہند پہنچے تو کاروان سرا میں قیام کیا۔ ہمارے والد بھی وہاں پہنچے۔ معانقہ اور رسمی مزاج پرسی کے بعد خلوت کی درخواست کی اور التماس کی کہ اس سربستہ راز کو ظاہر فرمائیں۔ شیخ نے اسے بیان کیا۔ جب میرے والد شیخ کے پاس سے باہر نکلے تو شیخ جمیل الدین جو صاحب دل فاضل اور ہمارے مخلصین سے تھے۔ ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے ان سے وہ راز پوچھا۔ فرمایا ہاں میں نے ان سے پوچھا وہ یہی مسئلہ تھا جس پر ہم ہیں اور ہمارے مشرب کی جان ہے۔ یعنی جو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ واحد حقیقی ہے جو کثرت کے عنوان سے ظاہر ہوا ہے۔ مگر چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا۔ یہ راز اچانک اسے معلوم ہوا تو وہ اسے برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا۔ اور شیخ عبد الغنی چونکہ عالم تھے اور صاحب تمکین اور اس راز سے واقف تھے تو وہ برقرار رہے۔

حالاتِ شیخ معظم ۔ شیخ معظم بہت بڑے بہادر تھے ۔ اس سلسلہ میں ان کے عجیب واقعات حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضرت والد بزرگوار فرماتے تھے کہ شیخ منصور کو ایک راجہ سے جنگ کرنے کا اتفاق ہوا ۔ میمنہ لشکر شیخ معظم کے سپرد ہوا ۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی زبردست جنگ ہوئی اور دونوں طرف سے بہت لوگ قتل ہوئے ۔ اسی اثنا میں شیخ معظم سے کسی نے کہا کہ شیخ منصور شہید ہو گئے اور اُن کا تمام لشکر شکست کھا گیا ۔ اس سے ان کی رگِ حمیت پھڑکی ۔ انہوں نے کفار کے سردار کا رُخ کیا ۔ اس اثنا میں جو بھی ان کے سامنے آیا قتل یا زخمی کر کے بیکار کر دیا ۔ بڑی سعی و کاوش کے بعد راجہ کے ہاتھی کے پاس پہنچ گئے ۔ وہاں ایک کافر سردار نے مقابلہ کیا اسے تلوار کے ایک ہی وار سے دو ٹکڑے کر دیا ۔ اور اسے گھوڑے کے نیچے ڈال دیا ۔ لوگوں نے اس پر ہجوم کر لیا اس راجہ نے تمام لوگوں کو منع کیا اور ڈانٹا اور کہا جو شخص اتنی کم عمری میں اس طرح کی جرأت اور بہادری کرتا ہے ۔ عجائبات زمانہ سے ہے ۔ اس کے بعد اس نے شیخ معظم کے دونوں ہاتھ چومے اور بہت عزت سے پیش آیا اور اس غصہ کا سبب پوچھا انہوں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں میں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کفار کے رئیس کو قتل نہیں کروں گا ۔ یا خود قتل نہیں ہو جاؤں گا ۔ راجہ نے کہا اس شخص نے جھوٹ کہا تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کا جھنڈا فلاں جگہ دکھائی دے رہا ہے ۔ پھر شیخ منصور کے پاس راجہ نے آدمی بھیجا کہ ہم اس بچے کی وجہ سے صلح کرتے ہیں اور شیخ منصور کے تمام مطالبات تسلیم کر لئے اور واپس چلا گیا ۔

نیز حضرت والد بدر نے موضع شکوہ پور جو کہ شیخ معظم کا تعلقہ تھا کے ایک بوڑھے زمیندار سے سُنا کہ ایک مرتبہ تقریباً تیس ۳۰ ڈاکوؤں نے اس بستی کے مویشی لوٹ لئے ۔ اس وقت شیخ معظم بھی اس بستی میں موجود تھے ۔ ان کی اولاد، بھائیوں اور چچیرے بھائیوں میں سے اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا ۔ انہیں اس حادثہ کی لوگوں نے اطلاع دی ۔ اس وقت دسترخوان بچھ چکا تھا اور کھانا رکھا جا چکا تھا ۔ ان سے کسی عجلت اور بے چینی کا مظاہرہ نہیں ہوا حسبِ معمول کھانے سے فارغ ہوئے، ہاتھ دھوئے ۔ پھر فرمایا کہ میرے ہتھیار لاؤ ۔ اور گھوڑا تیار کرو ۔

جب سوار ہو گئے تو کسانوں کی ایک مسلح جماعت ہمراہی کیلئے نکلی انہوں نے تمام لوگوں کو واپس کر دیا ۔ اور فرمایا ہم انتہائی تیزی سے جائیں گے تو تم میرے گھوڑے کی رفتار کا ساتھ

نہیں دے سکو گے صرف راوی قصہ کو ساتھ لے لیا جو گھوڑے کے ساتھ بھاگ سکتا تھا تاکہ قوم کو اس دار وگیر سے جوان کے اور ڈاکوؤں کے درمیان ہو خبر دے سکے۔ وہ دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ ڈاکوؤں کے پاس پہنچ گئے اس وقت وہ اپنے گھروں میں داخل ہو رہے تھے۔ غیرت انگیز کلمات سے اس جماعت کو میدان میں لائے پھر انہوں نے ایک تیر سے دو آدمیوں کو گرانا شروع کر دیا جب دو تین تیر ایسے انہوں نے مشاہدہ کئے تو زبردست رعب اس جماعت کے دلوں پر طاری ہو گیا اور زندگی سے مایوس ہو کر انہوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں ہمیں معاف کیجئے۔ شیخ معظم نے کہا تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار ڈال دو۔ ایک ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھ دے سواری ہتھیار اور گھوڑے لیکر اسی بستی میں پہنچو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین و مذہب کے مطابق انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ دوبارہ اس قصبہ کا رخ نہیں کریں گے اور شیخ معظم کی رائے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

شیخ معظم کے سید نور الجبار سون پتی جو کہ ایک عالی نسب سید تھے اور ان کے آباؤ اجداد علم و فضل سے آراستہ تھے کی بیٹی سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ شیخ جمال، شیخ فیروز اور شیخ وجیہہ الدین،

شیخ وجیہہ الدین۔ شیخ وجیہہ کمال تقویٰ اور شجاعت سے موصوف تھے۔ حضرت والد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد کا وظیفہ تھا کہ شب و روز میں دو پارے تلاوت کرتے تھے خوشی غمی، سفر اور حضر کسی وقت بھی اسے ترک نہیں کرتے تھے۔ جب بوڑھے ہو گئے تو بینائی کمزور ہو گئی تو جلی حروف کا قرآن مجید اپنے ساتھ رکھتے تھے سفر میں وہ کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنا گھوڑا کسی کی زراعت میں نہیں لے جاتے تھے اگرچہ تمام لشکر اس زراعت میں چلا جاتا بعض اوقات انہیں متعارف راستہ سے ہٹ کر چلنا پڑتا۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک لڑائی میں ان کا وہ اونٹ گم ہو گیا جس پر سامان تھا کھانے پینے کا سامان مہیا نہ ہو سکا ساتھی گاؤں کے مویشی زبردستی پکڑتے اور کھاتے تھے لیکن وہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے تھے جب دو تین فاقے ہو گئے اور قوت ختم ہونے لگی تو رازقِ حقیقی کی رزاقیت نے اس طرح ظہور فرمایا کہ اتفاقاً جیسا کہ فکر مندی کے ساتھ ہوتا ہے۔ زمین کو چابک سے کریدا وہاں سے ان کی خوراک کے مطابق چنے مل گئے چونکہ گری پڑی چیز سے مالک بے نیاز ہوتا ہے۔ اسے انہوں نے دھو کر پاک کیا اور بھگو کر تناول فرمایا ——— فرمایا کہ میرے والد ماجد اپنے خدام، ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ سے

ایسی نرمی اور انصاف برتتے تھے جو زمانہ کے متقی لوگوں سے بھی کم دیکھنے میں آتا ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ میرے والد صاحب نے ایک سفر میں ایک شخص میں ولایت کے بعد شواہد مشاہدہ کئے اور اس سے بیعت کرلی اور صوفیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے اور کم گوئی اور لوگوں کی مجلس سے یکسوئی اختیار کی اور یہ چیز انہوں نے اس طرح ادا کی کہ اس زمانہ کے صوفیا میں نظر نہیں آتی۔ کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر رہتکی میرے والد اور شیخ ابوالرضا محمد کے ساتھ ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے تعلق کو بیان کرتے تھے۔ بعید نہیں کہ دو نوں چشمہ ہائے شیریں سے شرفیاب اور ہر دو منبع زلال سے فیض حاصل کیا ہو۔

حضرت والد ماجد ان کی بہادری کی بہت سی حکایات بیان کرتے تھے۔ میں ان میں سے چند اس کتاب میں درج کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

والد صاحب نے فرمایا کہ میری عمر چار سال کی تھی کہ میرے والد بزرگوار شیخ وجیہہ الدین سید حسین کے ساتھ جو اپنے زمانہ کا مشہور بہادر تھا۔ مالوہ کے علاقہ میں دہامونی کے قصبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ وہاں شجاعت و بہادری سے موصوف ایک کافر نے فساد برپا کر رکھا تھا بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لئے آیا۔ دربانوں نے اسے اسلحہ کے بغیر مجلس میں لے جانا چاہا لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں جب گفتگو بہت طویل ہو گئی تو اس نے سید حسین کو کہلا بھیجا کہ تم سپاہی اور کثیر جماعت ہو تمہیں اس بات سے شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ سید حسین نے اس بات سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ کوئی شخص اس کے اسلحہ سے متعرض نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ اس کا بشاش چہرہ آج بھی میرے تصور میں موجود ہے۔ وہ پان چباتے ہوئے آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا چلتا تھا گویا کہ وہ کسی خوشی کی مجلس میں آرہا ہے۔ میرے والد صاحب نے جب اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس میں ضرور ہاتھ اٹھائے گا۔ انہوں نے فی الفور خدمتگار کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسے اونچی جگہ پر کھڑا کر دو تا کہ اس پکڑ دھکڑ میں اسے نقصان نہ پہنچے جب وہ نزدیک پہنچا اور سلامی کی جگہ سے آگے بڑھا تو دربان نے کہا کہ اسی جگہ سلام کرو اور آگے مت بڑھو۔ اس نے دربان کی بات کی طرف توجہ نہ دی اور کہا کہ میں سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دینا چاہتا

ہوں تاکہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے جب اور زیادہ نزدیک پہنچ گیا تو اس نے سید حسین پر تلوار کا وار کیا۔ سید حسین بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ تلوار تکیہ پر گری اور اسے کاٹ دیا۔ اس نے دوبارہ تلوار اُٹھا کر وار کرنے کا ارادہ کیا۔ میرے والد انتہائی تیزی سے اس کے پاس پہنچے اور خنجر کی ایک ضرب سے اسے جہنم رسید کر دیا۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ فرماتے تھے کہ اسی علاقہ میں سید حسین کے ساتھ ایک جنگ میں وہ حاضر ہوئے جب موافق و مخالف دونوں طرف سے صفیں درست ہو گئیں تو ایک کافر تلوار حمائل کئے گھوڑے پر سوار سامنے آیا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں فلاں ہوں اور اس معرکہ میں تنہا کھڑا ہوں۔ اگر تم قتل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ مگر بہادری کی شرط یہ ہے کہ سید حسین اکیلے میرے مقابلہ کے لئے نکلیں۔ سید صاحب کی رگِ ہاشمی پھڑکی۔ اپنے گھوڑے کو صف سے نکال کر اس کے مقابلہ میں مصروف ہوئے۔ اس کافر نے عجیب چابکدستی کی اور تیزی سے تلوار کا وار کیا۔ سید حسین نے اسے اپنی ڈھال پر لیا۔ تلوار ڈھال کی ایک تہہ کو کاٹ کر دوسری میں پھنس گئی۔ جب کافر نے اپنی پوری قوت سے تلوار کو اپنی طرف کھینچا تو سید صاحب گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ کافر کودا اور سید حسین کے سینہ پر بیٹھ گیا اور اسے ذبح کرنے کی فکر کرنے لگا۔ میرے والد صاحب اسی وقت وہاں پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا رشتہ حیات منقطع کر دیا۔ جب وہاں سے اُٹھے اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔ تو ایک دوسرا اسوار پہلے سوار کا ہم شکل سامنے آیا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں مقتول کا فلاں بھائی ہوں۔ تنہا تمہارے سامنے کھڑا ہوں جو چاہے مجھے قتل کرے۔ لیکن بہادری کی شرط یہ ہے کہ میرے بھائی کا قاتل میرا مقابلہ کرے۔ میرے والد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑی دیر مقابلہ کے بعد اسے جہنم رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا اسوار آیا جو اسی شکل و صورت کا ظاہر ہوا اور اسی طرح مبارز طلب کیا۔ میرے والد پھر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کافر نے ان کے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا اور انہیں زمین پر گرانا یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لینا چاہتا تھا۔ وہ مزاحمت کرتے تھے۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ کافر زیادہ طاقتور ہے۔ فریب کے طور پر کہا۔ اے فلاں! اسے پیچھے سے قتل کر دے۔ حالانکہ وہاں کوئی شخص نہیں تھا۔ کافر نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ اس اثنا میں اس کے بازوؤں کی طاقت کچھ کم ہوئی۔

خود کو اس کے ہاتھ سے چھڑا کر خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس مبازرت کے بعد کفار کا لشکر شکست کھا گیا اور اسلامی لشکر مظفر و منصور اپنی چھاونی میں واپس آ گیا۔ تین روز کے بعد ایک بوڑھی عورت ان کا نام پوچھتے پوچھتے ان کے خیمہ میں آئی اور کہا کہ میں تین مقتولین کی والدہ ہوں میں سمجھتی ہوں کہ دنیا میں میرے بیٹوں سے زیادہ کوئی شخص بہادر اور طاقتور نہیں ہے لیکن خدا کی رحمت تجھ پر ہو کہ تو ان سب سے زیادہ بہادر اور قوی ہے۔ اس لئے ان کی بجائے تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں میری آرزو ہے کہ تو مجھے اپنی ماں کہہ کر پکارے اور میری بستی میں کچھ دن رہو تاکہ میں تجھے جی بھر کر دیکھ لوں۔ اور اپنے مقتولین کے غم سے مجھ کو سکون ملے۔ انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ آپ کے رشتہ داروں میں سے آپ کے بھائی مانع ہوئے اور کہا کہ آپ جیسا عاقل مرد ایسی حرکت کرتا ہے۔ انہوں نے اس جماعت کے منع کرنے کی کوئی پرواہ نہ کی، انہوں نے سید حسین سے اظہار کیا۔ سید حسین بڑی تیزی سے ان کے خیمہ میں آیا اور انہیں موکدہ قسمیں دے کر اس طرف جانے سے روکا۔ جب انہیں کوئی چارہ کار دکھائی نہ دیا تو اس بڑھیا کو بلوا کر کہا، اماں! میرے ساتھی مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانے دیتے۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان کے ساتھی غافل ہو گئے تو اس بڑھیا کے گھر گئے۔ وہ بڑھیا اس قدر محبت، اخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ حقیقی والدہ اور اس میں کوئی فرق نہ رہا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں کئی مرتبہ اس کے گھر گیا میں اسے دادی کہتا تھا اور وہ شفقت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی تھی بلکہ میں نے اپنی دادی کو نہیں دیکھا تھا۔ بچپن میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ میری کوئی اور دادی بھی تھی۔

ان واقعات میں سے ایک یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ عالمگیر بادشاہ تھا اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف رخ کیا۔ عالمگیر اس کی جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بھی عالمگیر کے لشکر میں تھے۔ زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں لشکر تھک گئے آخر کار دو تین ہاتھی مست شجاع کی طرف عالمگیر کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا جب یہ صورت پذیر ہوئی تو عالمگیر کے لشکر میں افراتفری پڑ گئی اور ہر شخص بھاگ نکلا اور عالمگیر کے ہاتھی کے گرد صرف چند آدمی باقی رہ گئے۔ ایسے وقت میں میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کو خیال پیدا

ہوا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے ایک پر حملہ کریں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ یہ جان دینے کا وقت ہے یسی جگہ میں ہر شخص ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ جو شخص علیحدگی چاہتا ہے میری طرف سے اجازت ہے۔ اس پر چار آدمیوں کے سوا سب نے پہلو تہی کر لی۔ میرے والد نے ان کے ہمرکاب ہو کر بار ہا فرمایا کہ اگر ہمارے رفقا میں سے کوئی شخص ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہ چار اشخاص ہونگے۔ ان چاروں نے ان کے شکار بند کو مضبوطی سے پکڑا اور اقرار کیا کہ جہاں آپ ہوں گے ہم بھی ہونگے۔ اس کے بعد اس ہاتھی پر جو زیادہ فساد مچا رہا تھا حملہ کیا۔ وہ رکے رہے۔ یہاں تک کہ ہاتھی نے انہیں اٹھانے کے لئے اپنی سونڈ کو ان کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ انہیں گھوڑے سے اٹھائے یا گرا دے۔ اس وقت انہوں نے تلوار کے ایک بھرپور وار سے سونڈ کو نیچے سے کاٹ دیا۔ ہاتھی خوفناک چیخ مار کر بھاگا۔ اور اس کا ضرر اور نقصان اسی کے دستہ کو پہنچا۔ یہ پہلی فتح تھی۔ عالمگیر نے اس مقابلہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ فتح کے بعد اس نے ان کے منصب کو زیادہ کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے استغنا کیا اور قبول نہ کیا۔

ان واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ فرماتے تھے۔ کہ سید شہاب الدین پر بادشاہ کی طرف سے محاسبہ ہوا۔ آپ اس کے ضامن ہو گئے۔ جب اس نے روپے ادا کرنے میں سستی کی تو آپ سے مطالبہ ہوا انہوں نے اس سلسلہ میں اس سے بات کی۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی روپیہ نہیں ہے۔ تلوار حاضر ہے آپ سکرائے اور فرمایا۔ تلوار پکڑنا آسان ہے مگر اس کی ذمہ داری نبھانا مشکل ہے۔ سید شہاب الدین کی غیرت جاگی اور تلوار سے ان پر حملہ کیا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ پر لیا اور دائیں ہاتھ سے طمانچہ مارا۔ وہ منہ کے بل زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ خادم کو فرمایا کہ اسے رسی سے باندھ دو۔ اور اس کے گھوڑے اور اونٹ کو طویلہ سے لے آؤ۔ کچھ دیر کے بعد وہ ہوش میں آگیا۔ فرمایا وہ تمہاری لاف و گزاف کہاں گئی۔ اس نے کہا میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے پہلے حرکت میں آگیا۔ جس سے مجھے سخت صدمہ پہنچا اور میں بے ہوش ہو گیا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔ خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی رسی کھول دے اور اس کا خنجر اس کو دیدے۔ اس نے اسے لے کر حملہ کرنا چاہا۔ مگر اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی جس سے وہ حملہ نہ کر سکا۔ حضرت والد صاحب نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ان بہادری کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت والد صاحب فرماتے کہ میرے والد

صاحب اس قدر قوی دل تھے کہ ایک جنگ میں سخت لڑائی ہوئی اور جانبین سے بڑی جماعت قتل ہوئی۔ آخر کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جب مسلمانوں کا امیر اپنے پڑاؤ پر پہنچا تو رات کو اس کے لشکر کے سرداروں میں مقتولین کی تعداد میں مناظرہ ہوا۔ ہر شخص نے اپنے خیال کے مطابق بات کہی۔ آپ نے کہا میرا خیال ہے کہ دونوں طرف کے مقتولین دو سو اشخاص یا پانچ کم یا پانچ زیادہ ہوں گے اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ان کی تعداد معلوم نہیں۔ حاضرین نے اسے بعید از قیاس سمجھا۔ اس جماعت کے استبعاد سے ان کے دل میں تردد پیدا ہوا۔ اور انہوں نے چاہا کہ حقیقت حال معلوم کریں۔ مجلس سے قضائے حاجت کے لئے جانے والے کی طرح اُٹھے اور اس تاریک رات میں جس میں بادل اور کڑک چمک بھی تھی، میدانِ کارزار کا راستہ لیا۔ پوری احتیاط سے انہیں شمار کیا۔ اسی اثنا میں ان کا ہاتھ ایسے زخمی پر پڑا جس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ وہ زخمی چیخا۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔ اور اپنا نام اسے بتایا۔ اس کے بعد انہیں خیال آیا کہ کچھ لڑائی گاؤں کے وسط میں ہوئی تھی اسے دیکھ لینا چاہیئے۔ ممکنہ مقامات میں انہوں نے اچھی طرح تلاش کی۔ اسی اثنا میں ان کا ہاتھ ایک بوڑھی عورت پر پڑا۔ جو جنگ کے وقت ایک کونے میں چھپ گئی تھی۔ وہ زور سے چیخی۔ اسے بھی تسلی دی اور اپنا نام اسے بتایا۔ مقتولین کی تعداد ان کی بتائی ہوئی تعداد کے مطابق نکلی پھر آپ لشکر کی طرف لوٹ آئے وہ مجلس اسی طرح قائم تھی جو کچھ انہوں نے کیا اور دیکھا اس کا اظہار کیا تو ان کا تعجب اور بڑھ گیا۔ اس رئیس نے تقریباً ایک سو افراد کو مشعلوں کے ساتھ متعین کیا کہ وہ مقتولین کو شمار کریں اور ان دو افراد کو لے کر آئیں۔ یہ لوگ۔ اس پُر ہیبت رات میں ایسی خوفناک جگہ پر جانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے مگر مجبوراً گئے۔ مقتولین کی گنتی کی اور مذکورہ دو شخصوں کو لائے۔ ان کی بات صحیح نکلی اور ان دو شخصوں نے ان کا نام بتایا۔ آپ کے اس قسم کے عجیب و غریب واقعات بکثرت ہیں۔ ہم نے انہیں پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ القلیل ینبئ عن الکثیر والغرفۃ تحکی عن البحر الکبیر (قلیل کثیر کی خبر دیتا اور چلو بھر پانی بڑے سمندر کا پتہ دیتا ہے)، ان کی شادی شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن عبدالعزیز کی بیٹی سے ہوئی جس سے تین فرزند پیدا ہوئے۔

(۱) مخدومی شیخ ابوالرضا محمد (۲) مخدومی شیخ عبدالرحیم (۳) مخدومی شیخ عبدالحکیم۔

میرے والد گرامی فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد ایک رات تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے ایک سجدہ

میں ٹھہرے رہے میں نے خیال کیا کہ ان کی روح ان کے جسم سے پرواز کر گئی جب انہیں افاقہ ہوا تو میں نے اس طویل ٹھہرنے کے متعلق استفسار کیا فرمایا کہ مجھے غیبوبت واقع ہوئی تو اس حالت میں مجھے اپنے ان عزیزوں کے حالات کی اطلاع ہوئی جو شہید ہوتے تھے۔ ان کے درجات و مقامات مجھے بہت پسند آئے میں نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے شہادت طلب کی اور بے حد الحاح اور زاری کی یہانتک کہ میری دعا کی قبولیت مجھ پر منکشف ہوئی اور دکن کی طرف اشارہ ہوا کہ تمہاری شہادت کی جگہ وہاں ہے۔ اس واقعہ کے بعد اگرچہ نوکری چھوڑ دی تھی اور اس شغل سے نفرت پیدا ہو گئی تھی از سرِ نو سفر کا سامان تیار کیا۔ اور گھوڑا خریدا اور دکن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا یہ مقابلہ سیوا کے ساتھ ہوگا جو اس وقت کفار کا بادشاہ تھا اور مسلمانوں کے قاضی کے متعلق اس نے بہت بے حرمتی کی تھی جب برہانپور پہنچے تو ان پر منکشف ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ وہاں سے پھر واپس آئے۔ راستہ میں بعض تاجروں کے ساتھ جو صلاح و تقویٰ سے متصف تھے۔ دوستی کا عہد باندھا اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہنڈیا کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوں۔ اسی اثنا میں ایک بوڑھا شخص ملا جو گرتا پڑتا جا رہا تھا۔ اس کی حالت پر رحم کیا اور اس سے اس کا مقصد دریافت کیا۔ اس نے کہا میں دہلی جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے ملازمین میں سے روزانہ تین پیسے لے لیا کرو۔ وہ بوڑھا کفار کا جاسوس تھا۔ جب یہ قافلہ تو نیریا کی سرا میں پہنچا جو کہ دریائے نربدہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی ڈاکوؤں کی ایک کثیر جماعت سرا میں آئی۔ اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس جماعت میں سے دو تین آدمی آگے بڑھے اور پوچھا کہ وجیہ الدین کون ہے جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اور ہمیں علم ہے کہ تمہارے پاس کوئی مال نہیں ہے اور ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر تمہارا حق نمک بھی ہے لیکن ان تاجروں کے پاس فلاں فلاں مال ہے انہیں ہم نہیں چھوڑیں گے۔ چونکہ آپ کو اس سفر کا مقصد پوری طرح معلوم تھا اس لئے تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور جنگ و قتال پر اتر آئے۔ اس اثناء میں ان کو بائیس زخم آئے اور ایک زخم میں سر جسم سے جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک کفار کا تعاقب کیا۔ ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی پھر آپ گر پڑے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصہ میں متمثل ہو کر مجھے زخم دکھلائے میں نے ایصالِ ثواب کیلئے

کچھ صدقہ دیا حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ان کے جسم کو وہاں سے منتقل کرنیکا ارادہ کیا۔ ایک روز انہوں نے متمثل ہو کر مجھے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ آپ کے قتل کی خبریں بیشمار ہیں۔

شیخ رفیع الدین محمد قدس سرہٗ کے خاندان کے مناقبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ المنعم الوھاب علی نعمۃ التی خرجت عن العدد والحساب وصلی اللہ علی خیر من اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب والہٖ و اصحابہٖ خلاصۃ اولی الالباب۔ اما بعد

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ "النبذۃ الابریزیہ فی اللطیفۃ العزیزیہ" کے نام سے موسوم ہے یہ شیخ عبد العزیز دہلوی اور ان کے اسلاف و اخلاف کے حالات پر مشتمل ہیں جو کہ نسبت مادری سے والد بزرگوار کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ والحمد للہ۔

شیخ طاہر۔ ان کا اصلی وطن اوچ ملتان ہے۔ آپ وہاں کے سربرآوردہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شروع شروع میں سیر و شکار میں وقت گزارتے تھے۔ یہانتک کہ ان مشاغل نے آپ کو علم کی تحصیل سے بھی روک رکھا تھا۔ ایک روز ان کی ہمشیرہ نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کا ترجمہ پوچھا جس کا وہ جواب نہ دے سکے۔ یہ واقعہ ان کی غیرت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنا۔ قرآن مجید لے کر وطن سے ہجرت کر گئے اور جہاں بھی جاتے استفادہ کرتے۔ جب تھانیسر پہنچے تو اس آیت کی تفسیر لکھ کر ہمشیرہ کے پاس بھیج دی۔ اس کے بعد حصول علم کی خاطر وہ بہار آئے جو کہ علماء کا مرکز تھا۔ اس دوران میں مناظرہ اور ریاضات کی تحصیل کی۔ تحصیلِ علم کے بعد بہار کے قاضی نے ان کی وجاہت اور علم و فضل کو دیکھ کر اپنی لڑکی کی شادی ان سے کر دی۔ اس کے بعد پھر وہ پور کے نواح میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس بیوی سے تین فرزند ہوئے۔ آخری عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جونپور میں اقامت اختیار کر لی اور اس جگہ وفات پائی۔ آپ کا مزار اسی جگہ ہے جس کی زیارت کی جاتی اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔

شیخ حسن۔ شیخ طاہر کے سب سے بڑے فرزند شیخ حسن تھے۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اور اٹھارہ برس کی عمر میں کتب متداولہ حاصل کر کے پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ بچپن ہی

سے ان میں معرفت کی طلب معلوم ہوتی تھی اور درویشوں کے معتقد تھے یہاں تک کہ سید حامد راجی شاہ کی عظمت کی شہرت ہوئی۔ شیخ ایسے طریق سے جس میں قدرے امتحان بھی تھا، ان کی ملاقات کو گئے۔ پہلی ہی ملاقات میں ازلی جذب سید صاحب کے حلقۂ ارادت میں انہیں لے آیا۔ سید حامد راجی شاہ اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اور شیخ حسام الدین مانک پوری کے خلیفہ تھے اور شیخ حسام الدین جامع شریعت و طریقت اور سربرآوردہ مشائخ چشتیہ میں سے تھے اور شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے اور شیخ نور قطب العالم مشائخ ہندوستان میں سے صاحب عشق و محبت، ذوق و شوق تصرف و کرامت اور ریاضات و مجاہدات تھے۔ یہ اپنے والد شیخ علاء الحق بن سعد کے خلیفہ تھے، جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع مرجع عوام و خواص اور پورب و بنگال کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور یہ شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ ہیں۔ جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خلفا میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیخ اللہ داد شارح ہدایہ وغیرہ شیخ حسن کے شریک درس اور دوست تھے، انہوں نے شیخ حسن کے سید کی بیعت و متابعت کو تعجب کی نظر سے دیکھا کیونکہ سید مکتب کے علوم سے زیادہ بہرہ ور نہ تھے۔ شیخ نے فرمایا علما کی ایک جماعت کو سید صاحب کی خدمت میں جانا چاہیئے اور ان کے دل میں جو اشکال پیدا ہو ان سے سوال کریں اگر ٹھیک جواب مل جائے تو معتقد ہو جانا چاہیئے اور مرید ہو جانا چاہیئے، ورنہ جیسے ان کی مرضی چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا بعض کے اشکال تو راستہ میں حل ہو گئے اور بعض علما کے اعتراضات سید صاحب کے جمال پُر انوار کو دیکھتے ہی جاتے رہے اور باقی حضرات کے اشکالات ان کی پُر اسرار کلام سننے سے جاتے رہے۔ آخر کار حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

حاصل کلام شیخ حسن کچھ عرصہ تک طالبان معرفت کی تعلیم و ارشاد اس سرزمین میں کرتے رہے۔ اس کے بعد سلطان سکندر جو دہلی کے سب سے زیادہ منصف مزاج بادشاہوں میں سے تھا کی استدعا پر دہلی تشریف لے آئے اور آپ نے بجمنڈل کے محل میں قیام کیا اور اسی جگہ جان جان آفرین کے سپرد کی، اور قبر میں چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ سلطان سکندر کا لڑکا فتح خان ان کا معتقد تھا۔ اتفاقاً اس کے دل میں بغاوت کا خیال پیدا ہوا۔ اور امرا سلطنت اس کے ساتھ متفق ہو گئے۔ اس نے شیخ سے مشورہ طلب کیا

انھوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور جو خطرہ اس کی نظر میں تھا اس سے امن کی بشارت دی۔ یہ قضیہ سلطان کی عقیدت کا سبب بن گیا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ خواب میں ان کے بعض کمالات سے واقف ہوا۔ اس بات سے اس کا اعتقاد دوبالا ہو گیا۔ آپ نے ۹۰۶ھ میں وجد کی حالت میں وفات پائی آپ کی مجلس میں اس وقت یہ رباعی پڑھی جا رہی تھی۔ ع

اے ساقی ازاں مے کہ دل و دین من است

علم سلوک میں آپ کی کتاب "مفتاح الفیض" یادگار ہے۔ شیخ کے چار فرزند تھے ان میں سے دو کی نسل باقی ہے (۱) شیخ محمد المعروف بالخیالی اور شیخ عبدالعزیز۔

شیخ محمد خیالی :۔ شیخ محمد خیالی صحیح الحال پاکیزہ مشرب اور قوی الریاضت تھے اپنے والد سے بیعت تھے۔ لیکن آپ پر سلسلہ قادریہ کی نسبت غالب آگئی۔ حرم مدینہ میں کئی سال سخت ریاضتیں کرتے رہے۔ حاجی عبدالوہاب بخاری جب دوسری مرتبہ حرمین کی زیارت کے لئے گئے تو شیخ جمالی کو خوشخبری سنائی کہ "مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے گزارہ ہے۔ اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ۔" انھوں نے کہا جب تک مجھے بذات خود حکم نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آخر انہیں بھی حکم دے دیا گیا۔ چنانچہ حاجی عبدالوھاب انہیں ہندوستان لے آئے۔ اپنے والد کے پہلو میں بجھنڈا میں محو استراحت ہیں۔

ان کے بہت سے خلفا ہیں جو مرتبہ کمال کو پہنچ چکے ہیں ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پتی اور شیخ عبدالرزاق جنجھانی علاقہ میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ عبدالعزیز :۔ آپ دو یا تین سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنا باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیز کے لئے بطور امانت شیخ قاضی خان ظفرآبادی کے سپرد کر گئے جو شیخ حسن کے خلیفہ اور صاحب استقامت و کرامت تجرید و ریاضت اور تاثیر صحبت تھے۔ شیخ جب سن تمیز کو پہنچے سید محمد بخاری ابن حاجی عبدالوھاب بخاری سے علم حاصل کیا اور حاجی عبدالوہاب سے فصوص کا استفادہ کیا اور سلسلہ سہروردیہ کا خرقہ خلافت

زیبِ تن فرمایا۔ حاجی عبدالوہاب نے سید راجو قتال سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا جو کہ مخدوم
جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی مخدوم جہانیاں
سے خلافت حاصل کی اور شیخ رکن الدین ابو الفتح سے بھی خلافت حاصل کی اور ان کا سلسلہ معروف ہے
حاجی عبدالوہاب عبداللہ قریشی کی صحبت میں بھی مدتوں رہے۔ اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے
اپنے بیٹے شیخ عبداللہ کو شیخ عبدالعزیز کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں وہ بات یاد دلائیں جو
ان کے والد ان کے سپرد کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود حاضر ہوتا ہوں مگر اس سلسلہ میں
طلب شرط ہے اس لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ شیخ عبدالعزیز یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد کی طرف
روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے تو اس کے پاس جو روپیہ پیسہ کپڑے اور گھوڑا تھا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔
اور تجرید تام کی صورت میں تین سال تک سخت ریاضتیں کیں اور ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے
پھر قاضی خاں کی اجازت سے واپس آئے اور قوانین ارشاد کی بنیاد رکھی اس اثنا میں
سید ابراہیم ایرچی کی خدمت میں ایک مدت تک علوم تصوف کا استفادہ کیا اور خرقۂ قادریہ
حاصل کیا۔ سید ابراہیم ایرچی تمام علوم و فنون میں کامل تھے اور اکثر خانوادوں کی برکات کے جامع
تھے۔ لیکن قادریہ نسبت کا ان پر غلبہ تھا اور شیخ بہاء الدین سے خرقۂ قادریہ حاصل کیا تھا حاصل
کلام یہ کہ شیخ عبدالعزیز کی سیرت مجاہدے اور ریاضت سے عبارت تھی۔ بچپن میں جن چیزوں
کو اپنے اوپر لازم ٹھہرایا تھا۔ آخر وقت تک ان پر عمل پیرا رہے اور کبھی قضا نہ کیں اور طریقہ
اسلاف کی اتباع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے اور آدابِ مشائخ کی محافظت
میں بہت کوشش کرتے تھے اور ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں بہت سعی فرماتے۔
تواضع، انکسار، شگفتگی طبع، علم، بردباری، صبر اور رضا و تسلیم اور تمام عمدہ اخلاق میں مشائخ
چشت کا نمونہ تھے۔ آپ نے ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ پروازِ روح کے وقت
یہ آیت زبان پر تھی۔ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیئ والیہ ترجعون۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ یحییٰ جنیدی کے مجموعہ میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے
سلسلہ قادریہ لکھا ہوا دیکھا۔ تبرکاً اس نسخہ کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ الذی ھدانا الی سبیل الرشاد وامرنا

باتباع الحق والسنن ادالصلوٰۃ علی نبیہ محمد وآلہ اولی الولایۃ والارشاد وصحبۃ الاکرمین الامجاد۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ بندہ ناچیز خاکپائے خدام اہلِ بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبدالعزیز بن حسن (اللہ اس کے اپنے عیوب سے باخبر کرے اور اس کے آج کو کل گذشتہ سے بہتر بنائے) عرض کرتا ہے کہ برادر محترم، مکرم، عالم باعمل، افتخار الافاضل مایۂ اولیار، نمونۂ اصفیار شیخ یحییٰ بن شیخ معین الدین خالدی اللہ تعالیٰ انہیں بندگان مقبول بارگاہ سے بنائے اور انہیں منتخب فرمائے۔ ان کے خلوص محبت اور کمال معرفت سے جب ہم ان کے حضور اور صحبت سے مشرف ہوئے اور ان کا اعتقاد اور محبت ہمارے دل میں مستحکم ہوگئی تو میں نے ان کے ساتھ دینی اخوت کا عقد باندھا اور میں نے مشائخ صوفیا کا خرقہ پہنایا۔ اللہ ان کی ارواح کو مقدس اور ان کی اشباح کو منور کرے۔ اس خرقۂ خلافت کو میں نے ارشاد وکالت، نیابت، اجازت اور خلافت کے طریق پر اپنے شیخ، مرشد، مخدوم اور سیدی سید السادات سرچشمۂ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبدالقادر بن مرتضیٰ الحسنی القادری سلمہ اللہ تعالےٰ سے اور انہوں نے اپنے شیخ و مرشد ابوالبرکات بہار الملۃ والدین ابراہیم انصاکی قادری افاض اللہ علینا شابیب برکاتہم۔ اور انہوں نے اپنے شیخ السید قطب وقت ابوالعباس احمد بن حسن الجیلی المغربی الشافعی سے اور انہوں نے اپنے والد السید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید موسیٰ سے اور انہوں نے اپنے والد سید علی سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد سید محمد صلوا احمد سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار سید محی الدین ابی نصر سے اور انہوں نے اپنے والد محترم سید ابی صالح سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد سید عبدالرزاق سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار قطب ربانی غوثِ صمدانی محی الملۃ والدین ابی محمد عبدالقادر الحسنی والحسینی الجیلانی سے انہوں نے اپنے شیخ ابی سعید مخزومی سے اور انہوں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام ابی الحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الہنکاری سے اور انہوں نے اپنے شیخ ابی الفرح یوسف الطرطوسی سے اور انہوں نے شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز الیمنی سے اور انہوں نے ابی بکر الشبلی سے اور انہوں نے سید الطائفہ جنید بغدادی سے اور انہوں نے سری سقطی سے

اور انہوں نے معروف کرخی سے اور انہوں نے ابی سلیمان داؤد بن نصر الطائی سے اور انہوں نے امام علی بن موسیٰ الرضا سے اور انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ الکاظم سے اور انہوں نے اپنے والد امام جعفر الصادق سے اور انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے اور انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے اور انہوں اپنے والد امام حسین سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام علی بن طالب رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی (میرے رب نے مجھے سکھایا اور کیا ہی اچھا سکھایا) اور حضرت شیخ عبدالعزیز کے فرزند تھے جن میں ایک شیخ قطب العالم تھے

شیخ قطب عالم:- شیخ قطب عالم علم و فضل، دانش و سخاوت میں ممتاز اور سر برآوردہ روزگار تھے۔ ابتدائی حالات میں وجد و سماع اور صوفیاء کے تمام اطوار و اوضاع سے رُوگرداں تھے اور ان پر اعتراض کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی مجلس میں ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان کی توجہ سے بے خود ہو گئے۔ حاضرین نے کہا الحمدللہ۔ اب وہ صوفیاء کے معتقد ہو جائیں گے اور اس اعتراض کی حالت سے نکل جائیں گے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ان کا انکار مستحکم ہے۔ اور ان کی طلب کا ابھی وقت بھی نہیں آیا۔ جب اس بے خودی سے افاقہ ہوا تو حاضرین نے اس کی کیفیت کے متعلق استفسار کیا۔ فرمایا کوئی چیز خواب کی مانند تھی خواب کا کیا اعتبار۔ جب شیخ عبدالعزیز کا وصال ہو گیا۔ شیخ نجم الحق جو شیخ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ کے روضہ کی زیارت اور مصیبت زدوں کی تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ جب زیارت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ شیخ قطب العالم سبق پڑھا رہے ہیں۔ ان کی طرف توجہ سے دیکھا اور تصرف فرمایا۔ اور سوار ہو گئے۔ ان کی پالکی دو تین تیر کے فاصلہ پر نہ گئی ہو گی کہ ان میں قلق و بیقراری پیدا ہو گئی اور وہ بیقراری لحظہ بلحظہ بڑھتی رہی یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیدل شیخ نجم الحق کی طرف روانہ ہوئے اور ان سے طریقہ اخذ کیا اور جب حضرت خواجہ باقی باللہ طریقہ نقشبندیہ کی اشاعت میں مشغول ہوئے۔ شیخ قطب عالم بکثرت ان کی خدمت میں جاتے اور فیض صحبت جو اس طریقہ میں بہترین ہی چیز ہے۔ حاصل کرتے۔ اگرچہ آغاز کار میں

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کی شاگردی کی اور ایک عرصہ تک ان کی خانقاہ میں مجاورت کی تھی حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ ان کی خانقاہ میں تھے آدھی رات کے وقت شیخ قطب عالم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ ان کا حصہ بخارا میں ہے۔ اسی وقت باہر نکل آئے اور فرمایا تمہیں مشائخ بخارا بلاتے ہیں۔ اسی وقت روانہ ہو جائیے۔ اس وقت خرقہ موجود نہیں تھا صرف تہبند تھا دی عنایت فرمایا۔ خواجہ نے دستار کے طور پر اسے سر پر باندھ لیا اور اسی وقت بخارا کے قصد سے روانہ ہو گئے۔ وہاں انہیں خواجہ املنگی ملے جن سے انہوں نے فیض و برکات کی دولت حاصل کی اور شیخ قطب العالم کے فرزندوں میں سے سب سے بڑے اور بزرگ شیخ رفیع الدین محمد تھے۔

شیخ رفیع الدین محمد۔ علوم ظاہری اور باطنی کے جامع اور کتب تصوف کے ماہر تھے اور صوفیاء کے رموز بیان کرنے میں پوری قدرت رکھتے تھے۔ پہلے اپنے والد بزرگوار سے طریقہ چشتیہ اور قادریہ اخذ کیا۔ انہیں شیخ نجم الدین کی صحبت بھی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اپنے والد کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت کا التزام کیا۔ اور ان کی نسبت ان پر غالب آگئی حضرت والد صاحب (شیخ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ محمد باقی کی توجہ شیخ رفیع الدین محمد کی طرف بہت زیادہ تھی اور شیخ جو کچھ عرض کرتے حضرت خواجہ ضرور قبول کر لیتے۔ اس لئے خواجہ کے احباب انہیں خواجہ کا معشوق کہتے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب شیخ کی بیوی فوت ہو گئی تو شیخ نے ارادہ کیا کہ شیخ محمد عارف بن شیخ غفور اعظم پوری کی دختر سے شادی کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خواجہ سے درخواست کی کہ وہ عقد نکاح میں تشریف لائیں۔ حضرت خواجہ نے ضعف کا عذر کیا۔ شیخ نے عرض کیا کہ اگر خواجہ قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔ خواجہ مجبور ہو گئے اور اعظم پور تشریف لے گئے۔ اس نواح کے صوفیاء نے جب خواجہ کی تشریف آوری کے متعلق سنا تو تمام جمع ہو گئے اور اس نواح کے سو مربع کوس میں کم ہی کوئی صوفی ہو گا۔ جو وہاں حاضر نہ ہوا ہو۔ اور ایسی عجیب محفل بپا ہوئی کہ ایسی کبھی سنی نہ گئی تھی۔

کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) کی والدہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

نیز فرماتے تھے کہ شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی سے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کی نسبت کوئی بظاہر ناگوار بات صادر ہوتی رہنے والے نے وہ بات اسی طرح خواجہ کی خدمت میں بیان کردی یہ سن کر برآشفتہ ہوئے اور قہر کے آثار ان کی پیشانی سے ظاہر ہوئے۔ وہاں ایک ڈور پڑی ہوئی تھی اسے اٹھایا اور قوت کے ساتھ اس پر گرہ لگادی۔ یہ شیخ جو خواجہ کے مزاج شناس تھے۔ اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ لے لیا اور حفاظت سے رکھدی۔ چند دنوں کے بعد شیخ احمد سرہندی روحانی قبض میں مبتلا ہوگئے اور اس کے سبب کی تلاش میں پڑ گئے۔ جب حقیقت حال واضح ہوئی تو دہلی میں آئے اور شیخ کے احباب سے اس سلسلہ میں سفارش کی درخواست کی۔ کوئی شخص اس کام کے لئے راضی نہ ہوا اور کہا کہ ہم خواجہ کی مرضی کے خلاف کوئی سفارش نہیں کرسکتے۔ لیکن خواجہ کے معشوق جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی نے شیخ رفیع الدین محمد کی طرف رجوع کیا۔ شیخ رفیع الدین محمد نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت و لعل کے بعد ان کی نفرت اور وحشت دُور کرسکے۔ خواجہ نے فرمایا کیا کروں وہ دھاگہ گم ہوگیا ہے۔ شیخ نے وہ دھاگہ پیش کردیا اور خواجہ کی موجودگی میں وہ گرہ کھول دی۔ اسی وقت وہ قبض کشادگی سے تبدیل ہوگئی اور مقصد حاصل ہوگیا۔

والد ماجد یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاری جو اپنے زمانہ کے بڑے امراء میں سے تھے اور شرافت و نجابت کے جامع اور مشائخ صوفیاء کے معتقد تھے نے ایک عمارت بنوائی یہ عمارت ان کی مشہور سرائے تھی یا کوئی اور واللہ اعلم۔ اس کی تعمیر سے فراغت کے بعد انہوں نے ایک ضیافت کی اور شہر کے مشائخ کی دعوت کی۔ شیخ رفیع الدین محمد بھی اس میں تشریف لائے۔ جب نغمہ و سرود کا آغاز ہوا تو اہل مجلس میں سے ایک کی حالت متغیر ہوگئی مستانہ نعرے لگانے لگا۔ رقص اور حزن کا اس سے اظہار ہوتا تھا۔ تمام حاضرین اس کی تواضع کے لئے اٹھے۔ لیکن شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی بعض حاضرین نے اسے موضوع بحث بنالیا۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے خلاف طریقت کام کیا ہے۔ شیخ فرید نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدین سے سوال کیا کہ صاحب وجد کی تواضع نہ کرنے کا کیا سبب تھا۔ شیخ نے کہا اسی صاحب وجد سے اس کے تغیر حال کے متعلق سوال کرو۔ میرا عذر واضح ہوجائے گا

شیخ فرید نے اسے اپنے قریب بلایا اور رقص و نعرہ زنی کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا۔ مجھے کچھ علم نہیں میری بیوی کو مرے ہوئے دو تین روز ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے میرے دل میں غم اور حزن بھرا ہوا تھا۔ جب میں نے ان نغمات کو سنا تو وہ حزن روشن ہو گیا اور قلق اور تغیر مجھ میں ظاہر ہوا اور آخر کار وہ کچھ ظہور پذیر ہوا جو انہوں نے دیکھا۔ شیخ نے فرمایا ایک ایسے شخص کی تعظیم کے لئے اٹھنا جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو مشائخ طریقت نے کہاں فرمایا ہے۔ یہ سُن کر معترضین نادم ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

والد صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ خان عالم جو اس زمانہ کے امراء میں سے تھا شیخ کا معتقد تھا اس کے گھر کے قریب باغ میں ایک فقیر وضع کا شخص وارد ہوا جو بہت مہذب اور اہلِ دُنیا کے میل ملاپ سے بہت متنفر نظر آتا تھا۔ اس کی تمام گفتگو قال اللہ و قال الرسول تھی۔ خان عالم اس کا بہت معتقد ہو گیا۔ شیخ رفیع الدین محمد کا ایک روز اس باغ سے گزر ہوا۔ انہوں نے اس فقیر کو دیکھا فرمایا یہ تو کالا ناگ ہے۔ اس سے بچ کر رہو۔ خان عالم نے گمان کیا کہ یہ بات آپ نے حسد کے طور پر کہی ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ایک مدت کے بعد بادشاہ نے عالم خاں کو ایرانی سفارت پر مقرر کیا۔ اس سفر کے لئے رقم کی ضرورت تھی جو عالم خاں کے پاس نہیں تھی۔ چنانچہ وہ اس وجہ سے متردد اور پریشان ہوا وہ فقیر ان کی پریشانی کو بھانپ گیا اور اس پریشانی کا سبب پوچھا جب اس نے پورا قصہ سُنا تو بڑی شفقت سے پیش آیا اور کہا کہ اس کا علاج میرے پاس ہے۔ میں اکسیر بناتا ہوں جس سے اس قدر خالص سونا تیار ہو جاتا ہے۔ خان عالم دھوکے میں آگیا اور ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ خطیر رقم اس اکسیر کا سامان تیار کرنے کے لئے دیدی۔ اس نے مختلف حیلوں سے اسے تباہ کر دیا اور کچھ عرصہ بعد خود بھی رُوپوش ہو گیا۔ ہر چند تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ خان عالم اپنے اس بُرے خلل پر بہت نادم ہوا۔ اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد حسن نے جو کہ خان عالم کا متبنّیٰ تھا ایک برہمن کو دیکھا جس نے داڑھی مونچھ منڈائی ہوئی تھی اور سنسکرت میں گفتگو کرتا تھا پہچان لیا کہ یہ وہی دھوکے باز ہے اس نے اسے انواع و اقسام کے عذاب میں مبتلا کیا۔ آخر کار اس نے اقرار کر لیا اور اس سے کچھ مال بھی برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔ حضرت والا گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ خان عالم نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بزرگ کی خدمت میں گئے ہیں اور ان کی بیعت کی

ہے۔ وہ چونکہ معتوری جانتے تھے۔ علی الصباح اس بزرگ کی شکل کاغذ پر بنا کر حضرت خواجہ محمد باقی کی خدمت میں بھیجی اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ حضرت خواجہ نے کہلا بھیجا کہ ہم اس بزرگ کو پہچانتے ہیں۔ ان کے ساتھ رابطہ قائم کر لیں۔ پھر شیخ رفیع الدین کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ رفیع الدین کے ساتھ ان کے ارتباط کا یہی قصہ سبب بنا۔

سُنا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ڈاکوؤں نے ارادہ کیا کہ شیخ رفیع الدین محمد کے گھر کو لوٹ لیں۔ اس غرض کے لئے کچھ فاصلہ پر کھڑا ہو گئے اور ایک شخص کو بھیجا تاکہ وہ آمد و رفت کا راستہ معلوم کر آئے اور اہلِ خانہ کی حالت بھی دیکھ لے۔ وہ جاسوس جب ان کے گھر پہنچے تو اندھا ہو گیا اور ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے اہلِ خانہ جاگ اُٹھے اور چراغ کی روشنی میں تمام حقیقت حال معلوم کر لی۔ شیخ نے اپنی طبعی مہربانی سے کہا اس سے کوئی تعرض نہ کرے اور اسے کہو کہ وہ چلا جائے۔ اس نے کہا کیسے جاؤں کہ بصارت نہیں ہے اور نہ چلنے کی طاقت ہے۔ شیخ اس کے پاس آئے اور اپنے عصا کو اس کی آنکھوں اور گھٹنوں پر لگایا۔ اس کی برکت سے اس نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ اپنی جماعت کے ساتھ جا ملا۔ اور کہا یہاں تو معاملہ ہی اس کے برعکس ہے جو تم نے خیال کر رکھا ہے۔ تمام شرمندہ اور نامراد واپس آئے۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی اس طرف کا رخ نہ کیا۔ حالانکہ شیخ کا مکان آبادی سے الگ اور کچا تھا۔ اور آپ کی دولتمندی کے قصے بھی مشہور تھے اور پہرے کا بھی کوئی انتظام تھا۔

قدوۃ العارفین عمدۃ الواصلین مخدومی حضرت شیخ محمد

قدس سرہ کے مختصر حالات و کرامات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی اکرم اولیاءہ بصنوف الآیات واصطفے المقربین من عبادہ بانواع الکرامات۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و الہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی کہتا ہے کہ یہ چند کلمات ہیں جو کہ "العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ" کے نام سے موسوم ہیں۔ جو کہ میرے جد مادری قدوۃ العارفین عمدۃ الواصلین مخدومی حضرت شیخ محمد پھلتی قدس سرہٗ کے

مناقب و کرامات پر مشتمل ہیں۔
واضح ہو کہ حضرت شیخ کے اجداد پہلے سدہور میں جو کہ پورب میں ایک شہر ہے، مقیم تھے، وہ نسلاً بعد نسلٍ مسند درس و تدریس رونق افروز ہوئے۔ یہاں تک کہ شیخ احمد بن یوسف سلطان کی مجلس میں پہنچے۔ وہاں انہوں نے اعتبار قائم کر لیا۔ انہیں معاش کی خاطر بار ہہ کی طرف چند مواضعات ملے۔ اسی وجہ سے موضع پھلتی میں انہوں نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ان کی اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی۔ شیخ احمد موصوف کے بھائی شیخ محمود کے دو فرزندوں نے بھی شیخ فرید اور شیخ محمد وہاں رہ گئے۔
حاصل کلام شیخ فرید اپنے آبا و اجداد کے طریق پر فضائل کسبی و وہبی سے موصوف تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے۔ شیخ فیروز، شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمٰن۔ ان میں سے شیخ ابوالفتح نے عنفوان شباب میں تحصیل علوم میں مشغول ہوئے اور علم سے کامل حصہ پایا۔ پھر ان کی بلند ہمت علوم سلوک باطن کی طرف مبذول ہوئی اور کافی عرصہ تک اس دور کے صوفیا کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد شیخ نظام نارنولی جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ حانوی گوالیری کے خلفا میں سے تھے، کی صحبت میں رہے یہی صحبت ان کے موافق آئی کئی سالوں تک ریاضتیں کیں، اور فیوض حاصل کئے اور مرتبہ ارشاد و تکمیل پر پہنچ کر اپنے وطن واپس آئے۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود اکتسابی علوم زیادہ نہیں جانتے تھے۔ ان کے گھر میں علمی فیض شیخ ابوالفتح کی بدولت ہے۔ جو شیخ کی اولاد کی تربیت و تکمیل میں کمربستہ ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں دانشمند و نامور بنا دیا۔
یہ بھی سنا گیا ہے کہ ایک صاحبدل بزرگ نے شیخ ابوالفتح کو نظام کی خدمت میں دیکھ کر بہت تعجب کیا اور کہا کہ آفتاب ستارے کی پناہ لئے ہوئے ہے او کما قال۔
یہ بھی سنا گیا ہے کہ شیخ ہیبت اللہ انصاری جو کہ شیخ عبدالعزیز کے خلفا میں سے تھے۔ اور پھلت کے باشندے تھے۔ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ میری نماز جنازہ شیخ ابوالفتح پڑھائیں۔ اس وقت شیخ نارنول میں تھے۔ لوگ انتظار کر رہے تھے اور وضو کر رہے تھے کہ شیخ ابوالفتح بعجلت تمام پہنچے اور نماز جنازہ کے امام بنے۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ

بسرعت تمام وطن پہنچنا چاہیئے۔ گویا ان کے وطن پہنچنے کا واقعہ اسی سے متعلق تھا۔
اور یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ دونوں شیوخ نے آپس میں معاہدہ کر رکھا تھا کہ جو شخص پہلے فوت ہوگا۔ دوسرا اس کی نماز جنازہ پڑھائے گا۔ جب شیخ ہیبت اللہ کی مرض الموت میں شیخ ابوالفتح نے جانے کا ارادہ کیا تو شیخ ہیبت اللہ نے انہیں وہ عہد یاد دلایا۔ شیخ نے کہا وہ عہد ضرور پورا ہوگا۔ پس ان کا پھلت پہنچنا اسی غرض سے تھا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوالفتح کی شادی خواجہ طیفور کی عفت مآب بیٹی سے ہوئی۔ محفل نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتح کی حالت متغیر ہوگئی۔ اور وجد و رقص میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ خواجہ طیفور کا مسلک انکارِ سماع تھا اور سننے والوں کو منع کرتے تھے۔ اس قصہ کو خواجہ طیفور تک پہنچایا گیا۔ خواجہ نے آکر دیکھا اور فرمایا اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے۔ اس پر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ ابوالفتح کے انتقال کا وقت آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید سے کچھ پڑھو جب وہ تلاوت سے فارغ ہوا تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سبحان ربک رب العزت عما یصفون پڑھتے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ شیخ ابوالفتح کا اوراد مشائخ میں ایک لطیف رسالہ ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جب شیخ ابوالفتح کے ایام زندگی اختتام پر پہنچے تو ان کے بڑے لڑکے شیخ ابوالفضل نے مسند دعوت و ارشاد کو زینت بخشی۔ طویل زندگی پائی اور وہ تمام حصول رضائے الٰہی، دنیا اور اہل دنیا سے عدم التفات، علومِ دینیہ کی بڑی گہری نظر سے تحقیق و تدریس اور کتبِ سلوک مثلاً احیاء العلوم اور عین العلم پر عمل میں گذاری۔ آپ آداب طریقت میں خوش مشرب تھے۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) نے عین العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضل نے اپنی قلم سے حواشی کا اضافہ کیا ہے کی زیارت کی ہے۔ ان حواشی کی خوبی سے شیخ کی تحقیق اور نظر کی گہرائی پر استدلال کیا جا سکتا ہے ــــــ سننے میں آیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے کسی عزیز کو کسی چیز کو لانے کے لئے فرمایا۔ اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لی۔ اور کچھ شیخ کے پاس پہنچا دی۔ اسی دوران میں آپ کے پاس کسی نے حلوہ بھیجا۔ شیخ نے اسے تقسیم کر دیا جب اس شخص کی نوبت آئی تو اسے دوسرے لوگوں سے بہت ہی کم دیا۔ فرمایا کہ یہ تمہاری خیانت کی وجہ سے ہے۔

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ ابوالفضل کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند

شیخ ابوالکرم جو پہلے نوکری کرتے تھے سجادہ نشینی کی کوشش کرنے لگا۔ اور اس کام کو سنبھالنے کا ارادہ کیا اور رشتہ داروں کی ایک جماعت اس کی حمایت میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ مبارک جو شیخ کا خادم تھا یہ صورت حال دیکھ کر متفکر ہوا۔ اور شیخ کی روح کی طرف متوجہ ہو تاکہ اس مسئلہ کی حقیقت پر مطلع ہو۔ شیخ نے خواب میں اس سے کہا کہ میرا سجادہ نشین وہ ہے جو کل فلاں درخت کے نیچے کھانا تقسیم کریگا۔ شیخ مبارک نے اس خواب کو ایک جماعت کے سامنے بیان کیا۔ اتفاقاً صبح سویرے عجیب اتفاق ہوا کہ شیخ محمد عاقل کے ہاتھوں کھانا تقسیم ہوا۔ آہستہ آہستہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ شیخ ابوالکرم کی جمعیت متفرق ہو گئی اور وہ اس مشکل وقت میں جو درویشی کا لازمہ ہے صبر نہ کر سکے۔ حاصل کلام یہ کہ شیخ محمد عاقل طلبا اور فقراء کی رعایت فرماتے اور اوراد و وظائف پر سختی سے کاربند رہنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جود و سخا و ترکِ دنیا میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کے بڑے فرزند مخدومی شیخ محمد تھے۔

حضرت شیخ محمد۔ آغاز کار ہی سے آپ کی پیشانی سے رشد و ہدایت کے آثار ظاہر تھے اور اہلِ دل ان کے حال پر التفات کرتے چنانچہ شیخ جلال جو کہ شیخ بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور اس علاقہ میں گوشہ نشین تھے۔ شیخ محمد عاقل کے ساتھ گہری دوستی رکھتے تھے جب شیخ پیدا ہوئے تو انہوں نے خوشخبری دی اور تصریح اور کنایہ سے خواص کو مطلع کیا کہ یہ نومولود بہت بڑے مرتبہ کا مالک ہے۔ ان کی ولادت کے موقع پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ میرا قرآن مجید ان کو پہنچا دیں۔

جب شیخ سنِ تمیز کو پہنچے تو علوم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ نارنول میں اور کچھ حصہ مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا۔ اس کے بعد قدوہ ارباب کمال سیدی و والدی شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ صحبت انہیں بہت موافق آئی۔ وہاں سے علوم حاصل کیے۔ پھر انہیں غیب سے خدا طلبی کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے جواں مردوں کی طرح اس پر لبیک کہا۔ انہوں نے ان تمام سرچشموں سے استفاضہ کیا۔ سالہا سال تک طلب کی کشائش میں ثابت قدمی سے صوفیاء کے تمام اشغال حاصل کئے۔ یہاں تک کہ بحکم

کان للہ بودی در ماضی　　　تا کہ کان اللہ لہٗ آمد جزا

(تو ماضی میں جو کہ اللہ کے لئے تھا اس لئے کان اللہ لہ اس کی جزا ہے)۔
مقام تکمیل وارشاد حاصل کر کے وطن آئے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ کی پسندیدہ سیرت بڑھی کہ جود وسخا تواضع وانکساری ترکِ خواہشات نفس، اپنے مرشد کے احترام اور ایام طلب وارشاد دونوں میں اپنے شیخ کی رضاجوئی افادۂ ظاہری وباطنی اور تاثیر توجہ میں اپنے تمام خاندان کے صوفیاء سے سبقت لے گئے تھے۔ اور اپنے ہمعصروں کیلئے مقابلہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔

شیخ محمد فرماتے تھے کہ اثنائے تحصیل علوم میں ہمارے شیخ کا دل اکثر تجرد کی طرف مائل تھا اس لئے احباب کے اسباق تھوڑے ہوتے تھے۔ اس بات سے دل میں غم پیدا ہو گیا۔ اتفاقاً اسی دوران میں شہر کے ایک فاضل شخص کے درس سے میرا گزر ہوا سبق پر ان کی پابندی دیکھ کر میرا پختہ ارادہ ہو گیا کہ چند ضروری کتابیں ان سے پڑھی اور سنی جائیں جب میں حضرت کی مجلس میں پہنچا۔ میری طرف آپ نے دیکھا اور قلم اٹھا کر کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین کلمے لکھ کر وہاں پھینک دیا اور اٹھ کر گھر چلے گئے۔ میں نے دیکھا لکھا تھا۔ "آج تو کہاں گیا تھا مجھے تجھ میں ظلمت دکھائی دیتی ہے" میں نے توبہ کی اور اس عزم سے باز آیا پھر ایسی صورت ظاہر نہ ہوئی۔

ایک روز حضرت والا مرشد شیخ محمد نے اپنے ایک مرید کو کسی کے گھر ایک بکری پہنچانے کا حکم دیا جب اس نے دیکھا کہ بکری کا ہنکانا اور اٹھانا مشقت سے خالی نہیں تو اس نے سوچا کہ کسی مزدور کو تلاش کرے۔ اس وقت کوئی مزدور دستیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے تاخیر ہو گئی جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو بڑی تیزی سے اس بکری کو گردن پر رکھا اور چل دیئے جب واپس آئے تو حضرت والا نے دونوں کے حالات سے مطلع ہو کر فرمایا کہ انہیں (شیخ محمد) کو حسن خدمات کی وجہ سے مقربین کے درجات تک پہنچا دیا اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبہ سے باز رکھا پس یہ ثابت ہو گیا۔

فرماتے تھے کہ آدھی رات کا وقت تھا یا کچھ کم یا زیادہ کہ حضرت والا سجدہ سے اُٹھے اور جب دروازہ پر پہنچے تھوڑی دیر مراقبہ کی حالت میں کھڑے رہے پھر فرمایا اگر کوئی طالب تمہاری طرف رجوع کرے تو اس کو تلقین کر تجھے اجازت دیتے ہیں میں نے سوچا کہ میرے دل میں تو اس کا کبھی خیال پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے مجھے قدرے توقف ہوا وہ میرے اس خیال

سے مطلع ہو گئے۔ فرمایا کہ اس وقت وہ لوگ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ تجھ سے بیعت کریں گے۔ مجھے ان تمام کے نام بتائے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ان میں سے کچھ بیان کروں۔ جب کوئی کام مقدر ہو گیا ہو تو پھر توقف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ ایک امیر کو حبس بول کی شکایت پیدا ہو گئی۔ ہر چند علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اسی اثنا میں شیخ بایزید اللہ گو مساکین کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں سے اللہ اللہ کہتے ہوئے گزرے جیسا کہ ان کا دستور تھا۔ ان کے دروازہ پر گذر ہوا۔ اس کے متعلقین بھاگے اور بہت مبالغہ کیا کہ یہاں ایک بیمار ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔ شیخ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ بیمار کے اضطراب اور بے چینی کو دیکھا۔ شفقت کی اور فرمایا کہ خدا کے لئے کوئی چیز لاؤ۔ اس نے کہا جس قدر آپ فرمائیں۔ فرمایا فی الحال ایک ہزار روپیہ لے آؤ۔ انہوں نے فوراً حاضر کر دیا۔ شیخ دروازہ سے باہر کھڑے ہو گئے اور آشنا اور بیگانہ جو سامنے آیا ان میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ روپے ختم ہو گئے۔ فرمایا کہ اب کیسا ہے انہوں نے کہا اسی طرح ہے۔ فرمایا ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ۔ وہ لے آئے تو اسے بھی تقسیم کر دیا۔ پوچھا کہ اب کیسا ہے۔ انہوں نے کہا اسی طرح ہے۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ عرض کیا۔ خداوندا! مجھے پھر مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اپنے فضل سے اس کی ضرورت پوری فرما دے۔ اسی وقت اس کا پیشاب کھل گیا۔ اور شفا یاب ہو گیا۔

فرماتے تھے کہ سات سال ہو گئے ہیں کہ میں خود کو خود میں نہیں پاتا اور یہ رباعی پڑھی ؎

اے دوست ترا بہرِ مکاں جستم | وز تو خبری ازیں و آں می جستم
دیدم بتو خویش را تو خود من بودی | خجلت زدہ ام کز تو نشاں می جستم

حضرت شیخ محمد فرماتے تھے کہ ایک روز حق سبحانہ وتعالیٰ ایک دوست کی شکل میں اس طرح ظاہر ہوئے گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں۔ پھر فرمایا اس بچہ کو تمہارے گھر میں پیدا کروں گا۔ میں نے عرض کیا خداوندا! تیری مخلوق ہے تو جہاں چاہے پیدا کر دے۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد مخدومی شیخ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے۔ جو حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے۔

فرماتے تھے کہ میرے اقارب میں سے محمد سخی نامی شخص پور چک کے نواح میں شہید ہوا تھا طالب علمی

کے زمانہ میں جبکہ مسجد کے حجرہ میں تنہا بیٹھا ہوا تھا اور دروازہ بند کیا ہوا تھا کہ اچانک وہ عزیز متمثل ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ اس کے لباس اور ہتھیاروں سے شعاعیں نکل کر زمین پر پڑتی ہیں۔ میں نے کہا اپنے حالات مجھے بتائیے۔ اس نے کہا جس وقت مجھے زخم آتے تھے تو ایسی لذت پاتا تھا جس کی لذت اب تک میرے دل میں باقی ہے۔ اب بادشاہ کی فوج فلاں میخانہ کو توڑنے کے لئے نکلی ہے۔ ہمیں بھی ان کی رفاقت کا حکم ہوا ہے۔ اس تقریب سے اس راستہ سے ہمارا گزر ہوا۔ چونکہ مجھے تمہاری ملاقات کا شوق تھا تمہارے حجرہ میں چلا آیا۔ جب شیخ محمدؒ نے وفات پائی تو والد صاحب ان کی قبر پر بیٹھے اور دوستوں کو ذکر جہر کرنے کی ہدایت فرمائی اس صحبت کے بعد فرمایا کہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور کہا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں متمثل ہو کر تمہارے سامنے آؤں۔ مجھے اس بات کی قدرت عطا کی گئی ہے لیکن مصلحت نہیں تھی۔ اب حضرت شیخ محمد کے کچھ تصرفات اور بعض کرامات تحریر کرتا ہوں۔

سید علی جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے ذکر کرتے ہیں کہ عنفوان شباب میں میں شراب نوشی میں منہمک تھا اور کسی بُرے کام سے باز نہیں آتا تھا میں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے ان برے کاموں سے بیزار ہو جاؤں اور تقوی کا خیال میرے دل میں مستحکم ہو جائے تو میں ان کی صحبت کو لازم پکڑوں گا اور اس سے بیعت ہو جاؤنگا۔ حضرت والا کسی کام سے بستی سرائے میں آئے۔ اس تعلق سے کہ میرے والد صاحب ان کے معتقد تھے میں بھی آیا حضرت والا نے میری طرف توجہ کی اور فرمایا کہ تم کہاں تھے اور کہاں نوکر ہو۔ اس قسم کی دو تین باتیں فرمائیں میرے دل میں ان سے عجیب کشش اور ان بُرے کاموں میں نفرت پیدا ہو گئی اور لمحہ بلمحہ بڑھتی رہی میں نے اُٹھ کر شراب کی تمام بوتلیں توڑ دیں۔ اور بُرے کاموں کے تمام اسباب دور کر دیئے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنے۔ توبہ اور بیعت کی اور ان کی صحبت کو لازم پکڑا۔ ایک مدت کے بعد مجھے کابل کے سفر کا اتفاق ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کی صحبت سے کچھ وقت بہرہ اندوز ہوتا۔ مگر کیا کروں قسمت مجھے کابل کھینچے لئے جاتی ہے۔ آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا ؎

گر در یمنی چو بامنی پیش منی در پیش منی چو بے منی در یمنی

اور مجھے اجازت فرمائی اور میں کابل چلا گیا۔ وہاں ایک روز مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسّر آگئی اور بدکاری کی خواہش مجھ پر غالب آگئی اور قریب تھا کہ توبہ کا عہد ٹوٹ جاتا۔ اس وقت آپ کی صورت مبارک ظاہر ہوئی۔ صورت مبارک کو دیکھتے ہی اس کی شہوت جاتی رہی۔ اس ملک میں تین یا چار سال رہا۔ میرے دل میں کبھی عورتوں کا خیال نہیں آیا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میں نامرد ہو گیا ہوں۔ جب میں وطن لوٹا اور اپنی بیوی سے ملا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نامرد نہیں ہوں بلکہ یہ عصمت تھی۔

عظمت اللہ نامی ایک طالبعلم خانقاہ میں رہتا تھا جو خوبصورت شکل و صورت کا مالک تھا۔ جب وہ گاتا تو حضرت والا بہت خوش ہوتے۔ ایک رات آپ بہت زیادہ مسرور تھے۔ عظمت اللہ کو گانے کے لئے فرمایا۔ اس نے وضع داری کرتے ہوئے پرواہ نہ کی۔ تین مرتبہ آپ نے مطالبہ کیا۔ اس نے اسی انکار پر اصرار کیا۔ آپ ناراض ہوئے اور غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت اس کی عجیب حالت ہو گئی۔ چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ کپکپی طاری ہو گئی اور اس کے دل میں ہلاکت کا خوف طاری ہو گیا۔ اس نے محمد جعفر سے جو آپ کے خاص خدام میں سے تھا، التجا کی۔ جب اس نے سفارش کی تو آپ نے غصہ معاف فرما دیا مگر فرمایا کہ وہ رغبت جو مجھے اس کی آواز سے تھی اب نہیں لوٹ سکتی۔ اس کے بعد چہرہ کی خوبصورتی جاتی رہی اور تمام لوگوں کی نظروں میں مردود ہو گیا۔ اور انواع و اقسام کے بُرے کاموں اور فساد عقیدہ میں مبتلا ہو گیا اور کسی جگہ سے بھی وہ کچھ حاصل نہ کر سکا۔ والعیاذ باللہ

ایک مرتبہ سید برہان بخاری کو قولنج کا عارضہ ہو گیا۔ سخت بیقرار ہوا۔ حضرت والا کی خدمت میں التجا کی۔ آپ اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھے اور اس کی بیماری کو سلب کر لیا۔ جس سے وہ شفایاب ہو گیا لیکن کبھی وہ عارضہ حضرت والا کو لاحق ہو جاتا تھا۔

میر عبداللہ جو کہ آپ کے خاص مریدوں میں سے تھا بیان کرتا تھا کہ حضرت والا ایک بستی میں تشریف لے گئے اور میں ان کی خدمت میں تھا۔ جب واپسی کا ارادہ پختہ ہو گیا تو مجھے سخت بخار آگیا اور حرکت کی طاقت نہ رہی۔ میرے لئے سواری تلاش کی گئی۔ لیکن میسر نہ آئی۔ فرمایا اگر چل سکو تو میرے گھوڑے کے آگے آگے چلو عجیب واقعہ مشاہدہ کرو گے۔ بڑی مشکل سے مجھے کھڑا کیا۔ میں نے ان کی نظر مبارک کے سامنے پہلے کچھ کمی محسوس کی۔ ان کے گھوڑے کے آگے چلنا شروع کیا۔ ہر لمحہ زیادہ کمی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ مجھے مکمل شفا حاصل ہو گئی اور تمام راستہ سنوتہ کی بستی

تک چلا۔ آپ کے ایک مخلص نے دعوت کی اور کھانا تیار کیا۔ جو پندرہ آدمیوں کو کفایت کرتا تھا۔ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ٹلونبہ کا حاکم ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ صاحب طعام مضطرب ہوا۔ فرمایا اس کام کا فکر نہ کرو۔ اس کی ذمہ داری ہم پر ہے۔

پھر فرمایا بہت سی صحنکیں لاؤ۔ تمام لوگوں کو کافی کھانا ملے گا۔ اور تمام سیر ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر آپ نے تبسم فرمایا اور کہا فقیر کبھی کبھی ایسا بھی کرتے ہیں۔

شیخ اللہ بخش ان کے قبیلہ کا ایک شخص تھا جو معتبر اور وجیہہ تھا۔ ایک روز آپ کی خدمت میں بیوقوفی کی اور گستاخی دکھائی۔ آپ کی طبیعت اس سے کھٹی ہو گئی۔ فرمایا خداوندا! مجھے دوبارہ اس کا منہ نہ دکھانا۔ اسی وقت سوار ہوئے اور چلے گئے۔ وہ شخص بیمار ہو گیا اور حالت نزع کو پہنچ گیا۔ تیسرے روز واپس آئے تو مر چکا تھا اس کے جنازہ پر نماز پڑھی۔

شیخ عبدالوہاب جو آپ کا چچیرا بھائی تھا۔ اس نے ایک مکان تعمیر کیا۔ اس علاقہ کے ایک رئیس رستم نامی نے اس کی عدم موجودگی میں اس کے گرانے کا ارادہ کیا۔ یہ قصہ آپ کے گوش گزار کیا گیا۔ فرمایا یہ بات بہت ناپسند ہے کہ ہماری موجودگی میں شیخ عبدالوہاب کی عمارت کو گرادیں۔ جنگ کرنا بھی فقیروں کا کام نہیں میں ایسا تصرف کرتا ہوں کہ وہ ہرگز یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ جب رستم عمارت گرانے کے لئے فوج اکٹھی کر کے نکلا، تو سید لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک شخص جو اس کام میں اس کے ساتھ متفق نہیں تھا۔ راستہ میں درشتی کی اور نوبت یہانتک پہنچی کہ اس عامل کا بھائی قتل ہو گیا۔ اس قتل کے بدلہ اس سے مواخذہ ہو گیا اور اسی مواخذے میں مر گیا۔

سید محمد وارث ذکر کرتا ہے کہ مجھے ایک سفر پیش آگیا میں نے جناب کی خدمت میں رجوع کیا۔ مجھے آپ نے عافیت کی خوشخبری دی۔ اتفاقاً راستہ میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ اور ہلاکت کا خوف طاری ہو گیا میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ اسی اثنا میں مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے تھے اے فلانے! تجھے کس نے منع کیا ہے اٹھو اور جاؤ اور دو لڈو جو مٹھائی کی ایک قسم ہے۔ مجھے عنایت فرمائے میں نے انہیں اپنی جیب میں محفوظ رکھا۔ جب میں بیدار ہوا تو وہ دو نو لڈو میرے پاس تھے میں اٹھا اور سوار ہو کر۔

چل دیا۔ تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے۔ اور کسی شخص نے تعرض نہیں کیا۔ وہ لڈو عرصہ تک میرے پاس رہے۔ جب آپ نے انتقال فرمایا تو میں نے انہیں کھالیا۔

آپ کی ایک مخلص متوسلہ کو جو کہ ایک بوڑھی عورت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد تپ لرزہ نے آلیا۔ اور بہت کمزور ہوگئی۔ ایک رات پانی پینے اور لحاف اوڑھنے کی اسے ضرورت ہوئی لیکن اس میں اتنی طاقت نہ تھی وہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا۔ آپ متمثل ہوئے پانی دیا اور لحاف اوڑھ اوڑھایا۔ پھر غائب ہوگئے۔

جن دنوں شاہ عالم اور اعظم آپس میں لڑ رہے تھے۔ حضرت والا کے ایک مخلص نے آپ کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ ان دونوں میں سے جس کی فتح ہوگی وہ بتائیے تاکہ میں اس کا ساتھ دوں۔ آپ نے صراحت سے لکھا کہ فتح عالم شاہ کو ہوگی۔ چنانچہ اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔

کفار مانکیاں نے متبعین پیدا کرکے ایک گروہ تیار کرلیا تھا جو اکثر اس علاقہ کی بستیوں کو لوٹا کرتے تھے۔ بستی والے تمام پریشان ہوگئے تو دعا اور توجہ کی درخواست کی۔ فرمایا اس سے پہلے تو جس چیز کی طرف چاہتا تھا ہمت متوجہ ہو جاتی تھی۔ اب تو ہمت اور ارادہ ہی باقی نہیں رہا۔ جو کسی چیز سے متعلق ہو لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے اس کے اسمائ سے تمسک کرنا چاہیئے۔ پھر ختم خواجگان میں مشغول ہوئے۔ فراغت کے بعد فرمایا دعا مقبول ہوگئی اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس قوم کو ہماری طرف سے پھیر دیا ہے۔ چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت والا جب کسی کی طرف نظر کرم سے دیکھتے تھے تو جلد ہی وہ غیبوبت میں پہنچ جاتا اور عجیب حالات رُونما ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ موضع سنبلہیڑہ کے باشندوں نے تاثیر اور توجہ کی استدعا کی۔ ایک ہی نظرِ مبارک سے سید نور علی اور سید ملتانی وغیرہ سترہ اشخاص بیخود ہو کر گر پڑے۔

ایک مرتبہ قصبہ لادر کا شیخ مانکہ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا حضرت! میں آپ کے تاثیر کے امتحان کے لئے آیا ہوں۔ حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اشراق کے وقت سے جمعہ کے وقت تک بے خود پڑا رہا۔ جب اسے حرکت دی اور متنبہ کیا تو بھی مستانہ وار چلتا

تھا جب وہ اپنی حالت پر آیا تو اس سے پوچھا تو کہنے لگا اگر ایک ساعت اور میری طرف متوجہ رہتے تو میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی۔

سید عبدالرحیم اور سید ہاشم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بیعت اور صحبت کیلئے ربط پیدا کیا۔ آپ کی صحبت کی تاثیر سے ہر ایک میں عجیب حالت سرایت کر گئی۔ سید عبدالرحیم کو دلوں اور قبور کا کشف حاصل ہوا۔ جس قبر کے پاس جاتا اس کا حال بیان کرتا۔ ایک مرتبہ اس کھاتولی کے نزدیک کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ زمین سے ایک شعلہ نکلا ہے اور آسمان سے جا کر مل گیا ہے۔ جب قبر کے نزدیک پہنچا تو کہا کہ شعلہ اس قبر سے نکلتا ہے جب تحقیق کی تو وہ صاحب قبر ظلم و فسق سے متصف نکلا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی شخص کے سامنے جاتا اور اس کے دل میں پوشیدہ باتوں کو بیان کرتا۔ آہستہ آہستہ اس کی عقل جاتی رہی اور مجذوبوں کی طرح پھرتا تھا۔ اس کی والدہ نے حضرت کی خدمت میں بہت گریہ وزاری کی۔ فرمایا کہ اسے چند روز میرے پاس رہنا چاہیئے۔ اسے ایک مدت تک آپ کی نظر مبارک کے سامنے رکھا، چند دنوں میں افاقہ ہو گیا اور سید ہاشم کی یہ کیفیت ہو گئی کہ جس شخص کو جن پریشان کرتا اسے دیکھتے ہی جن بھاگ جاتا۔ ایک دنیا ان کی نظر سے سبب جن کے آسیب سے نجات پاتی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بھی مجذوب ہو گیا۔ صحرا اور بیابان میں پھرتا تھا۔ ایک رات ایک ہندو فقیر کے تکیہ پر پہنچا جو ہندوؤں کا مقتدا تھا۔ اس نے جادو کر دیا۔ تالاب کے کنارے سے سنگریزوں پر خشک چمڑے کے گزرنے کی آواز آتی تھی۔ اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اس کے بعد ایک خوفناک بھینسے کی شکل میں دیو متمثل ہوا اور اس پر حملہ کر دیا وہ پوری مستی میں حق حق کہتا ہوا اس کی طرف بڑھتا تھا۔ ایک ساعت میں ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں پھیل گیا۔ جب ہندو نے یہ واقعہ مشاہدہ کیا تو مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص عبدالسبحان نامی ان سے ملا۔ اس پر ایسا تصرف کیا جس سے اس پر توحید کی ایک قسم منکشف ہوئی۔ دیوانہ وار کوچہ و بازار میں پھرتا تھا اور ہر چیز کو خدا کہتا تھا اور تمام شرعی اور عرفی حدود سے نکل گیا۔ لوگ اس وجہ سے تنگ آ گئے اور اسے دوبارہ آپ کی نظر کے سامنے لائے۔ آپ نے وہ تمام کیفیت کھینچ لی تو اسے افاقہ ہو گیا۔

سید عنایت اللہ ساکن سنبلہیڑہ کو آپ کی توجہ سے تھوڑے زمانہ میں غیب کی باتوں کا

کشف حاصل ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار وہ بیمار تھا حضرت والا اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اسے آپ کے سوار ہونے کے وقت سے وہاں پہنچنے کے وقت تک کے تمام حالات منکشف ہو گئے گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ جب سوار ہوئے تو اس نے کہا۔ اب سوار ہوئے، پھر کہا اب فلاں جگہ پہنچے ہیں، پھر کہا اب ہمارے شہر میں آگئے ہیں۔ دوستو! جلد ان کے استقبال کے لئے جاؤ پھر کہا اب ہمارے دروازے پر پہنچ گئے ہیں۔ مجھے بٹھا دو۔

سید ملتانی آپ کی خدمت میں رہے اسے عجیب و غریب غیبت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے شور و غل کا اسے کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس پر توحید کا غلبہ ہوگیا۔ کسی نے اس سے توحید کی مثال پوچھی تو بتایا اس کی مثال ایسی ہے کہ ریت سے گھڑا بھر دیں۔ اور اس میں پانی ڈال دیں تو جس طرح پانی تمام ذرات میں سرایت کر جاتا ہے ایسے ہی اس کی مثال ہے۔

محمد محسن نے آپ کے ساتھ تعلق پیدا کیا۔ تھوڑے وقت میں آگاہی ذات سے مشرف ہوئے اور ہمہ اوست کی معرفت کا ان پر غلبہ ہوا۔ آپ نے محمد جعفر کو اس پر متعین کر دیا تاکہ اس کی نماز فوت نہ ہو۔ چند دنوں کے بعد اس سکر سے کچھ افاقہ ہوا۔ اس کے بعد محمد محسن کی توجہ یہاں تک پہنچی کہ ایک مرد ایک عورت کی محبت میں گرفتار رہا اور دیوانہ وار روتا پھرتا تھا۔ بعض دوستوں نے اس سے کہا افسوس ہے کہ اگر یہ مرد ہاتھ سے جاتا رہے۔ محمد محسن نے اسے اپنے پاس بلایا اور ایک دو ساعت اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل نکل گئی۔ اور اس کی جگہ محبت الٰہی پیدا ہو گئی۔

عبد الہادی نامی شخص جو سماع و وجد کا منکر تھا ان کی خانقاہ میں ٹھہرا۔ اتفاقاً ایک روز آپ بھی مجلس سماع میں مدعو تھے۔ راستہ میں خوش طبعی سے اسے فرمایا کبھی تم نے وجد بھی کیا ہے، اس نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو۔ اسے بہت تعجب ہوا سماع کے وقت اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں تصرف کیا مستانہ وار حرکتیں اس سے ظاہر ہونے لگیں اور ان میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا رہا۔ دو روز تک اسی طرح بے خود رہا۔

نتھو نامی ایک شخص ساکن جہان آباد۔ آپ کی خدمت میں آیا۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے بے خود ہو گیا۔ اس دوران میں جو اسے دیکھتا متاثر ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ آپ کے تصرفات اور

کرامات حد و شمار سے باہر ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر یہ چند ذکر کی گئیں۔
حضرت شیخ محمد ۸ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ والحقنا بہ۔

حرمین شریفین کے متاخرین مشائخ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی جعل الحرمین خیر بلادہ واسکن فیھما فی کل قرن صفوۃ عبادہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں "انسان العین فی مشائخ الحرمین" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ حرمین شریفین کے بعض ان مشائخ صوفیاء اور علماء محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں جن سے اس فقیر کو سلسلہ خرقہ صوفیاء اور اسناد حدیث پہنچی ہیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ عنی خیر الجزاء۔

شیخ احمد شناوی ؒ

آپ علی بن عبد القدوس بن محمد عباس شناوی کے فرزند ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد کبار اولیاء سے ہوئے ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعراوی نے ان کے کچھ حالات قلمبند کئے ہیں۔ آپ علم شریعت اور طریقت کے جامع تھے۔ آپ نے علم حدیث شمس رملی، اپنے والد، سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن سے حاصل کیا اور اپنے والد سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ان کے بعد سید صبغۃ اللہ کی صحبت کا التزام کیا اور ان سے بھی خرقہ خلافت پہنا اور انکی صحبت میں درجات عالیہ کو پہنچے اور ان سے خلافت حاصل کی اور سالکین کی تربیت کے لئے ان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

لو کان الشعراوی حیاما وسعہ الا اتباعی (اگر شعراوی زندہ ہوتے تو ان کیلئے بھی میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا) انہوں نے فرمایا عھدنا یحفظ وان لم یحفظ

کاتب حروف کہتا ہے کہ متاخرین اہل حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت اخذ عہد کو کہتے ہیں یعنی جب بھی مشائخ صوفیہ اس کی بیعت قبول کرتے ہیں اس طریقہ کے مشائخ کی برکت زندہ ہوں یا گذشتہ کی برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ لا یدخل النار

من رآنی ورای من رآنی الی یوم القیامۃ (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا) کہتے ہیں کہ ایک روز اپنے حجرہ میں سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا حکم شرعی کے مطابق اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے اس خیال کو کمزور کر دیا پھر اسے مارنا چاہا پھر شہود وحدت نے اس خیال کو مضمحل کر دیا خلاصہ کلام یہ کہ ان دو خیالات میں متردد ہو گئے۔ آخر کار شرعی حکم کی اتباع کا مصمم ارادہ کر کے ایک پتھر اس کی طرف ملا۔ اتفاقاً نشانہ خطا ہو گیا اور گرگٹ بھاگ گیا۔ بہت خوش ہوئے اور کہا الحمد للہ الذی جمع لنا بین الامرین۔ شیخ احمد قشاشی نے اس حکایت کے بعد کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ہرگز توقف نہ کرتا اور اس گرگٹ کا سر پتھر سے کچل دیتا۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد اس سے یہ تھی کہ وحدت حقیقت میں ایسے طریقہ سے واقع ہے کہ کثرت اور اس کے احکامات سے کوئی منافات نہیں رکھتی۔ اگرچہ پانی اور آگ وجود میں ایک ہوں لیکن جب ہر ایک ایک خاص فیض کا منبع ہو گئی اور خاص استعداد کا مظہر ہو گئی پانی آگ سے معدوم ہو جاتا اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے۔ شرح کا حکم ان احکام کثرت میں ضبط ارتباط ہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وہ وحدت کثرت کی مزاحم نہ ہو اور نہ ہی کثرت وحدت کی مزاحمت کرے ؎

چو بے رنگی اسیر رنگ شد　　　موسوی با عیسوی در جنگ شد

آپ ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشیؒ

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف بعبد النبی ابن شیخ احمد الدجانی کے فرزند تھے دجاجہ (تخفیف جیم) بیت المقدس کے مواضع میں سے ایک موضع ہے۔ شیخ احمد دجانی اسی بستی کے بہت بزرگ آدمی تھے شیخ عبد الوہاب نے طبقات میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ اور شیخ یونس کو عبد النبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ قشاشی اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کرتے تھے اور قشاشہ پرانی بیکار گری پڑی چیزوں کو کہتے ہیں۔ جیسے

دوائیں اور پرانے جوتے وغیرہ اور محمد مدنی بھی عالم اور صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علم حقیقت اور شریعت میں امام تھے۔ حقائق معرفت میں باتیں کرتے تو وہ آیات احادیث سے مدلل ہوتیں انہوں نے بہت سے مشائخ کی صحبت حاصل کی اور اپنے والد سے خرقہ پہنا۔ لیکن انہیں شیخ احمد شناوی سے مقصد حاصل ہوا۔ اسی لئے انہوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ احمد قشاشی سیاحت کے لئے گئے ہوئے تھے تاکہ مشائخ صوفیہ سے ملیں۔ جب واپس آئے تو جدہ میں پہنچے تو خواب میں انہیں دکھایا گیا کہ شیخ احمد شناوی ہیں اور ان کی شرمگاہ سے منی بہہ رہی ہے اور انکے پاوں اور کپڑے آلودہ ہو گئے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ شیخ مرتبہ کمال کو پہنچ گئے ہیں لیکن ان کا فرزند کوئی معنوی پیدا نہیں ہوا جلدی سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے شناوی نے جب انہیں دیکھا تو کہا۔

مرحبا بمن جاء یقتبس مناعلو منا۔ (ہم اس شخص کو خوش آمدید کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم حاصل کرتا ہے)۔

کہتے ہیں کہ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی نے انہیں خرقہ پہنایا اور اپنی بہن ان کے نکاح میں دیدی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت درست ہو گئی ہے اور ابن عربی کی ہمشیرہ کی یہی تعبیر ہے۔ شیخ احمد قشاشی کے ہاتھ سے لکھا ہوا پایا گیا جس سے قلبی لذت مستحکم ہوتی ہے۔ اور ختمیۃ حاصل ہوتی ہے۔ وہ مرتبہ الٰہیہ کا خاص مقام ہے اس کا حامل وقت اور زمانے کے موافق اس سے متصف ہوتا ہے۔ ایسا فرد ابدالآباد تک ہیگا۔ یہانتک کہ روئے زمین میں اللہ اللہ کہنے والا باقی نہ رہے۔ کیونکہ مراتب الٰہیہ سے متصف لوگوں سے دنیا کا خالی ہونا ممکن نہیں یہانتک کہ اس کا حامل نہ رہے، وہ اگلے پچھلے لوگوں کے مرتبہ عددی کا محافظ ہوتا ہے۔ ان کی برکتوں سے جمیع مصالح تکمیل کو پہنچتے ہیں اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں فرد واحد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم نے حق بات کو ثابت کیا ہے اور سچی بات اختیار کی ہے اور بیان کی ہے جو شخص میری تابعداری کرتا ہے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے۔ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اہل ختمیت کے گروہ میں سے جن کو میں نے دیکھا ہے اور ہم سے ان تک سند کا

سلسلہ اللہ کے حکم سے ملا ہوا ہے منقطع نہیں ہے۔ وہ پانچ افراد ہیں جن کا چھٹا ان کا کاتب ہے۔ (شاید اپنی ذات مراد لی ہے) یہ بات اٹکل سے نہیں کہی گئی۔

کہتے ہیں کہ اپنی کسی ضرورت میں انہوں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیك انت اقرب الی حتی ام هذ افی من قربك منی وان بعدت الا ماشفعت فی و فی قضاء حاجتی کلها الدنیویة والاخرویة لی ومن احب امین

اس کے چھ ماہ بعد سید محمد بن علوی نے آپ کو لکھا۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اسے میری شفاعت کی خوش خبری دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علوی نے کہا میں نے دوسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ احمد قشاشی سے میرا اسلام کہہ دو اور اسے یہ خوشخبری سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جب مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمد فرماتے۔ ہمارا کوئی مقام نہیں کیونکہ اہل یثرب سے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یا اهل یثرب لامقام لکم گویا اس سے مقام بے نشاں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اور اس بات کی طرف کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نقش قدم پر ہیں۔

شیخ احمد قشاشی کی عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ تمام قرآن مجید آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ اس طرح فقہ مالکیہ میں قدرے عثمار یہ بھی۔

شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کی۔

ما علی احد کم ان یکون فی بیتہ محمد و محمد ان ثلثہ۔

اسی وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ خدا تعالیٰ مجھے تین فرزند دے گا اور ہر ایک کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد مجھے تامل ہوا کہ ایک کو دوسرے سے کس چیز کے ذریعہ متمیز کرونگا۔ میرے اس خیال سے آپ واقف ہو گئے۔ فرمایا ان میں سے ایک ابو سعید، دوسرا ابوالحسن اور تیسرا

ابو طاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت کے بعد یہی صورت متحقق ہوئی۔

شیخ ابراہیم سے یہ بھی منقول ہے کہ قشاشی نے ایک روز میرے دل کی بات کہی، میرے دل میں خیال آیا کہ کاش یہ معاملہ اس سے پہلے ہوتا۔ شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ فرمائی، اور فرمایا۔ ولوشاء اللہ ماتلوتہ علیکم ولا ادریکم بہ

شیخ قشاشی کی اس قسم کی کرامات اور تصرفات بے شمار بیان کئے گئے ہیں۔

الغرض قشاشی کی سیرت نہ تو فقہا زمانہ کی طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کی طرح بلکہ ان کا طریقہ متوسطہ اور بے تکلفی کا تھا کہ راہ سنت ہے ہے۔ امراء کے گھر میں نہیں جاتے تھے اور اگر وہ ان کی زیارت کے لئے آتے تو خندہ پیشانی اور بشاشت سے ملتے، اور ہر شخص کے مقام و مرتبہ کے مطابق سلوک کرتے اور اسی قوم کے معزز شخص پر مزید اکرام کرتے امر بالمعروف انتہائی ملاغت سے کرتے اور اپنے زائرین کو نصیحت سے محروم نہ رکھتے۔ شیخ عیسے مغربی نے کہا۔ ماخرجت من عند القشاشی قط الا والدنیا فی عینی احقر من کل حقیر ونفسی اذل من کل ذلیل ولوتکرر دخولی علیہ مرات۔

میں جب بھی قشاشی کی مجلس سے اُٹھا تو دنیا میری نظر سے سب سے زیادہ حقیر اور میرا نفس سب سے زیادہ ذلیل ہوتا خواہ متعدد بار میں ان کی مجلس میں حاضر ہوتا۔

آپ ۱۹۔ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں فوت ہوئے۔

سید عبد الرحمن الادریسی الشہیر بالمحجوب رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی ولادت مغرب کے شہر مکناسہ میں ہوئی تھی مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کی اس کے بعد کئی سال تک حرمین شریفین کی مجاورت کی۔ اس کے بعد اولیاء کی زیارت کے لئے یمن گئے۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ یمن میں اولیاء یوں پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے سبزی۔ انہیں یہاں ان کے ساتھ عجیب واقعات دلچسپ اور رنگیں صحبتیں میسر آئیں۔ پھر جب مکہ واپس آئے اور یہاں قیام کیا تو اہل مکہ نے آپ سے استفادہ کیا اور خرقۂ صوفیاء حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار روائیت بیان کرتے ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعی فقہی مدینہ سے میں نے سنا۔ وہ اپنے والد سے جو سید محمد

کے خادم تھے۔ اور وہ سید محمد سید عبدالرحمٰن کے معتقد تھے سے نقل کرتے ہیں کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ اس نے سید عبدالرحمٰن محجوب کی طرف رجوع کیا۔ اور دعا کی درخواست کی سید کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا کہ فلاں محلہ میں اس قسم کا مکان ہے۔ بریت المال کے افسر کو چاہیئے کہ اس میں سے شریف مکہ کو جس قدر ضرورت ہے لے لے اور باقی کو وہاں احتیاط سے چھوڑ دیں۔ لوگ اسی وقت گئے اور گھر کو اسی طرح پایا جیسا کہ انہوں نے بتایا تھا۔ وہاں سے بیس ہزار اشرفیاں لے لیں اور صندوق پر مہر لگادی۔ اور سید صاحب کے پاس لے آئے۔ آپ نے اسے شریفِ مکہ کو دیدیا۔ تاکہ اپنی ضرورت میں خرچ کرے۔ شریفِ مکہ کا اس کے بعد ارادہ ہوا کہ باقی رقم بھی اپنے تصرف میں لائے۔ لیکن وہاں سے اسے نہ گھر ملا نہ ہی مال۔ بہت حیران ہوئے۔ سید صاحب سے اس کا راز پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ایرانی شخص اپنے وطن میں مرگیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔ میں تصرف کرکے اس کے مکان کو مکہ میں لایا۔ جو ضرورت پوری ہوجانے کے بعد واپس چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سید عبدالرحمٰن محجوب سیدی احمد بن ملوان کے روضہ کی زیارت کیلئے گئے۔ سیدی احمد نے اپنے خادم کو خواب میں ان کے آنے کی خبر دی۔ اور فرمایا کہ کل ان کا استقبال کرو اور تعظیم بجا لاؤ۔ خادم ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گیا۔ اس نے انہیں بہت تلاش کیا مگر وہ اسے نہ ملے۔ ناامید ہوکر واپس آگیا۔ اس نے دیکھا کہ سید عبدالرحمٰن۔ سید احمد کے روضہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ دروازہ بند تھا۔ اور اس کی کنجی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابوطاہر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ ابراہیم کو شدید قبض ہوئی۔ چھ ماہ مسلسل روتے رہے اور کسی شخص کو اس کا سبب معلوم نہیں تھا۔ جب حج کا موسم آیا اور آپ کے بعض شاگرد شام سے قافلہ حج کے ساتھ آئے۔ ان کے لئے شیخ قشاشی سے اجازت لی تاکہ وہ حج پر جائیں۔ انہوں نے اجازت دیدی۔ جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبدالرحمٰن نے شیخ ابراہیم کی جائے نشست سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کتابوں کے نیچے سے ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا۔ جو شیخ قشاشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ یا ابراهیم قد اغرقنا نصفك فان لم ترجع اغرقناك كلك۔ اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ رونے کا کیا سبب ہے۔ جب شیخ ابراہیم مکہ میں پہنچے۔ اور سید عبدالرحمٰن محجوب کو ملے تو سید نے عرق گلاب کے طور پر ان پر پانی چھڑکنا شروع کیا کیونکہ

وہ محروم تھے اور خوشبو کا استعمال منع ہے پانی ڈالتے ہی شیخ ابراہیم کی قبض جاتی رہی یہانتک کہ اپنی اصلی حالت پر آگئے۔ یہ گویا صلح تھی جو سید نے قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان کرائی۔

سید جیسے کمالات باطنی سے متصف تھے، کمالاتِ ظاہری بھی حد کمال کو پہنچاتے تھے جود و کرم میں بے نظیر تھے۔ اُن کے دسترخوان پر صبح و شام کثیر جماعت حاضر ہوتی۔ وہ تمام کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے پیش آتے اور اطراف و جوانب سے ان کے لئے نذریں لاتے تھے جنہیں وہ فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ تقریباً دو علاقوں کو آزاد کیا تھا جو شخص ان کے ساتھ بیٹھتا تھا ان کی خوش خلقی اور شیریں کلامی کی وجہ سے ان سے جدائی گوارا نہیں کرتا تھا۔ عاقل اور بہت ذہین تھے۔ جو شخص آپ سے ملاقات کرتا اگرچہ موسم حج ہوتا اسے پھر پہچان لیتے۔ اور جو شخص آپ کی زیارت کے لئے آتا اس کی استعداد کے مطابق درود و تلاوت اور استغفار نیکی کے کاموں کی راہنمائی کرتے۔ اور جسے منور جانتے اسے صوفیاء کے کلام اور ان کے اعتقاد خصوصاً شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ پڑھنے پر برانگیختہ کرتے آپ کا لقب محجوب کھول تھا ہر چند ہم نے تلاش و جستجو کی مگر معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ بات قریب قیاس ہو۔ کہ آپ سماع کے وقت اپنے چہرہ کو ڈھانپ لیتے تھے۔ جب محفل سماع گرم ہوتی چہرہ سے پردہ اٹھا دیتے تھے۔ اور عجیب انوار اس سے ظاہر ہوتے تھے اور اس کا اثر اہلِ مجلس پر بھی پڑتا تھا۔ اس حقیقت کی طرف شیخ احمد نخلی نے اشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

شمس الدین محمد بن العلاء البابلیؒ

حافظِ حدیث تھے۔ اپنے زمانہ میں مصر و حرمین کے استاد تھے۔ تواضع و جودت فہم محبت خلاق پسندیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ آغاز کار میں انہیں لیلۃ القدر دکھائی دی اور اس رات کے بعض عجیب آثار مشاہدہ کئے۔ اس وقت انہوں نے دعا کی کہ بار خدایا! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرح کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول۔ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی شخص ان سات اقسام کے علاوہ کسی موضوع پر کتاب تصنیف نہ کرے۔ یا تو اس چیز میں کتاب تالیف کرے جس کی طرف پہلے کسی شخص کا ذہن نہ گیا ہو یا کسی ناقص چیز کی تکمیل کرے یا کوئی چیز دشوار ہو۔ اس کی شرح لکھے یا طویل کو مختصر کرے۔ مگر اختصار اس قسم کا ہو جس سے

معانی میں خلل پیدا نہ ہو۔ یا خلط مبحث ہو تو اسے صحیح ترتیب سے جمع کرے۔ یا پہلے مصنف نے غلطی کی ہو۔ اس کی تصحیح کرے۔ یا کوئی منتشر ہو تو اسے جمع کر دے۔ ورنہ تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں ــــــ آپ نے صحیح بخاری، موطا اور دوسری تمام کتابیں سنہوری اور دوسرے علماً سے روایت کیں۔ بخاری اور موطا میں آپ کے پاس صحیحہ مسلسلات تھیں اور بعض دوسری کتابیں تمام مسلسل سماع سے حاصل کی تھیں۔ شیخ عیسیٰ مغربی نے ان کی رسانید کو اپنے رسالہ میں ضبط کیا ہے گویا متاخرین کے ثبت کی اصل یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان نضر اللّٰہ امراء سمع منی الحدیث کے مطابق آپ کو شان و عظمت اور جلالت و بزرگی کے متعلق عجیب معاملہ عطا کیا گیا تھا شریف مکہ، امرا، اور وزرا، آپ سے تبرک حاصل کرتے تھے اور آپ کے فرمان سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے مصر کے ایک بابل میں ۱۰۶۶ھ میں انتقال کیا۔

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی آپ کی جائے پیدائش اور نشوونما مغرب میں ہے۔ قرآن مجید اور علوم متعارفہ کے کچھ متون اسی جگہ یاد کئے۔ پھر الجزائر میں چلے گئے اور سلمالسی کے پاس دس سال سے زیادہ عرصہ ان کے پاس رہے اور اسی جگہ متبحر عالم بنے۔ علمار قسطنطنیہ، مصر اور حرمین شریفین سے بھی روایت کی۔ مکہ کو آپ نے اپنا وطن بنایا۔ مقالید الاسالید کے نام سے آپ کی ایک معجم ہے۔ الغرض وہ ایک متقی عالم تھے۔ اور جمہور اہل حرمین کے استاد تھے۔ ادعیہ حدیث اور قرأت میں ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ سید عمر نے ان کے حق میں کیا عمدہ رائے دی ہے کہ "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو دیکھے جس کی ولایت میں کوئی شک و شبہ نہ کیا جائے تو وہ اس شخص کو دیکھے"۔ اور سید محمد علوی کہتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے باکمال شخص ہیں" انہیں اعمال حسنہ، پابندی نماز باجماعت، کثرت طواف و صیام و قیام پر عمل کرنے کی عجیب توفیق عطا کی گئی تھی۔ تمام امور میں متوسط تھے۔ عزت و ناموس میں نہ تو مبالغہ کرتے اور نہ تساہل بہت سے مشائخ کے ساتھ آپ نے اپنا ربط و تعلق قائم کر رکھا تھا۔ لیکن اوراد شاذلیہ آخر عمر تک پابندی سے پڑھتے رہے اس طریق کا آپ پر غلبہ تھا۔ آپ نے امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ایک مسند بھی تالیف

فرمائی وہاں آپ نے متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث روایت کی جس سے ان لوگوں کے گمان کی تردید ہوتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ سلسلہ حدیث اب متصل نہیں رہا۔ آپ نے ۱۰۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد بن محمد سلیمان مغربی

حافظِ حدیث تھے۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم کے جامع تھے آپ شیخ ابومدین مغربی کی طرف سے خرقہ مدینہ رکھتے تھے۔ درحقیقت کتب حدیث کی تصحیح کا طریقہ اور نسخہ نبویہ اتقان در معرفت آں، حرمین شریفین میں وہی لائے۔

جمہور اہلِ حرمین کے استاد اور متبحر ثقہ عالم تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ استنبول گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک شخص نسخہ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ قدر شناسی اور علم کی حرص نے انہیں زرِ کثیر قریباً تین ہزار مروجہ سکہ کے عوض اسے حاصل کرنے پر اُبھارا اور اسے حاصل کیا۔ اس نسخے کے ساتھ آپ کو انتہائی محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں سیلاب آگیا جس سے لوگوں کو غرق ہونے کا خوف طاری ہو گیا۔ محمد بن سلیمان نے تیزی سے نسخہ نبویہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے کوئی اچانک گزند پہنچے تو وہ بہترین حالت میں ہو۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخہ کی زیارت کی ہے اور اس سے کچھ پڑھا بھی ہے۔

شیخ تاج الدین قلعی فرماتے تھے کہ جس طرح شیخ محمد بن سلیمان علم روایت میں کمال رکھتے تھے، اسی طرح وہ عجیب و غریب علوم بھی جانتے تھے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے اس قول وزادہٗ بسطۃ فی العلم والجسم کے مصداق واقع ہوئے تھے اور معاش کا علم بھی کامل رکھتے تھے۔ آخر میں تمام مکہ کا انتظام ان کے ہاتھ میں آگیا۔ حاسدین کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ واللہ اعلم

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے فرزند محمد وفداللہ سے ان کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے والد سے قرأت، سماعت اجازت کے لحاظ سے انہیں حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحیٰ بن یحیٰ بھی تمام ان کے سامنے پڑھی۔ انہوں نے شیخ حسن عجمی وغیرہ مشائخ سے پڑھی تھی والحمد للہ۔

شیخ ابراہیم کردی قدس سرہٗ۔ آپ عالم و عارف تھے۔ فقہ شافعی، حدیث اور عربی

ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ہر فن میں ان کی تصنیف موجود ہے اپنے وطن میں تحصیل علم کی پھر حج کے ارادہ سے نکلے۔ کم وبیش دو سال تک بغداد میں قیام پذیر رہے اور سید عبدالقادر قدس سرہٗ کے مزار پر متوجہ رہے اور یہیں سے اس راہ کا ذوق وشوق پیدا ہوا اور چار سال شام میں رہے اور مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین میں آئے۔ شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی۔ دونوں کے درمیان حیرت انگیز رابطہ وتعلق پیدا ہو گیا۔ ان سے حدیث روایت کی۔ اور خرقہ پہنا۔ اور ان (شیخ احمد قشاشی) کی صحبت کی بدولت علمی کمالات کو پہنچے۔ فارسی، کردی، ترکی اور عربی تمام زبانیں جانتے تھے۔ آپ ذہانت، تبحر علمی، زہد وتواضع اور صبر وحلم سے متصف تھے کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کی طرف اس نیت سے متوجہ ہوئے کہ آگے سفر جاری رکھیں یا نہ۔ آپ نے دیکھا کہ شیخ ابن عربی ان کے جوتوں کی خاک صاف کر رہے ہیں۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ اقامت کے لئے فرماتے ہیں شیخ ابوطاہر کہتے ہیں کہ زمانہ حج میں مصری لوگ مدینہ منورہ میں آئے تو شیخ ابراہیم نے اپنے اصحاب اور احباب کے ساتھ اہل مصر کی ایک جماعت کو ملنے کا ارادہ کیا۔ راستہ میں ان کا گزر ایسی لڑکیوں پر ہوا جو گانے بجانے اور لہو ولعب میں مشغول تھیں۔ سید محمد برزنجی جو آپ کا ایک جلیل القدر شاگرد تھا۔ اس نے ڈنڈا اٹھا کر اس برے کام سے روکا۔ شیخ نے اس کام سے اسے منع کیا اور فرمایا کیونکہ اس ہنگامہ میں فتنہ وفساد کا خوف ہے۔ سید محمد برزنجی قدرے خشک مزاج تھے۔ اس منع کرنے سے بہت تنگ دل ہوئے۔ جب منزل مقصود پر پہنچے تو ایک لڑکی نے اپنے گانے میں یہ شعر پڑھا ؎

ان شرقوا ساوقی وان غربوا الویلی   وان عاشروا غیرنا ویلا علی ویلی

یہ شعر عمدہ قاعدہ عروض پر نہ تھا۔ بلکہ متاخرین کے قاعدہ کے موافق تھا جب شیخ ابراہیم نے اسے سنا تو ان کی حالت بدل گئی۔ اپنے چہرہ کو ڈھانپ کر رونا شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس شخص نے بھی شیخ کی آواز کو سنا یا ان کی صورت دیکھی رونے لگا۔ رقیق قلب تھا یا سخت دل تھا۔ سید محمد برزنجی بھی رونے لگا۔ اور اس کے دل سے اعتراض کی سیاہی دھل گئی۔ شیخ ابوطاہر بیان کرتے ہیں کہ شاہ روم کا استاد جسے خوجہ کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی زیارت

کے لئے آیا اور شیخ ابراہیم کی صحبت میں علماء و احباب کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حاضر ہوا جب اس نے شیخ سے ملاقات کی تو اس نے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی اس کے قلع قمع میں بہت کوشش کی۔ شیخ نے فرمایا وہ بدعت کیا تھی اس نے کہا مساجد میں لوگ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہٗ وسعیٰ فی خرابھا۔ خوجہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اسے یہ بات بُری معلوم ہوئی بعض فقہی عبارتیں جو قاضی خان وغیرہ سے نقل کی تھیں جیب سے نکال کر شیخ کو دیں۔ شیخ نے فرمایا۔ اگر بات تقلیداً کہتے ہیں تو میں کسی امام کا مقلد ہوں اور آپ کسی دوسرے کے۔ آپ کی حجت مجھ پر لازم نہیں اور اگر بات تحقیقاً کہتے ہو تو یہ گز اور یہ میدان پس آپ نے جلد ہی ایک جامع رسالہ تحریر فرمایا۔ اور اس خوجہ کے شبہات کا مسکت جواب دیا۔ شیخ کے احباب نے خوجہ کی خفگی کو جو کہ سلطنت عثمانیہ میں بلند رکھتا تھا ملاحظہ کیا اور شیخ سے کہا کہ تردید میں اس قدر مبالغہ مناسب نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ حق سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ جو ہوتا ہے ہونے دو۔ الغرض خوجہ اور اس کے ساتھی کوئی جواب نہ دے سکے اور مبہوت رہ گئے کلمہ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ حق سر بلند ہوتا ہے۔ سرنگوں نہیں ہوتا۔ کا منظر سامنے آگیا۔

شیخ ابوطاہر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شادی حرمین شریفین میں آیا ہوا تھا اور شیخ ابراہیم سے ملاقات کرنے کے بعد روم گیا۔ رومی وزیر نے جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا، اسے کہا۔ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیسے پایا۔ اس نے کہا میں نے اسے بت پایا۔ وزیر غضب ناک ہوا اور اسے اپنی مجلس سے ذلت و خواری کے ساتھ نکال دیا اور اس واقعہ کے بعد یحییٰ شادی کو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ ہو گیا اس نے ارادہ کیا کہ انہیں ایذا دینے کے لئے حرمین شریفین آئے۔ یہ قصہ شیخ ابراہیم کے گوش گذار کیا گیا۔ فرمایا یحبسہ حابس الفیل (ہاتھیوں کو روکنے والا اسے روک لے گا) جب وہ طور میں پہنچا تو بیمار ہو گیا اور اسی جگہ اس جہاں سے انتقال کر گیا۔

الغرض شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہا اور صوفیوں کی طرح بڑے بڑے عمامے لمبی آستینیں اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہلِ حجاز کے عوام کی طرح

درجہ کا لباس جو مختصر سی پگڑی، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہنتے تھے۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ پر بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے وغیرہ کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ آپ اپنے معتقدین کو مناظرہ و مذاکرہ کے ذریعہ فیض پہنچاتے تھے۔ فرماتے تھے۔ بہر حال یہ ایسے ایسے ہے۔ کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی۔ اگر کوئی شخص ان سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل فرما دیتے۔ عبداللہ عیاشیؒ نے کہا۔ کان مجلسہ روضۃ من ریاض الجنۃ "آپ کی مجلس جنت کے باغات میں سے ایک باغ تھی" جب مسائل حکمت بیان فرماتے تو حقائق صوفیہ اس کے ضمن میں ضرور بیان کرتے۔ اور کلام صوفیاء کو حکما کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ ھؤلاء الفلاسفۃ قاربوا عثورا علی الحق ویھتدوا الیہ۔ (یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق تک پہنچے اور ہدایت پائی) ایک خطیب نے آپ کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی ہے۔ واللہ زنا علی فراقک یا ابراھیم لمحزونون۔

شیخ حسن عجمی رحمۃ اللہ

آپ شیخ الحدیث، فصاحت و بلاغت، حفظ اور جودت فہم میں جامع فنون علم تھے۔ آپ کا زیادہ تر استفادہ و صحبت شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے۔ بہت سے شیوخ مثل شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلاء بابلی، شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری شوافع کے امام و مفتی کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی ہے۔ شیخ ابو طاہر بیان کرتے ہیں کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری وغیرہ صوفیاء سے ملاقات کی۔ دعوت اسماء بھی جانتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ حسن حنفی تھے لیکن سفر میں ظہر عصر اور مغرب عشاء میں جمع کرتے تھے۔ اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ ہمیں وصیت کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو۔ احناف کی بعض سہولتوں سے انہیں مطلع کر دو تاکہ وہ نماز ادا کر سکیں یعنی قدر درہم نجاست وغیرہ میں جو اجازت ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود ان تمام باتوں کے ایک مذہب کا التزام تمام امور میں ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ فریقین میں کوئی حقیقت ممتنع ہے یا نہیں کا لحاظ کئے بغیر اقوال لے لیا کرتے تھے۔ شیخ ابو طاہر یہ بھی کہتے تھے کہ میرے شیخ سیدی حسن عجمی خوبصورت نہیں تھے۔

بلکہ ان کی آنکھ میں عیب تھا۔ اس کے باوجود جب وہ حدیث پڑھتے تھے تو ان کے چہرے پر انوار دیکھے جاتے تھے۔ اور دنیا بھر سے حسین دکھائی دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نضر اللہ عبداً الحدیث کا یہی راز ہے۔ آپ نے اپنی اسانید کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے جس سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ عالم کے دو نصف ہوتے ہیں۔

ہر سال ماہ رجب میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے آتے اور مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں صحاح ستہ میں سے ایک کتاب بطور سرد ختم کرتے تھے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے۔ شیخ ابو طاہر آپ کے قاری ہوتے اور اگر کوئی دوسرا روایت کرتا تو خوش نہ ہوتے۔

واضح ہو کہ کتب حدیث کے درس کے علماء حرمین شریف کے نزدیک تین طریقے ہیں ایک طریق سرد ہے کہ شیخ قاری یا سامع ہوتا ہے۔ وہ کتاب کی تلاوت کرتا ہے لیکن لغوی، فقہی اور اسماء رجال وغیرہ مباحث سے تعرض نہیں کرتا۔

دوسرا طریق بحث وحل ہے کہ ایک حدیث کی تلاوت کے بعد لفظ غریب، مشکل ترکیب، قلیل الوقوع اسم، اسماء استاذ ظاہری شان نزول اور منصوص علیہ مسئلہ پر توقف کرتا ہے اور اسے اعتدال کے ساتھ حل کر دیتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا طریق امعان وتعمق ہے کہ ہر کلمہ پر مالہ وما علیہا اور اس کے متعلقات کو پوری تشریح وتوضیح سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کلمہ غریبہ اور مشکل ترکیب کی وضاحت میں شعراء کے کلام کو دلیل لاتے اور کلمہ کے دوسرے الفاظ کے اشتقاق ومحال کے استعمال کو ذکر کرتے ہیں۔ اور اسماء الرجال میں اس قول کے حالات اور سیرت بیان کرتے ہیں اور مسائل فقہیہ کو ان منصوص احادیث سے استخراج کرتے ہیں۔ اور معمولی مناسبت سے عجیب قصص اور نادر حکایات بیان کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اور چیزیں بیان کرتے ہیں۔ علماء حرمین شریفین میں یہ تینوں طریقے پائے جاتے ہیں۔ شیخ حسن عجمی، احمد قطان اور شیخ ابو طاہر وغیرہ کا پسندیدہ طریقہ سرد تھا۔ صاحبان علم وفضل اور فقہی طلبائے حدیث کے لئے یہ طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ جلد از جلد سماع حدیث اور سلسلہ روائیت کو درست کر لیتے ہیں اور دوسرے مباحث کو

شروح کے سپرد کر دیتے ہیں۔ کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا مدار شروح کے مطالعہ پر ہے لیکن مبتدیوں اور متوسط طلبائے حدیث کے لئے طریقۂ بحث و حل ہے۔ تاکہ علم حدیث کے بارے میں جو چیزیں ضروری ہیں ان کا احاطہ کر لیں اور اس سے فائدہ حاصل کر لیں۔ اس صورت میں وہ غالباً کوئی شرح پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور بحث کے دوران وہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

لیکن تیسرا طریقہ، یہ طریقہ قصاص ہے۔ کیونکہ اس سے مقصد دوسروں پر علم و فضل کا اظہار ہے۔ واللہ اعلم۔ روایت اور تحصیل علم مقصد نہیں ہوتا۔ ان کلمات کے ضمن میں جاننا چاہیئے۔ کہ محدث کا اسماء کی تصحیح اور ان کی ثقاہت کی معرفت خصوصاً صحیحین اور ان جیسی دوسری کتابوں میں ہے کے بعد اسماء الرجال کے حالات۔ لیس منا من فعل کذا اور لفظ فان اللہ قبل وجھہ اور ان جیسے اور کلمات کی تاویل، فقہی فروعات، فقہاء کے مذاہب کا اختلاف اور اختلاف روایات کی صورت میں بعض روایات کی بعض پر ترجیح دینا امعان و تعمق سے متعلق ہے امت مرحومہ کے متقدمین ان امور میں مشغول نہیں تھے۔ ہاں اور متکلمین ان امور میں غور و خوض کرتے ہیں۔ لیکن آج کل اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے بہت متواضع تھے۔ اور ان کی خاطر داری کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے شیخ عیسٰی سے پوچھا کہ جب کسی شخص کا کوئی شیخ ہو تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے شیخ کی بیعت کرے۔ فرمایا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے اور چچا بہت سے ہوتے ہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ کلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے شیخ کا مرتبہ جس کے ذریعہ وہ بیضۂ بشریت سے نکلا یا علم میں کامل ہوا بسبب دوسرے مشائخ جن سے بیضۂ بشریت سے خروج کے بعد دوسرے فوائد حاصل کئے۔ والد کی مانند ہے۔ اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیئے۔ جو والد کے مناسب ہے اور دوسرے مشائخ کے ساتھ چچاؤں کا سا سلوک کرے۔ شیخ حسن نے آخری عمر میں مکہ کی سکونت چھوڑ کر طائف میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور کہا کہ لیس بمکۃ من یقرا الیہ وھم۔

سنہ ۱۱۱۳ھ میں طائف میں وفات پائی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار کے

شیخ احمد نخلیؒ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ بہت سے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی صحبت حاصل کی اور سید عبدالرحمٰن، سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور حدیث محمد بن علا ما بابلی اور شیخ عیسیٰ مغربی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے حاصل کی۔ اور سماع بخاری اور موطا میں تسلسل حاصل کیا۔ ان کے پاس مشائخ صوفیاء کے بہت سے اوراد تھے۔ شروع ہی سے علم و علماء کی محبت اور نیکی پر ان کی نشوونما ہوئی تھی۔ ان کی صحبت کا التزام اور صوفیائے کرام سے عقیدت رکھتے اور ان کے اعمال و اشغال کو باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ آپ کو مشائخ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی بھرپور صحبتیں حاصل ہوئیں۔

الغرض آپ مکہ معظمہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے اور برکات اور قبولیت دعا میں مشہور تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن نخلی ولد شیخ احمد نخلی بیان کرتے ہیں کہ شیخ احمد نخلی کے والد کے ہاں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اس لئے وہ بہت غمگین رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کیلئے اہل اللہ سے دعا کرواتے تھے۔ اور اس سے استمداد اور روحانی توجہ سے طلب کرتے تھے۔ انہیں ہر جمعہ شیخ تاج الدین سنبھلی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز شیخ تاج الدین سنبھلی نے تأمل کیا اور اس خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا جو انہیں لایا تھا کہ "یہ بچہ آپ جیسا نہیں ہے بلکہ آپ سے افضل اور سعادت مند ہے لیکن اس کی عمر کم ہے۔ جب خادم اپنے آقا کے پاس پہنچا اور حقیقت حال بیان کی تو آقا نے اسے واپس بھیجا اور کہا میری طرف سے شیخ کی خدمت میں درخواست کرو کہ میں نے اپنی زندگی اس بچہ کو دیدی۔ اور آپ سے اس معاملہ میں سفارش کا خواستگار ہوں۔"

شیخ نے جب یہ پیغام سُنا تو توجہ کی اور کچھ دیر کے بعد کہا کہ ان کی نیت قبول ہو گئی اپنی طرف سے انہیں سفر آخرت کی تیاری کے لئے تین مہینہ کی مہلت دی۔ شیخ احمد کے والد اسی عرصہ میں فوت ہو گئے اور شیخ احمد نے نوّے سال عمر پائی۔

شیخ عبدالرحمٰن ولد شیخ احمد نخلی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میں اپنے والد کی طرف سے قرضوں کا وکیل تھا جب شیخ کی عمر آخر کو پہنچی اور ضعف غالب آگیا تو ایک روز میں نے قرض خواہوں کے مطالبہ کی شکایت کی اور عرض کیا مجھے خوف ہے کہ اچانک حادثہ رونما ہو جائے۔ آپ

فوت ہو جائیں اور وہ تمام قرض میرے ذمہ پڑ جائیں گے اور میرے اقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے۔

شیخ نے فرمایا اس خدشہ کو ذہن سے نکال دو، مجھے امید ہے کہ جب تک میرا یہ تمام قرضہ ادا نہیں ہو جائیگا میں نہیں مروں گا۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ رات جس میں مجھ پر کوئی قرض نہیں ہوگا۔ آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد ان کی وفات کے وقت ایسی جگہ سے جہاں کوئی توقع نہیں تھی۔ اتنی رقم مل گئی جس سے تمام قرض ادا ہو گیا۔ اور وہ رات جس میں وہ اپنے قرضوں سے فارغ ہوئے، زندگی کی آخری رات تھی۔ شیخ احمد نخلی نے کہا کہ میرے شیخ شیخ عیسیٰ بن کنان نے مجھے جب طریقہ خلوتیہ میں اجازت دی اور مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ تمام خلوتی میرے پاس جمع ہوں اور اس طرز پر جو اس گروہ کے لئے مقرر ہے کہ نماز تہجد کے بعد اوراد میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے میرے دل میں بہت تردد پیدا ہوا، کیونکہ میرے دل کی رغبت مکمل طور پر نقشبندیہ طریق کی طرف تھی۔ شیخ کی میں مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت خاتم کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس سال مجھے روضہ مطہرہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ گویا آپ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ساتھ موجود ہیں۔ میں تیزی سے اس طرف بڑھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جدید سجادہ پر جو روضہ مبارک کے سر کے قریب صف اول کے مقابل بچھا ہوا ہے، لائے اور فرمایا "یہ شیخ تاج الدین کا سجادہ ہے اس پر بیٹھ جاؤ۔" میں سمجھ گیا کہ یہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف اشارہ ہے اور اس طریقہ کی اجازت ہے۔

شیخ عبداللہ بن سالم البصری آپ نے بہت سی کتب احادیث کو زندہ کیا ان میں سے ایک مسند امام احمد ہے قریب تھا کہ روئے زمین سے اس کا نسخہ کاملہ نہ مل سکے آپ نے مصر، عراق اور شام کی پرانی لائبریریوں سے اس کے اجزاء کو جمع کیا اور ان تمام سے ایک نسخہ لکھا، اسے صحیح کر کے اصلی نسخہ کی صورت میں عام کر دیا اور کتب ستہ کی روشنی میں صحت کے

اصول مقرر کئے اور نسخۂ نبویہ سے اپنے خط کے ساتھ اصل سے بہتر لکھا۔ ان کی بخاری کی ایک شرح "ضیاء الساری" کے نام سے بھی ہے جسے وہ ضعفِ پیری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے اور تمام زندگی طریقہ سرد اور بحث کے طور پر روایت کتب حدیث میں گزار دی۔

الغرض آپ اس آخری زمانہ میں حافظِ حدیث تھے۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس گفتگو کی شرح یہ ہے کہ وہ ضبط جو صحت حدیث میں ملحوظ ہے۔ امتِ مرحومہ میں اس کی تین حالتیں تھیں۔ پہلی حالت یہ تھی کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں احادیث یاد کرتے تھے۔ اس وقت ضبط جودتِ حفظ میں تھا۔ دوسری حالت تبع تابعین سے ساتویں آٹھویں دور کے محدثین کا زمانہ ہے کہ وہ انہیں لکھتے تھے اور اس کا حفظ صفائی تحریر، لفظوں، حرکات و سکنات اور ہیئت حروف کی حفاظت، اصولِ صحیحہ کے ساتھ مقابلہ اور کتاب کو ہر قسم کے عوارض سے محفوظ رکھنے میں تھا۔ تیسرا حال یہ ہے کہ حفاظِ حدیث نے اسماء رجال، مشکل اور غریب الفاظ مشکلہ کے ضبط میں کتابیں تصنیف کیں اور متصل شرحیں لکھیں۔ ان میں مشکل اور پیچیدہ مقامات حدیث حل کئے پس اب ضبط یہ ہے کہ ان تصانیف اور شروح کو نظر میں رکھ کر ان کے مطابق روایت کرے اس کے لئے بھی اہلِ حدیث نے اس میں تساہل کیا جس پر متقدمین سختی سے عمل درآمد کرتے تھے۔ چنانچہ متوسطین نے حفظ میں تساہل کیا۔ اور لکھائی پر اکتفا کر لیا۔ اسی لئے ان میں وجادت اور اجازت مجردہ وغیرہ عام ہو گئی۔ بخلاف طبقات سابقہ کے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس قسم کا ضبط شیخ عبداللہ کے ہاں بتمام و کمال پایا جاتا تھا اور اس سلسلہ کے بقا کا سبب ان کی ذات ہوئی۔ بچپن سے ہی شیخ عبداللہ علماء و علماء اور صلاح و تقوای کو پسند کرتے تھے روزانہ دس سیپارے قرآن مجید کے تلاوت کرتے تھے جب بوڑھے ہو گئے جس قدر پڑھ سکتے تھے۔ درس، تلاوت، نماز یا ضروری باتوں سے کوئی وقت ان کا خالی نہیں ہوتا تھا میں نے سنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے بڑے لڑکے شیخ سالم نے شریف مکہ کی ملازمت اختیار کی تو شیخ عبداللہ، شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار اس کے نمک مصالحے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ صحیح بخاری شریف کو دو مرتبہ خانہ کعبہ میں ختم کیا۔ ایک مرتبہ اس وقت جب کعبۃ اللہ کی مرمت کر رہے تھے اور دوسری مرتبہ جب

جب اس کا دروازہ درست کر رہے تھے اور مسند امام احمد کو اس کی تصحیح اور جمع کے بعد مسجد شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے نزدیک چھپن روز میں پڑھا لمبی زندگی پائی، اور وہ تمام خدا تعالیٰ کی رضا میں گزری، آخری عمر تک سوجھ بوجھ حافظہ اور تمام حواس درست تھے البتہ قوتِ سامعہ قدرے کمزور ہو گئی تھی عمر کے آخری حصہ میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے صحاح ستہ پڑھیں اور اکثر اہلِ مکہ نے آپ سے سماع کیا۔ آپ ۱۱۳۴ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ ابوطاہر محمد ابراہیم الکردی المدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ شروع سے ہی علم اور علماء کی طرف راغب تھے۔ اپنے والد سے خرقہ خلافت پہنا۔ آپ کے والد نے ان کے لئے بہت سے بزرگوں سے خرقہ اور اجازت حاصل کی۔ ان میں سے شیخ محمد بن سلیمان مغربی ہیں۔ اور عربی کتب سید احمد ادریس مغربی سے جو سیبویہ زمانہ تھے پڑھیں۔ شیخ ابوطاہر سید احمد ادریس سے بیان کرتے تھے کہ آپ کے شاگردوں میں سے ایک امام نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۃ تبت پڑھی جب وہ سید کے پاس آیا تو سید اس پر بہت ناراض ہوئے اور کہا۔

"میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وہ سورت پڑھو جس میں ان طرح سے مذکور ہے۔ کیونکہ جس طرح چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے۔ ہمارا یہ مقام نہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس قسم کی چیزیں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ باتیں تعمق فی الدین کے باب سے ہیں۔ ان چیزوں میں معیار صحابہ اور تابعین کی عادات ہیں۔ ایسا کیوں نہیں کہتے کہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ایک دشمن کی آپ سے بے ادبی کی بنا پر لعنت کی ہے۔

آپ نے فقہ شافعی علی طولوی سے حاصل کی اور علم معقول نجم باشی سے جو روم کے متبحر علماء میں سے تھے۔ علم حدیث اپنے والد سے حاصل کیا۔ اس کے بعد شیخ حسن عجمی سے حاصل کیا اور اکثر آپ نے ان سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری سے اخذ کیا اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور آپ سے دو ماہ سے بھی کم

مدت میں مسند امام احمد کا سماع کیا اور حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علما ءمشائخ سے بھی بہت کچھ اخذ کیا۔ ان میں سے شیخ عبد اللہ لاہوری ہیں جن نے آپ نے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کی کتب روایت کی ہیں۔ ان کا سلسلہ شیخ عبد اللہ اللبیب کے ذریعہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی سے ملتا ہے اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتب بھی اسی واسطہ سے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی سے روایت کرتے ہیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے اجازۃً اور روایۃً حاصل کیں۔ اور ان میں سے شیخ سعید کوکنی سے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔

الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف، تقویٰ، عبادت میں کوشش، علم میں معقولیت اور مذاکرہ میں انصاف سے متصف تھے۔ اگر کوئی مسئلہ ان سے دریافت کیا جاتا تو جب تک پورا غور وفکر اور کتابوں سے تحقیق نہیں کر لیتے تھے۔ جواب نہ دیتے تھے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی رقت کی حدیث پڑھتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔ اپنے شاگردوں، خدام اور دوسروں سے تواضع سے پیش آتے صحیح بخاری کی قرأت کے دوران روایاتِ احادیث اور فقہ کے درمیان اختلاف کا ذکر چل پڑا۔ شیخ ابو طاہر نے کہا کہ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت کی وجہ سے ہے اور فرطِ جمعیت سے اضداد پیدا ہو سکتے ہیں۔ او کما قال۔ یہ بہت گہرا نکتہ ہے جس میں تدبر کی ضرورت ہے۔

ایک روز احوال صوفیار کا ذکر چل نکلا۔ اور اس باہمی تنقید و تردید جو بعض دفعہ ان کے متبعین میں شروع ہو جاتی ہے۔ کے متعلق بات ہوئی ہے تو شیخ ابو طاہر نے فرمایا میں صوفیار پر اعتراض کرنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ میرے بعض اسلاف نے بعض صوفیار کے بارے میں تنقید کی ہو گی۔ لیکن میں ان کے خلاف گراں خاطر نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ایک قصہ بیان کیا کہ شیخ یحیٰی شاوی میرے والد سے کچھ اختلاف رکھتے تھے جس کا اثر مجھ پر بھی تھا۔ اسی اثنار میں شیخ یحیٰی شاذی فوت ہو گئے۔ ایک عرصہ بعد جب انہیں قبر سے نکالا تو اس طرح صحیح وسالم تھے۔ گویا آج ہی سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو کسی عارف کے اختلاف کے سبب طعن نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اس سلسلہ میں عجیب وغریب

وصیت فرمائی ہے۔ پھر آپ نے شیخ ابنِ عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس بحث کو پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

"شیخ اکبر فرماتے تھے کہ مجھے ایک شخص سے اس لئے عداوت تھی کہ وہ شیخ ابو مدین پر طعن کرتا تھا۔ جبکہ مجھے شیخ مغربی کی بزرگی کا یقین تھا۔ ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں میں نے زیارت کی۔ گویا آپ فرماتے ہیں کہ تم فلاں شخص سے کیوں بغض رکھتے ہو میں نے عرض کیا کیونکہ وہ ابومدین سے دشمنی رکھتا ہے اور میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست نہیں رکھتا میں نے عرض کیا۔ ہاں رکھتا ہے آپ نے فرمایا تو ابومدین کے ساتھ بغض کی وجہ سے اس سے عداوت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ دوستی کیوں نہیں رکھتا۔ شیخ اکبر نے کہا میں نے اس کے بعد اس دشمنی سے اللہ کے حضور توبہ کی اور اس کے گھر گیا۔ اس سے معذرت کی اور قصہ بیان کیا قیمتی کپڑا تحفہ پیش کر کے اسے راضی کیا۔ پھر میں نے ابو مدین کے متعلق ناراضگی کا سبب پوچھا تو اس نے ایسی وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے ابومدین کے ساتھ دشمنی رکھی جائے میں نے اسے حقیقت سمجھائی۔ بس اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کی۔ اور طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور تمام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت جاری و ساری ہو گئی۔ والحمدللہ

جس روز میں شیخ ابوطاہر کی خدمت میں رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے یہ شعر پڑھا نسیت کل طریق کنت اعرفہ

الا طریقا یؤدینی لربعکم

(میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستہ کے علاوہ تمام راستے بھول گیا) یہ شعر سنتے ہی شیخ پر گریہ وزاری طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفی۔ آپ مکہ کے مفتی اور قاضی عبدالمحسن کے فرزند تھے بہت سے مشائخ حدیث کی خدمت میں پہنچے اور ان سے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سے اجازت

حاصل کی۔ آپ خورد سال ہی تھے کہ آپ کے والد نے ان کے لئے شیخ عیسیٰ مغربی سے اجازت حاصل کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس ختم سنن نسائی کے موقع پر حاضر ہوا۔ آپ نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی جن میں میں بھی حاضر تھا۔ آپ نے علم حدیث کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے حاصل کی۔ فرماتے تھے کہ یہ تمام بحث و تنقیح کے طور پر ان سے پڑھی ہیں۔ اور صحیحین کو شیخ عجمی کے پاس پڑھا ہے اور ہر وہ حدیث جو روایت کے لحاظ سے صحیح ہے اس کی اجازت ان سے حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک مدت رہے اور بڑے عظیم فوائد حاصل کئے اور علم فقہ میں ان سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔ شیخ احمد نخلی سے بھی انہیں اجازت درروائیت حاصل ہے۔ شیخ احمد قطان بھی ان کے مشائخ سے ہیں کئی سال تک ان کی صحبت میں رہے۔ اور درس و تدریس کا طریقہ ان سے سیکھا۔ فرماتے تھے کہ شیخ احمد قطان کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ، شیخ عبداللہ بصری اور شیخ احمد نخلی وغیرہما نے اصرار کیا کہ میں شیخ احمد کی جگہ پر کعبۃ اللہ کے سایہ میں مالکی مصلوں پر بیٹھوں اور حدیث کا درس دوں جیسا کہ شیخ کی عادت تھی۔ لیکن مجھے ان اکابر کی موجودگی میں اس عظیم القدر کام کی انجام دہی دشوار معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے میں قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے از حد مبالغہ ہوا۔ اور شیخ حسن عجمی جو ان دنوں طائف کی طرف گئے ہوئے تھے۔ انہیں میں نے یہ سب حالات لکھے۔ آپ نے پھر مشائخ کا حکم ماننے کی تاکید لکھ بھیجی۔ لامحالہ ہر طرف سے استمداد اور استخارہ کے بعد سر تسلیم خم کر دی۔ بزرگوں کے اشارہ پر شیخ کی جگہ پر صحیح بخاری کی قرأت شروع کی اور اسے اس مقام سے شروع کیا جہاں شیخ کی قرأت ختم ہوئی تھی۔ مجلس ختم میں تمام علماء مشائخ موجود تھے۔ شیخ ابراہیم کردی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی اور حدیث مسلسل بالاولویت ان سے حاصل کی۔ کاتب حروف نے شیخ تاج الدین سے عجیب قصہ سنا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہوگیا اور بیماری لمبی ہوگئی۔ ضعف و کمزوری نے ہلنے جلنے کے قابل نہ چھوڑا۔ اس حالت میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا۔ گویا کوئی شخص آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی شفا کے لئے ایک مرغی پکائی جائے اور اس پر تمام قرآن پڑھا جائے۔ یہ بیمار اسے کھائے تو شفا پائیگا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ خواب کے حکم کے

مطابق عمل کرنا چاہئیے آئندہ رات جب میں سویا تو گویا امام محمد بخاری ہمارے گھر تشریف لائے ہیں، اپنے دستِ مبارک سے ایک دیگ رکھی اور اس کے نیچے آگ جلائی اور صبح سے شام تک اس میں مرغی پکائی۔ میرے سامنے لا رکھی اور فرمایا ہم نے اس مطبوخ پر تمام قرآن پڑھا ہے۔ اسے کھالو میں نے اسے کھایا تو تندرست ہو گیا اور مجھ میں بیماری کا اثر نہ تھا میں صحیح و تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے از المرض سے زیادہ اس بات کی خوشی ہوئی کہ حضرت امام بخاری نے مجھ پر اس درجہ لطف و عنائت فرمایا۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ شیخ تاج الدین کی مجلس درس میں جس زمانہ میں وہ بخاری کا درس دیا کرتے تھے۔ دو تین روز مسلسل حاضر ہوا۔ صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے، مسند دارمی کتاب الآثار امام محمد اور موطا محمد کی آپ سے سماعت کی۔ آپ نے ان کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو دی اور اس جماعت میں یہ فقیر بھی شامل تھا اور وہ حدیث جو حدیث مسلسل بالا ولیت سے مشہور ہے۔ شیخ ابراہیم سے سماعت کی۔ اور یہ پہلی حدیث شریف ہے جو میں نے روضہ نبوی کی زیارت کے بعد ان سے سنی ۱۱۴۳ھ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خودنوشت حالاتِ زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی بدء بالنعم قبل استحقاقھا وخص من شاء بمعرفۃ الاسماء واذواقھا والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد المتحلی بتیجان الکرامات واطواقھا المکرم بصنوف العطیات واطباقھا وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین بھم قیام الملۃ ورواج اسواقھا۔

امابعد، فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم غفرلہ ولوالدیہ واحسن الیھما والیہ) کہتا ہے کہ یہ چند کلمات "جزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" کے نام سے اپنے حالاتِ زندگی میں تحریر کئے ہیں۔

واضح ہو کہ میری ولادت بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ طلوع شمس کے وقت ہوئی بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ حکم لگایا ہے کہ مرا طالع ولادت حوت کے دوسرے

درجہ میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا۔ زہرہ آٹھویں عطارد اکیسویں زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ حال علویین کے قرآن کا سال تھا۔ یہ قرآن درجہ اول میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجہ میں تھا اور راس سرطان تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش "عظیم الدین" سے نکالی ہے میرے والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور صلحاء کی ایک جماعت کو اس فقیر کی ولادت سے پہلے اور بعد بہت سی بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک عزیز اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے "قول جلی" میں بیان کی ہیں۔ اللہ اسے اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور اسے اور اس کے اسلاف کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اس کے دینی و دنیاوی مقاصد پورے کرے) جب پانچواں سال شروع ہوا تو یہ فقیر مکتب میں بیٹھا اور ساتویں سال حضرت والد صاحب نے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا کیا۔ اور روزہ رکھنے کے لئے فرمایا۔ ختنہ بھی اسی سال ہوا مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں میں نے قرآن مجید ختم کیا۔ فارسی کی کتاب اور مختصرات پڑھنی شروع کیں۔ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھتا تھا اور مطالعہ کا راستہ قدرے کھل گیا۔ اور چودھویں سال شادی عمل میں آئی۔ والد صاحب نے میری شادی میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ جب میرے سسرال والوں نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر کیا۔ تو حضرت والا نے انہیں لکھا کہ اس عجلت میں راز ہے یہ راز اس کے بعد واضح ہو گیا کہ شادی کے فوراً بعد میری بیوی کی والدہ فوت ہو گئی۔ اس کے بعد میری کے نانا اور اس کے بعد اس فقیر کے عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے خلف الصدق شیخ فخر العالم فوت ہو گئے۔ اس کے بعد جلد ہی اس فقیر کے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ وفات پا گئی۔ اس کے بعد جلد ہی حضرت والا کے والد بزرگوار کمزور ہو گئے اور مختلف امراض نے آپ پر غلبہ کیا۔ اس کے بعد آپ کی وفات کا واقعہ پیش آگیا۔ غرضیکہ یہ جمعیت منتشر ہو گئی اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اسی وقت شادی نہ ہوتی تو اس کے بعد سالہا سال تک اس کا امکان نہیں تھا کہ یہ وقوع پذیر ہوتی۔ پندرہویں سال تھا کہ میں نے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ میں

خصوصاً نقشبندیہ میں مشغول ہوا اور توجہ، تلقین، تعلیم آدابِ طریقت اور خرقۂ صوفیا پہن کر ربط درست کیا۔ اسی سال بیضاوی کا کچھ حصہ پڑھا حضرت والد ماجد نے بہت سا کھانا تیار کیا اور خاص و عام کی دعوت کی۔ اور درس دینے کی اجازت فرمائی۔

الغرض علوم متعارفہ سے اس ملک کے دستور کے مطابق پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کرلی۔ علمِ حدیث، کتاب البیع سے کتاب الآداب تک تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر تمام مشکوٰۃ پڑھلی۔

صحیح البخاری کم وبیش کتاب الطہارۃ تک مکمل اور شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت والد صاحب کے سامنے بعض اصحاب کے پڑھنے پر میں نے سُنی اور علمِ تفسیر سے بیضاوی کا کچھ حصہ اور کچھ تفسیر مدارک پڑھی اور اس ضعیف پر احساناتِ عظمیٰ میں سے ایک یہ تھا کہ چند مرتبہ مدرسہ میں قرآن مجید معانی کے غور و فکر اور شانِ نزول کے متعلق تفاسیر کی طرف رجوع کے ساتھ والد صاحب کی خدمت میں پڑھا، یہ بات فتحِ عظیم کا سبب ہوئی، والحمد للہ!

علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ تھوڑا سا چھوڑ کر مکمل پڑھا گیا۔ اصولِ فقہ میں سے حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ۔ منطق میں سے شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ۔ علم کلام میں شرح عقائد مکمل، خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصے، سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ کے کچھ حصے وغیرہ حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح اور مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص اور خواص اسمار و آیات میں حضرت والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی آپ نے کئی بار مجھے اجازت فرمائی اور طب سے موجز القانون اور حکمت میں سے شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ۔ نحو میں کافیہ اور اس پر شرح ملا جامی اور معانی سے مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ اور حساب میں بعض رسائل مختصرہ پڑھے۔ اس دوران میں ہر فن میں اونچے نکات میرے ذہن میں ہوتے تھے اور زیادہ تر کوشش سے حل ہو جاتے ہیں۔ فقیر کے سترہویں سال حضرت والد بزرگوار بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں رحمتِ خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ مرض موت میں بیعت وارشاد کی اجازت فرمائی اور یہ کلمہ یدہ کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی مانند ہے) کئی مرتبہ

فرمایا۔ وہ نعمت جسے تمام نعمتوں سے بڑا سمجھنا چاہیئے۔ یہ ہے کہ حضرت والد بزرگوار مجھ سے بہت ہی خوش تھے اور اسی حالت میں رخصت ہوئے۔ آپ کی توجہ مجھ پر اس قدر تھی کہ کسی باپ کی اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود کسی باپ کو، کسی استاد کو اور کسی مرشد کو میں نے نہیں دیکھا کہ اپنے بیٹے، شاگرد اور مرید سے اس قدر شفقت سے پیش آتا ہو جیسا کہ حضرت والد صاحب مجھ سے پیش آتے تھے۔ اللھم اغفرلی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرا وجازھما بکل شفقۃ ورحمۃ ونعمۃ مھیما علی مائۃ الف اضعافھا انک قریب مجیب۔

حضرت والا کی وفات کے بعد کم وبیش بارہ سال کتب دینیہ وعقلیہ کے درس وتدریس پر مواظبت کی۔ اور ہر علم میں غور و فکر کا موقع ملا۔ حضرت والد بزرگوار کے مزار پر توجہ کرنا اپنا دستور بنالیا۔ ان دنوں توحید کے مسائل کھلے۔ جذب کا راستہ کشادہ ہوا۔ اور سلوک میں سے کافی حصہ ملا۔ وجدانی علوم تو ذہن میں فوج در فوج نازل ہوتے تھے۔ مذاہب اربعہ کی کتابوں، ان کے اصول فقہ اور وہ احادیث جن سے وہ تمسک کرتے ہیں کو ملاحظہ کرنے کے بعد نور غیبی کی مدد سے فقہاء محدثین کی روش اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ بارہ سال کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۱۴۴ھ میں مجاورت مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ اور شیخ ابوطاہر قدس سرہ وغیرہ حرمین شریفین سے روایت حدیث کی توفیق ملی۔ اسی اثناء میں حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضہ منورہ پر توجہ مرکوز کی اور فیوض حاصل کئے۔ علماء حرمین سے دلچسپ صحبتوں کا اتفاق ہوا، اور شیخ ابوطاہر سے خرقہ جامعہ حاصل کیا جو تمام صوفیاء کے خرقوں کا جامع کہا جا سکتا ہے۔ اس سال کے آخر میں حج گزار کر ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں وطن روانہ ہوا۔ بروز جمعہ چودہ رجب صحیح وسالم وطن پہنچ گیا۔ واما بنعمۃ ربک فحدث (اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو) اس فقیر پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے خلعت فاتحیۃ عطا فرمائی اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہاتھوں کرایا اور فقہ میں پسندیدہ مسلک کی طرف راہنمائی کی۔ اور اسے جمع کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھی۔ اسی طرح اسرارِ حدیث

مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور تعلیم فرمائی ہے۔ ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے۔ اس فقیر سے پہلے کوئی شخص اتنی عمدگی سے اسے نہیں کر سکا۔ اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی میں شبہ ہو تو اسے شیخ عزیز الدین بن عبد السلام کی کتاب "قواعد کبری" دیکھنی چاہیئے کہ اس میں اس نے کس قدر کوشش اور سعی کی ہے پھر بھی اس فن کا وہ عشر عشیر بھی نہیں کر سکے اور طریقہ سلوک جو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ برھان ہے۔ اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے وہ مجھے الہام کیا گیا ہے۔ جسے میں نے اپنے دو رسالوں لمعات اور الطاف القدس میں جمع کیا ہے۔ میں نے قدیم علما راہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین سے اس طرح ثابت کیا ہے کہ اسے معقولیوں کے شک و شبہات کے گرد و غبار سے صاف کر دیا ہے اور اس طرح منور کیا ہے کہ بحث کی گنجائش نہیں رہی اور مجھے علم کمالات اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبیر و تدلی پورے طول و عرض کے ساتھ اور نفوس انسانیہ کی استعداد کا تمام علم اور ہر شخص کے کمال اور انجام کا علم عطا فرمایا۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور حکمت عملی جس کے ذریعہ اس دور کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ مجھے پوری وسعت کے ساتھ عطا فرمائی گئی ہے اور مجھے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے ذریعہ اسے مستحکم کرنے کی توفیق دی گئی ہے۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اور جو کچھ اس میں داخل کیا گیا ہے اور جو سنت ہے یا ہر فرقہ نے جو نئی باتیں دین میں ایجاد کر لی ہیں۔ ان تمام کا علم مجھے دیا گیا ہے۔ اگر میرا بال بال زبان بن جائے تو بھی اس کی حمد و شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ غزالی

"سورۂ یوسف"

— از تصنیف —

حجۃ الاسلام والمسلمین امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

— ترتیب و تدوین —

مولانا محمد حفیظ نیازی ۔ ایڈیٹر رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ

— حسب الارشاد —

حضرت الحاج سید محمد حسن شاہ گیلانی قادری نوری

ناشر

معصوم اکیڈیمی، معصوم منزل اسلام گنج لاہور

تقسیم کار نوری بک ڈپو زیر سایہ حضرت داتا گنج بخش لاہور

سُنّی بہشتی زیور کامل

ناشر

نوری بُک ڈپو داتا صاحب لاہور

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

(کامل)

از

مبلغ اسلام علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی القادری

والد ماجد

قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ علماء پاکستان

نوری بک ڈپو، لاہور